مرآت العاشقین

اعلیحضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظاتِ عالیہ کا مجموعہ

پُرگوھر

اردو ترجمہ

مرآتُ العاشقین

اعلیحضرتؒ خواجہ شمسُ الدّین سیالوی رحمۃُ اللّٰہ علیہ کے ملفوظاتِ عالیہ کا مجمُوعہ

مرتبہ

سیّد محمّدؐ سعیدؒ

ترجمہ:

صاحبزادہ غلام نظام الدّین ایم اے مرولوی

تصوّف فاؤنڈیشن

لائبریری ○ تحقیق و تصنیف و تالیف و ترجمہ ○ مطبوعات

۲۴۹ ر این سمن آباد — لاہور — پاکستان

شوروم : المعارف ○ گنج بخشؒ روڈ ○ لاہور

کلاسیک کُتب تصوّف ⁘ سلسلۂ اُردو تراجم

ناشر	:	ابو نجیب حاجی محمدؐ ارشد قریشی بانی تصوّف فاؤنڈیشن۔ لاہور
طابع	:	زاہد بشیر پرنٹرز۔ لاہور
سال اشاعت	:	۱۴۱۹ھ — ۱۹۹۸ء
قیمت	:	۱۵۰ روپے
تعداد	:	پانچ سو
واحد تقسیم کار	:	المعارف۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور۔ پاکستان

۷ — ۰۱۳ — ۵۰۶ — ۹۶۹ — آئی ایس بی این

تصوّف فاؤنڈیشن ابو نجیب حاجی محمدؐ ارشد قریشی اور ان کی اہلیہ نے اپنے مرحوم والدین اور لختِ جگر کو ایصالِ ثواب کے لئے بطور صدقہ جاریہ اور یادگار یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ کو قائم کیا جو کتاب و سُنّت اور سلف صالحین و بزرگانِ دین کی تعلیمات کے مُطابق تبلیغ دین اور تحقیق و اشاعت کُتب تصوّف کے لیے وقف ہے۔

ترتیب

انتساب

"مرآت العاشقین" کا ترجمہ "پُرگوہر" ——— مدینۃ المعنی حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین (مدظلہ العالی) سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف کے نامِ نامی سے منسوب کرنے میں دلی مُسرّت محسوس کرتا ہوں۔

اے کہ تا نام تو آرائشِ عنوان بخشید
صفحۂ نامہ بشادابی برگِ سمن است

غلام نظام الدین

پیش گفت

دیباچے کو طول دے کر کتابچہ بنانا ویسے بھی موزوں نہیں، اور اس کے علاوہ اصل کتاب "مرآت العاشقین" کے مؤلف سید محمد سعید صاحب نے سببِ تالیف اور ضمنیات پر اتنی تفصیلی گفتگو کی ہے کہ شاید ہی کوئی قابلِ ذکر بات ان کے ہاں ناگفتہ رہی ہو۔ زیرِ نظر کتاب "پُرگوہر" ترجمہ ہے مرآت العاشقین کا، اور اس کے تعارف کے لیے مؤلف مرحوم کا دیباچہ کافی ہے۔ تاہم ترجمے کے متعلق کچھ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا۔ جدید ذہن کے "اختصار پسند" رجحان کا احترام کرتے ہوئے مترجم کو زیادہ دیر درمیان میں حائل رہنا پسند نہیں۔ لہذا، ترجمے کے متعلق صرف چند ضروری اشاروں پر ہی اکتفا کرتے ہوئے، مترجم نے قارئین کو جلد از جلد کتاب کے اصلی موضوع اور مواد کی طرف متوجہ ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اور بعض دوسرے علمائے تاریخ و تمدن نے بھی اس امر کو ایک تاریخی حقیقت کا درجہ دیا ہے کہ انیسویں صدی کے پنجاب میں فروغِ دین اور احیائے قلب کا عظیم کارنامہ تونسوی دبستانِ تصوف نے انجام دیا، جس کے سب سے بڑے نمائندے ہمارے صاحبِ ملفوظات یعنی اعلیٰ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی ہی تھے۔ آپ کثیر الفیضان بزرگ تھے۔ آپ کے خانقاہی مرکز سے بے شمار رشد گرد مرید اور خلفاء روحانی تربیت پا کر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ جہاں جہاں ان کے قدم پہنچے وہاں علم و عرفان کی شمعیں روشن ہوتی گئیں، جن کی چکا چوند سے ملک کی ساری فضا جگمگا اُٹھی:

ان کا سایہ اک تجلی، ان کے نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گذرے، اُدھر ہی روشنی ہوتی گئی

اعلیٰ حضرت سیالوی کو اس دُنیا سے رُخصت ہوئے نوّے (۹۰) سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن آپ کی دو ایسی یادگاریں ہم تک پہنچی ہیں جن سے مرحوم کا سلسلہ فیض آج تک اسی زور و شور سے جاری ہے، جیسے ان کے عرصہ حیات میں تھا۔ آپ کے مجلسی حالات اور اقوال و اذکار کی مستند دستاویز سیّد محمد سعید کی "مرآۃ العاشقین" ہے اور آپ کی سیرت و کردار کی مایۂ ناز اور عظیم المثال یادگار (آپ کے پڑپوتے) حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ العالی کا وجودِ مبارک ہے، جو بجائے خود نہ صرف اعلیٰ حضرت سیالوی بلکہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے تمام اکابر متقدمین کے شمائل و خصائل، علم و عرفان، عشق و وجدان، جذب و استغراق، نور و حضور، جمال و کمال، اقوال و افعال، اور ایثار و اخلاص کی بھرپور صدائے بازگشت ہے۔ ان دونوں یادگاروں کی بیک جا موجودگی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا اعلیٰ حضرت سیالوی اپنے اردگرد تیرھویں صدی ہجری کا خانقاہی ماحول لے کر ہماری آنکھوں کے سامنے جیتی جاگتی صورت میں مسندِ ارشاد پر متمکن ہیں۔

"مرآۃ العاشقین" ان تمام خوبیوں کی حامل ہے، جو اصولی طور پر ملفوظات کے ایک مجموعے میں ہونی چاہئیں۔ لیکن اس کی زبان فارسی ہے۔ فارسی زبان سے عوامی ذوق کی بیگانگی، برّصغیر میں انگریزی حکومت کے دورِ عروج سے لے کر آج تک برابر بڑھتی رہی ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد تو فارسی مرحوم و مغفور کے مرثیہ خوان بھی بمشکل چند انگشت شمار ہی رہ گئے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اردو زبان نے علم و ادب کے ہر میدان میں اتنی ترقی کی ہے کہ اسے بجا طور پر ملک کی علمی و ادبی اور قومی زبان قرار دیا جا سکتا ہے "مرآت العاشقین" کی افادیت اس کی فارسی زبان کی وجہ سے گھٹتی جا رہی تھی۔ اس امر کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اب سیال شریف کے ایک لاکھ سے زائد متوسّلین میں سے معدودے چند افراد کے علاوہ اس کتاب کا نام تک بھی لوگوں کی یادداشت سے محو ہو چکا ہے۔ بنابریں اندیشہ لاحق ہُوا کہ اعلیٰ حضرت سیالوی کی یہ مجلسی اور معنوی یادگار کہیں بالکل ہی معدوم ہو کر نہ رہ جائے۔ لہٰذا، ضرورت متقاضی ہوئی کہ "مرآت العاشقین" کے مطالب و معانی کو اردو میں منتقل کر دیا جائے تاکہ یہ کتاب ایک طرف تو

دستبردِ فنا سے محفوظ رہے اور دوسری طرف آسانی سے عوامی دسترس میں پہنچ کر مفید عام ہو۔

اس ترجمے کی ضرورت کا احساس سب سے پہلے میرے استادِ گرامی شاعرِ اجل خطاطِ بے بدل صوفی خورشید عالم مخمور سدیدی لاہوری کو ہوا۔ ترجمہ نگاری کی خدمت کے لیے موصوف نے اپنے تمام شاگردوں پر ایک نظر دوڑائی اور بالآخر

قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

استادِ مکرم کا ارشاد سنتے ہی میرا سر بے اختیار جھک گیا، حالانکہ اِس سے پہلے تصوف کا میدان میرے لیے بالکل ان دیکھی دنیا تھی، جس کے متعلق چند رسمی اور دھندلے سے معلومات کے علاوہ میرے ذخیرۂ علم میں کچھ بھی نہیں تھا۔

بے ساختگیٔ جوشِ جنوں داد طلب ہے!
چل نِکلے ہیں گو ہم نے بیابان نہیں دیکھا

چنانچہ میں نے دوسرے تمام ضروری کام ملتوی کر کے جُون ۱۹۶۵ء میں ترجمے کا کام شروع کر دیا۔ جو اتفاق سے ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کے سترہ روزہ دورِ آتشین کے اختتام پر انجام پذیر ہوا۔ یہ ترجمہ طالبعلمی کے دور کی یادگار تھا۔ اس میں طرح طرح کی فکری، فنی، لسانی اور معنوی کمزوریاں بھی تھیں۔ "نظرِ ثانی" کی لازمی ضرورت کے باوجود کثیرالنوع مصروفیات نے مسوّدے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا بھی موقع نہ دیا۔ تاآنکہ تائیدِ ایزدی نے خود بڑھ کر دستگیری فرمائی اور ۱۹۶۸ء/ ۱۳۸۸ھ میں خدا خدا کر کے "نظرِ ثانی" کا مرحلہ طے ہوا۔ استادِ موصوف کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے تاریخ بھی کہہ ڈالی۔ لیکن نظرِ ثانی کے بعد بھی مسودہ اس قابل نہ تھا کہ پریس میں بھیجا جا سکتا۔ چنانچہ ایک بار پھر پورے مسوّدے کی خواندگی کی گئی اور حسبِ ضرورت اصلاحیں بھی درج کر دی گئیں۔ تب جا کر ۲۷ رجب ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۷۰ء کو پریس کے لیے صاف مسودہ تیار ہوا۔

خیال تھا کہ "مرآت العاشقین" میں مذکورہ اشخاص اور کتب پر معلوماتی نوٹ لکھ کر "پُرگوہر" پر ایزاد کر دیئے جائیں، لیکن عدیم الفرصتی اور کم ہمتی کی وجہ سے، ناچار کتاب کے ترجمے پر ہی قناعت کرنا پڑی۔

اشعار کا ترجمہ کرتے وقت کوشش کی گئی ہے کہ شعروں میں فکر و خیال کے محذوف حصے اور ربطِ کلام کی مفقود کڑیاں بہم پہنچا کر معنویت کے پورے حدود واضح کر دیئے جائیں۔

پہلے چوبیس ابواب کی عربی عبارتوں کا ترجمہ پروفیسر چودھری محمد اسحاق صاحب اور آخری سولہ ابواب کی عربی عبارتوں کا ترجمہ صاحبزادہ عزیز احمد صاحب نے کیا ہے۔ اس معنوی تعاون کے لیے ہم دونو حضرات کے مشکور ہیں۔

"مرآت العاشقین" میں کہیں کہیں ابہام بھی تھا، لیکن ایسے موقعوں پر، مترجم نے اس لیے اپنی طرف سے کوئی صراحت نہیں کی تاکہ ملفوظات کی اصل نوعیت جوں کی توں برقرار رہے۔

ترجمے کا نیا پیکر اختیار کرنے کے بعد اگر کتاب میں کوئی فنی کمزوری رہ گئی ہے تو ظاہر ہے اس کی ذمہ داری مترجم پر ہی عائد ہوتی ہے، لیکن ایسی ہر کمزوری سے، اس لیے، چشم پوشی بھی کی جاسکتی ہے کہ موضوع کے لحاظ سے اس کتاب کا مرکز و محور محض عشقِ الٰہی ہے اور عشق تو خواہ جس صورت میں بھی ہو انتہائی دلچسپ اور خوش آئند چیز ہے۔

عشق در اول و آخر ہمہ وجد است و سماع
ایں شرابیست کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است

غلام نظام الدّینؒ، مرولہ شریف

دیباچہ

خطبہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلٰوۃ والسّلام علٰے سیّد المرسلین وخاتم النبیّین وعلٰی آلہ الطّاہرین واصحابہ المکرّمین ۔ امّا بعد شب و روز کے پیدا کرنے والے اور عروسِ بہار کو بر سرِ جلوہ لانے والے کے حضور جس قدر عجز و انکسار پیش کیا جائے کم ہے ۔ کیونکہ ہم تباہ حال گناہگاروں کی پونجی میں بجز نقدِ معصیت اور ہاتھوں میں سوائے جنسِ تہی دستی کے اور ہے ہی کیا ؟ لہٰذا اے کریم اور اے غفور جب کہ حقیقی بادشاہ تو ہی ہے اور ہر بلند و پست نے بالآخر پلٹ کر تیری طرف ہی جانا ہے ۔ تیری عظمت و بزرگی کے ادراک میں تمام انبیاء اور اولیاء کی عقلوں کو اعترافِ عجز ہے ۔ اور تیرے کمالات کے بیان میں تمام کائنات معذورِ محض ہے ۔ تیرے عفوِ بے پایاں پر ، تیرے انبیاء اور مقربین کی شفاعت پر آس لگائے ، سوزِ دل کے ساتھ میں یہ چند اشعار تیری درگاہِ جلالت پناہ میں پیش کرتا ہوں ۔

حمدِ باری تعالٰی کے خاتمے پر مؤلف نے مناجات کے گیارہ طبعزاد شعر پیش کیے ہیں ان کو نقل کرنا ہم نے ضروری نہیں سمجھا ۔

در ذکرِ نعت

اللہ تعالٰی کی حمد و ثنا کے بعد ۔ صلٰوۃ و سلام کے رنگا رنگ اور پاکیزہ تحفے مخصوص ہیں ۔ آنحضرت احمدِ مجتبٰے محمدّ مصطفٰے صلّے اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ مقدس کے لیے ۔ چمنستانِ نبوت و رسالت اور گلستانِ مروّت و شجاعت اور بارگاہِ جاہ و جلال میں تختِ شاہانہ آپ ہی کے لیے آراستہ کیا گیا ہے ۔ اور آپؐ ہی عالمِ بالا کے صدرِ انجمن ، فیضانِ الٰہی کے مظہرِ کامل ، لا متناہی کمالات کے حامل ، قاب قوسین کی شان والے ، سردارِ دو جہان ، ولایتِ یقین کے سلطان ، اللہ تعالٰے کی خلوتِ خاص میں باریاب ، تمام نبیوں سے افضل ، مقدسین کے مُقتدیٰ ، عزت و کمال ،

کے مظہر، خدا کے محبوبِ خاص، کلامِ الہٰی کے بیان کرنے والے، لا انتہا اسرار سے واقف، اُلوہیت کے اظہار کا باعث اور لولاک لما ظہر الربوبیت کا مقصود ہیں۔

اس عبارت کے ساتھ مؤلف نے مثنوی کی صورت میں پنیتیس نعتیہ اشعار درج کیے ہیں۔

در مدحِ شیخ اس حصّہ میں مؤلف نے اپنے شیخ کی منقبت میں تیس شعر نقل کیے ہیں۔

در عقیدۂ خود اس حصّہ میں گیارہ شعروں میں مؤلف نے اپنا مسلک چشتی نظامی بتایا ہے۔

امّا بعد درماندہ اور بے یار و مددگار لوگوں میں سب سے ناتواں شخص محمّد سعید بن سیّد حیدر شاہ زنجانی، حنفی، چشتیؒ (خدا اس کے اسلاف و اخلاف کو قیامت کے دن رسُولِ خدا علیہ السلام کے فرمانبردار گروہ سے اٹھائے) لاہور شہر سے چار چھ میل کے فاصلے پر قصبہ بھڑتھ کا رہنے والا ہے۔ بندۂ مذکور نے احکامِ الہٰی کے اسرار و رموز اور نہ ختم ہونے والے فائدوں کے موتی جو کہ حضرت خواجہ شیخ شمس الحق والدین سیالوی (خدا ان پر اور ان کے اجداد و اولاد پر راضی ہو) کی زبانِ گوہر بار سے دامانِ سماعت میں چنے، توفیقِ ایزدی سے، وہ سب یہاں یکجا ہیں۔ ایک سچے عاشق کو، چونکہ ایسے کلام میں جو متکلم کے اوصافِ معنوی اور کمالاتِ باطنی کا ترجمان ہو، معشوقِ حقیقی کا پرتوِ جمال نظر آتا ہے، اس لیے اس مجموعۂ ملفوظات کا نام "مرآت العاشقین"، رکھا گیا۔ (اللہ سے ہی امداد کی توقع ہے اور میں اللہ پر ہی بھروسہ کرتا ہوں)

التماس قارئین کتاب سے یہ توقع رکھتے ہوئے میں حق بجانب ہوں کہ جب وہ ان ملفوظات کے مطالعے سے محظوظ ہوں تو مؤلف کو دُعائے خیر سے یاد فرمائیں گے، نیز کتاب کا مطالعہ بھی ہمدردانہ اور اصلاحی نقطۂ نظر سے کریں گے کیونکہ نہ تو میں شاعری اور نثاری کا مدعی ہوں اور نہ ہی مجھے اپنے علم و فضل پر کچھ ناز ہے۔ یہ چند باتیں میں نے محض اپنے پیر و مرشد خواجہ خواجگان حضرت شیخ

شمس الدین سیالوی کی محبت کی تحریک پر لکھی ہیں۔ اور گفتگوئے عشق کو زبان و بیان کے قواعد یا گریمر سے سروکار نہیں۔ بقول حضرت خواجہ اجمیریؒ

عشق را با مومن و کافر نباشد احتیاج
ایں سخن بر مسجد و میخانہ می باید نوشت

اگر قارئین اس کتاب میں کوئی غلطی پائیں تو اصلاح سے اس کی تلافی کر دیں اور مدنظر یہ حدیث رکھیں جو مشکوٰۃ المصابیح میں مذکور ہے۔

اول من نسی آدم — پہلے پہل حضرت آدم سے بھول ہوئی تو اب
فنسی ذریتہ — آپ کی اولاد سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے

اگرچہ کسی انسان کا کلام غلطی سے پاک نہیں، لیکن تاہم اگر تحریر کو ہمدردانہ نقطۂ نظر سے پڑھا جائے تو اس کی خامیاں بھی خوبیاں نظر آتی ہیں اور کانٹے چنبیلی کی کلیاں معلوم ہوتے ہیں۔ بقول سعدی

اگر بچشم ارادت نگہ کنی بر دیو
فرشتہ ات بنماید بچشم کروبی،

ترجمہ: اگر تو ارادت کی نظر سے شیطان کو بھی دیکھے تو وہ بھی تجھے مقرب فرشتہ نظر آئے گا۔

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

ترجمہ: میں نے سنا کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اپنے نیک بندوں کے طفیل گناہگاروں کو بھی بخش دے گا۔

تو نیز ار بدی بینی اندر سخن
بخلق جہاں آفریں کار کن

ترجمہ: لہٰذا اگر آپ بھی میری تحریر میں کوئی نقص دیکھیں تو ردِ عمل کے طور پر پردہ پوشی والا وہی طریقہ اختیار کریں جو اللہ تعالےٰ کو بیحد پسند ہے۔

اور اِس حدیث کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔

تخلقوا باخلاق اللہ اللہ کے سے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو

سبب تالیف

واضح ہو کہ ان ملفوظات کی گرد آوری کے چند خاص محرّکات ہیں :

پہلا سبب یہ ہے کہ ایک مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوُا کہ اگر تائید ایزدی سے، کوئی یادگار تحریر اپنے ہاتھ سے نکل گئی، تو جو بھی اس کو پڑھ کر سعادت پائے گا، مجھے بھی ثواب حاصل ہوگا۔ حتیٰ کہ یہ امر قیامت کے دن میری نجات کا باعث ہوگا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ خواجہ شمس العارفین کی باتیں سب سے اچھی باتیں ہیں اور اس کی بھی چند ایک وجوہ ہیں :

(۱) یہ کہ یہ قرآن وحدیث کے مطابق ہیں۔

(۲) یہ کہ مرید کے دل سے دنیا کو فراموش کر دیتی ہیں۔

(۳) یہ کہ ان سے مرید کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔

(۴) یہ کہ مرید ان باتوں سے تنبیہ پا کر آخرت کے لیے زادِ راہ تیار کر لیتا ہے۔

(۵) یہ باتیں سالکوں کو راستہ دکھاتی ہیں اور عارفوں کو عرفان سے سرشار کر دیتی ہیں

(۶) اگر مرید کمزور بھی ہو تو ان باتوں سے بلند ہمت ہو جاتا ہے اور اس میں طلب وجستجو کا عنصر ترقی کرتا ہے۔

(۷) یہ باتیں تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے نہایت مفید ہیں لہٰذا، میں نے ان باتوں کو قلمبند کرنا ضروری سمجھا۔

مرآت العاشقین کی تالیف کا تیسرا سبب یہ ہے کہ رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں : عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ چونکہ اللہ کے نیک بندوں کا ذکر نزولِ رحمت کا باعث ہے، لہٰذا میں نے حضرت شیخ کی باتوں کو بیان کرنا عینِ سعادت اور باعثِ رحمت سمجھا۔

چوتھا سبب تالیف یہ ہے کہ پیرِ روشن ضمیر کی محبت میرے رگ وپے میں بہا

تک موجزن ہے کہ کوئی بھی وقت ہو لیکن میرے دل کو خوشی انہی کی باتوں سے ہوتی تھی باوجود اس کے کہ المرء مع من احب (آدمی اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے) لہٰذا میں نے اپنی وسعت کے مطابق حضرت شیخ کی روح پرور، شوق انگیز اور ذوق آفرین باتوں کو جمع کیا۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من ارادہ ان یجلس مع	جسے اللہ تعالےٰ کی محبت مطلوب ہو
اللّٰہ فلیجلس مع اھل الذکر	اسے چاہیئے کہ اہلِ ذکر کی مجلس میں بیٹھے

چوں شوی دور از حضورِ اولیاء

درحقیقت گشتہ ای دُور از خدا ؎

یعنی چونکہ اہلِ عرفان کی صحبت کو حضورِ حق کی ہمنشینی کے قائم مقام ٹھہرایا گیا ہے نیز اہلِ عرفان کے ملفوظات میں غور و فکر کرنا درحقیقت صاحبِ ملفوظ کی صحبت معنوی کے برابر ہے۔ لہٰذا خواجہ شمس العارفین کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے لیے، ان کے ملفوظات کی گرد آوری اور ترتیب و تبویب کو میں نے اپنا مقصدِ عظیم قرار دیا۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ بقول صاحبِ " قول جمیل " (شاہ ولی اللہ رح)

اذا غاب عنہ الشیخ	جب پیر آنکھ سے اوجھل ہو تو مرید کو چاہیئے
تخَیُّلُ صورۃ تعظیما تفید	کہ اس کی صورت کا تصور کرے کیونکہ
صورۃ کما تفید صحبۃ	شیخ کا تصور بھی اسی طرح مفید ہوتا ہے
	جس طرح اس کی صحبت۔

لہٰذا میں حصولِ سعادت کی غرض سے حضرت شیخ کے تصور اور ان کے فکر و خیال میں اپنے آپ کو مصروف کرتا ہوں، تاکہ میرا خیال کہیں اغیار کی طرف منتقل نہ ہو جائے۔ بقول مولانا روم :

اے برادر تو ہمیں اندیشہ ای

مابقی تو استخوان و ریشہ ای ؎

ترجمہ: اے بھائی! تیری ذات کا اصل جوہر فکر و خیال ہے، اور اس کے علاوہ تو محض چند ہڈیوں اور چند رگوں کا مجموعہ ہے۔

گر گل است اندیشۂ تو گلشنی
ور بود خارِ تو ہیمہ گلخنی

ترجمہ: اگر تیرے فکر و خیال میں گلاب کا تصور چھایا رہے تو تو چمن بن جائے گا اور اگر کانٹے کو تو اپنا مرکزِ خیال بنالے، تو تو بھٹی میں جلانے والی سوکھی لکڑی سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت شیخ کی باتیں ترجمانِ حقیقت اور وسیلۂ نجات ہیں۔ اور بہت سے لوگ محض دوری کی وجہ سے آپ کی خدمت میں زیادہ تر حاضر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا وہ چند باتیں جو حضرت شیخ کی مجلس میں حاضر رہ کر میں نے سنیں، قلمبند کر لیں تاکہ مفیدِ عام ہوں۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ بقول جامیؒ

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

ترجمہ: ضروری نہیں کہ معشوق کے دیکھنے سے ہی عشق پیدا ہو، بلکہ بعض اوقات معشوق کا ذکر سنتے سنتے بھی یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔

در آید جلوۂ حسن از رہِ گوش
زجاں آرام بر باید ز دل ہوش

ترجمہ: حُسن کا تعلق محض بصارت سے نہیں، بلکہ بعض اوقات حسن کا کوئی سرگرم جلوہ صوت و آہنگ کی صورت میں کانوں کے راستے باطن کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے، اور دل سے ہوش اور جان سے آرام کو بیک آن غارت کر دیتا ہے۔

چونکہ محبت افزا باتیں سننے سے عشق حقیقی، بے دریغ جلوہ پاشی کرتا ہے، لہٰذا حضرت شیخ کی باتوں کو سننا اور لکھنا، میں نے اپنے لیے عشق حقیقی کا وسیلہ سمجھا۔

نویں وجہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ گنج شکرؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی مرید اپنے شیخ کے اقوال سُنے اور انہیں قلمبند کرے تو ہر حرف کے بدلے ہزار سالہ عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے اور مرنے کے بعد اس کی جگہ بہشت میں ہوتی ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے بھی فرمایا ہے کہ میں نے حضرت باوا صاحب سے سنا کہ جو مرید اپنے شیخ کی زبانِ مبارک سے گفتگو سنے اور اسے قلمبند کرے، تو اللہ تعالیٰ اسے زیادہ سے زیادہ برکتیں اور نیکیاں عطا کرتا ہے۔ اسی امید پر میں بھی اپنے شیخ کے ملفوظات لکھنے میں مشغول ہوا۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن، اگر اسی خدمت کے طفیل، حضرت شیخ نے مجھے اپنے مریدوں میں شمار کر لیا، تو اللہ تعالےٰ میرے سب گناہ معاف کر دے گا۔ جیسا کہ اصحاب کہف کے کتے کی مثال ہے۔ اے خدائے بزرگ و برتر! اگر ایک کتا چند قدم تیرے دوستوں کے پیچھے پیچھے چلا تو تو نے اسے اپنے دوستوں کی دوستی کے طفیل انسانوں کے گروہ میں شمار کیا اور اسے بہشت میں جگہ دی۔ یہ خاکسار اگرچہ تیرے دوستوں کی دوستی میں کمال تک نہیں پہنچا، لیکن بڑے بڑے خواجگان اور اولیائے کرام کے طفیل مجھے بخشش کی سعادت سے محروم نہ رکھ! اور اپنی اس خاص نظر سے، جو تیرے دوستوں کے حصے میں آئی ہے، مجھے دور نہ رکھ! اور ان ملفوظات کو میرے اور میرے پیر بھائیوں کے لیے حصولِ معرفت کا وسیلہ بنا دے۔

آمین یا ربّ العالمین

شوق زیارت شیخ

بچپن میں مجھے والد بزرگوار نے نظم کی چند کتابیں پڑھائیں اور پھر اصول و فروع کے زبردست عالم اور معقول و منقول کے نکتہ دان مولوی سلطان احمد نقشبندی کردلوی کے درس میں بٹھا دیا۔ ان کے پاس صرف و نحو کی چند کتابیں جب پڑھ چکا تو میرے دل میں شیخ طریقت کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور نقشبندیہ سلسلے کو سنتِ نبوی کے عین

مطابق سمجھتے ہوئے میں اس کا معتقد ہو گیا۔ چنانچہ حضرت والد سے میں نے نقشبندیوں میں بیعت کی اجازت چاہی۔

قبلہ والد صاحب حضرت شیخ نبی بخش چشتی صابری سے بیعت اور خلافت رکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا، فرزند عزیز! میں تمہارے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالتا، لیکن تاہم میرا مشورہ یہ ہے کہ تم چشتیہ سلسلے سے اپنے آپ کو منسلک کرو۔ ساتھ ہی مجھے کتاب فوائد الفوائد کے مطالعے کا حکم فرمایا جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔

حسب الامر میں نے فوائد الفوائد کا مطالعہ دن رات جاری رکھا۔ تصوف کے موضوع پر اگرچہ بے شمار کتابیں موجود ہیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی مجھے فوائد الفوائد کے برابر لطف محسوس نہ ہوا۔ اسی کتاب کے مطالعے سے چشتی نظامی مشائخ کی محبت میرے دل میں پیدا ہوئی اور پھر تو میں دن رات اسی خیال میں غرق رہنے لگا۔

انہی ایام میں میرے ماموں مدد علی صاحب نے، جو عبادت و ریاضت میں بلند مرتبہ رکھتے تھے اور نقشبندیہ سلسلے میں بیعت تھے، مجھے فرمایا، بیٹا! میں نے بے شمار معقول اور ذمہ دار لوگوں سے سنا ہے کہ شیخ شمس الدین سیالوی، جو حضرت تونسوی کے اکابر خلفاء میں سے ہیں، زمانے کے قطب ہیں اور ظاہری و باطنی علوم کے جید عالم اور رُشد و ہدایت میں رہنمائے خلق ہیں۔ لہٰذا اگر تمہیں نورِ حقیقت کی سچی تلاش ہے تو سیال شریف جا کر حضرت خواجہ شمس الدین کی خدمت اختیار کرو۔

یہ بات سنتے ہی آپ کی زیارت کا شوق میرے دل میں موجزن ہوا، لیکن معاً یہ خیال آیا کہ پہلے آپ کے مفصّل حالات معلوم کر لینے چاہئیں۔

اتفاقاً ایک دن میں نوشاہی سلسلے کے صوفیوں کی مجلسِ سماع میں بیٹھا ہوا تھا تو اللہ بخش نامی ایک شخص نے کہا کہ ان صوفیوں کا طریقِ سماع میرے شیخ کے طریقے کے خلاف ہے، کیونکہ یہ لوگ مزامیر سنتے ہیں۔ میں نے پوچھا تمہارا پیر کون ہے؟ اس نے کہا حضرت خواجہ شمس الدّین سیالوی۔ پھر میں نے اس سے حضرت کے مفصل حالات د

اور کمالات سُننے تھے۔

اس کے بعد ایک دن، میں مولوی غلام رسول صاحب ساکن قلعہ میہاں سنگھ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں ایک شخص نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ فلاں چنیوٹی بزرگ اور فلاں لاہوری بزرگ مقام سلوک میں کہاں تک پہنچے ہوئے ہیں؟ فرمایا اس قسم کے وظیفہ خوان لوگوں کو نیک بخت کہا جا سکتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ خواجہ شمس الدین سیالوی کس قسم کے بزرگ ہیں؟ فرمایا کہ وہ شیخ کامل و اکمل ہیں۔

یہ گفتگو سن کر حضرت سیالوی سے میرا عقیدہ اور پکا ہو گیا۔ اور میرے سینے میں آتشِ عشق کے بھبھکتے ہوئے شعلے اپنا کام کرنے لگے۔

بالآخر، میں نے حضرتِ والد سے سیال شریف جانے کی اجازت چاہی۔ موصوف نے بنفسِ نفیس میرے ساتھ چل کر پیر کی رات، بوقتِ عشاء ۱۶ رجمادی الثانی ۱۲۸۷ ہجری کو حضرت خواجہ شمس العارفین کی خدمت میں مجھے حاضر کر کے بیعت کرا دیا۔ حضرت شیخ نے میری استعداد کے مطابق مجھے ذکر و اوراد کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد آپ سال بہ سال جن اشغال و مراقبات کی مجھے تلقین فرماتے رہے، میں انہیں بجا لاتا رہا۔

اِس کے بعد، میں، ہفتہ کی رات، یکم ربیع الاول ۱۲۹۴ ہجری کو مولوی غلام محمد تونسوی گجراتی کے حجرے میں سویا ہوا تھا، تو خواب میں خواجہ شمس العارفین نے بے پناہ عنایت کے ساتھ مجھے ایک کتاب عطا فرمائی نیز ہفت اسماء کی زکات کی اجازت بخشی۔

صبح، میں نے حضرت شیخ سے خواب بیان کیا اور اس کی تعبیر دریافت کی۔ فرمایا فقیر خانے میں مرقع اور کشکول شریف موجود ہیں، انہیں نقل کر لو، اور ہفت اسم الٰہی کی زکات جو حضرت غوثِ صمدانی شیخ عبد القادر جیلانی کی سند سے مرقع میں درج ہے، حسبِ شرائط ادا کرو۔ میں نے ہر طرح سے تعمیل کی۔

اس کے بعد، منگل ۲۰ ربیع الاوّل ۱۲۹۷ ہجری کو قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت نے بندہ کی طرف متوجہ ہو کر انتہائی مہربانی فرمائی اور اپنے نعلین شریفین

اور ایک پوشاک بطورِ تبرک بخشے۔ اس کے علاوہ چارترکی ٹوپی اپنے ہاتھ مبارک سے بندہ کے سر پہ رکھی۔

بعدازاں میں نے عرض کیا کہ میرے والدین میرے ہاں اولاد نہ ہونے کی وجہ سے میری دوسری شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت شیخ کی محبت سے دل فارغ ہی نہیں ہوتا کہ اس قسم کی تجویز پر غور کرسکوں۔ لہٰذا امید ہے کہ آنحضور میرے حق میں نیک اولاد کے لیے دعا فرمائیں گے۔ حضرت نے انتہائی توجہ سے دعا فرمائی اور ایک تعویز اپنے ہاتھ مبارک سے لکھ کر مجھے دیا اور فرمایا کہ اہلیہ کے دائیں بازو پر باندھ دو۔ میں نے اسی طرح کیا۔

جمعہ ۱۷ر شعبان ۱۲۹۷ ہجری عصر کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کے طفیل مجھے فرزند عطا کیا۔ ایک سال بعد جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بچے کی پیدائش کی خوشخبری عرض کی تو فرمایا تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ عرض کیا محمد یوسف۔ فرمایا مبارک ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا دوسرا بھائی بھی عنایت فرمائے گا۔ آپ کا یہ ارشاد میں نے اپنے دل میں پوشیدہ رکھا۔

بروز منگل ۱۴ر صفر ۱۳۰۰ ہجری حضرت شیخ کے وصال سے دس دن پہلے مجھے قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی غلام محمد تونسوی گجراتی، امام بخش نذر برادر آپ کا ملازم سیّد احمد اور دوسرے یارانِ طریقت بھی حاضر تھے۔ حضرت شیخ نے بندہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے انتہائی شفقت فرمائی اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ حضرت تونسوی نے ہمیں مہمانوں کی تواضع اور دیکھ بھال کی بڑی سخت تاکید کی تھی، جو کچھ ہم سے ہوسکا ہم کرتے رہے ہیں۔ تمہیں بھی چاہیئے کہ تم حسبِ توفیق مہمانوں کی خدمت کرو اور خواجگان کے عرس بھی کرو۔ کیونکہ ان دونوں باتوں سے اللہ کی برکت حاصل ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص خدا کا راستہ اور ورد، وظیفہ پوچھے تو وہ بھی بتاؤ، تمہیں اس کی اجازت ہے۔ اس کے بعد مجلس میں بیٹھنے والے تمام لوگوں نے مبارکباد دی کہ حضرت شیخ نے تمہیں خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔ میں نے کہا

حضرت کے اس ارشاد پر اللہ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں۔

بعد ازاں، جمعرات صبح کے وقت ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۰۰ھ کو حضرت شیخ کے وصال کے آٹھ دن بعد، مہر محمد بخش کے محل میں حضرت مولانا کی جگہ پر سویا ہوا تھا کہ خواب میں حضرت شیخ کی زیارت سے مشرف ہوا، اس صورت میں کہ چودھویں کے چاند کی طرح آپ کا چہرۂ اقدس نور سے دمک رہا تھا اور جسم اطہر آفتاب کی طرح روشن تھا۔ آپ اپنی مسجد میں مصلے پر امامت کے لیے تیار کھڑے ہیں، تمام درویش آپ کے پیچھے صف بستہ ہیں۔ ابھی تکبیر شروع نہیں ہوئی کہ دائیں طرف سے مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے آپ کے قریب جا کر مزاج پرسی کی، مگر آپ ان کی بات نہ سن سکے اس کے بعد میں نے قریب جا کر پوچھا کہ آں حضور کی طبیعت کیسی ہے؟ فرمایا اللہ کے فضل سے خیریت ہے۔ پھر تبسّم کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تمہیں دوسرا لڑکا بھی عطا کرے گا۔ میں نے عرض کیا اس کے لیے آپ پہلے بھی دعا فرما چکے ہیں۔ اگر قبول ہو جائے تو زہے نصیب۔ چنانچہ ۱۴ صفر ۱۳۰۱ھ کو خدا نے دوسرا لڑکا بھی عنایت کیا، جس کا نام عبد العزیز رکھا گیا۔ اس کے بعد، اسی خواب میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ حسبِ توفیق مہمانوں کی خدمت کیا کرو اور اپنے والد بزرگوار کو اسم یا حی یا قیوم کا وظیفہ بتاؤ۔

نیند سے بیدار ہونے کے بعد، مولوی معظم دین صاحب کے سامنے جا کر میں نے اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا، مبارک ہو کہ جاگتے اور سوتے میں حضرت شیخ نے تمہیں کامل و اکمل بنا دیا۔

اے عزیز غور سے سُن

ایک دن میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ آں حضور کے غلاموں میں میری وہی کیفیت ہے جو اس بڑھیا کی تھی جو سوت کی انٹیا ہاتھ میں لے کر یوسف علیہ السلام کو خریدنے چلی گئی تھی اور کہتی تھی کہ میں مفلس ہوں لیکن چلو اسی بہانے یوسف کے خریداروں میں تو میرا نام آ ہی جائے گا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس بڑھیا نے

تو یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کا یہ بہانہ بنایا تھا، ورنہ یہ کوئی ان کی قیمت تو نہ تھی۔
پھر آپ نے یہ شعر پڑھا :

اگرچہ من بسے قاصر قماشم
کہ در سلکِ خریدارنش باشم

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں بھی زیارت کے بہانے خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، ورنہ آنحضور کی اطاعت کا حق مجھ سے کب ادا ہو سکتا ہے؟ لیکن پھر بھی امید ہے کہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے کے طفیل بخشا جاؤں۔ کیونکہ میں نے مشکوٰۃ شریف میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ذاکرین کے تمام گروہ کو بخش دیا۔ فرشتے کہتے ہیں یا باری تعالیٰ فلاں گنہگار آدمی تو صرف ذاتی غرض اور کاروباری ضرورت سے ان لوگوں کے درمیان بیٹھا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ان دوسروں کے طفیل میں نے اسے بھی بخش دیا۔

پھر فرمایا، جو کچھ تم نے کہا وہ درست ہے کہ قیامت کے دن اللہ کریم نیکوں کے طفیل بروں کو بھی بخش دے گا۔ بقول سعدی

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اس کے بعد فرمایا، کہ ایک شخص حضرت فریدالدّین گنج شکرؒ کے روضہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتا تھا، یہ عجیب دربار ہے کہ جو لوگ یہاں آتے ہیں سمجھتے ہیں کہ حضرت خواجہ کی برکت سے وہ بخشے جائیں گے، اور خود خواجہ فریدالدین یہ فرماتے ہیں کہ امید یہ ہے کہ میں ان لوگوں کے طفیل بخشا جاؤں جو میرے پاس آکر ہاتھ پاؤں رگڑتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا، خواجہ تونسوی فرماتے تھے کہ چند لوگ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہیں، مجھے امید ہے کہ کبھی کوئی ایسا مقبولِ بارگاہ بھی میرے ہاتھ آجائے گا، جس کے طفیل، خدا مجھے بخش دے گا۔ ان باتوں سے میں لاجواب ہو گیا اور کہا

اللہ کا شکر ہے۔

ملفوظ نویسی کی اجازت

ایک دن میں حضرت مولانا شیخ شمس الحق والدین کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی موتیوں جیسی قیمتی باتیں، اور طلبِ عشقِ حقیقی کے موضوع پر ایک غزل لکھ کر مولوی احمد یار سیال ساکن پھونانی کی وساطت سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولوی صاحب نے میرے لکھے ہوئے اوراق آنحضور کی خدمت میں پیش کیے اور عرض کیا کہ آپ کے یہ چند ملفوظات سید محمد سعید نے تحریر کیے ہیں، اور وہ درخواست کرتا ہے کہ آپ اس سلسلے کو جاری رکھنے کی اجازت بخشیں۔

حضرت شیخ نے مطالعہ کر کے فرمایا، تم نے اچھا لکھا ہے۔ انسان سے جو بھی نیکی کا کام ہو سکے غنیمت ہے۔ میں نے عرض کیا، اگر اجازت ہو تو جو گفتگو آں حضور کی زبانِ مبارک سے سنوں اسے نقل کر لیا کروں۔ آپ نے فرمایا، جتنا چاہو لکھ لیا کرو۔ لیکن ہم درویشوں کی تو یہ حالت ہے کہ دوسروں کو ہم ترکِ دنیا سکھاتے ہیں اور خود حصولِ دنیا کے لیے کوشاں ہیں۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

ترک دنیا بردم آموزند
خویشتن سیم و غلّہ اندوزند

اِس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی:

یاایھا الذین آمنوا لِمَ تقولون مالا تفعلون ،	اے ایمان والو! تم زبان سے ایسی بات کیوں کہتے ہو، جس پر تمہارا عمل نہیں۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے مقربینِ خاص اتنی رفعت شان کے باوجود اپنی ہستی کو اس طرح فراموش کر دیتے ہیں کہ ہر وقت یہی کہتے ہیں۔

ماعرفناک حق معرفتک و ماعبدناک حق عبادتک	ہم نہ تیری معرفت کماحقہ حاصل کر سکتے ہیں اور نہ تیری عبادت کا

حق ہی ہم سے ادا ہو سکا ہے ۔

(اس کے بعد مؤلف نے پانچ شعروں کی ایک غزل درج کی ہے ۔)

اس کے بعد حضرت شیخ کی زبان مبارک سے میں جو باتیں سنتا ما تحریر کر لیتا ۔ اور عام طور پر آپ کا یہ معمول تھا کہ جب یہ خاکسار آپ کے حضور میں بیٹھتا تو آپ زبان حقیقت ترجمان سے انواع و اقسام کی گفتگو فرماتے ۔ اللہ تعالےٰ حضرت شیخ کی فرشتہ سیرت ہستی کو اپنے فضل و کرم اور خیر و برکت سے مالا مال فرمائے ۔ اور آبِ حیات کی سی تاثیر رکھنے والے ان ملفوظات سے طالبانِ حقیقت و عرفان کو سیراب فرمائے ۔

آمین یا رب العالمین !

اس کتاب میں ۱ شمس العارفین سے مراد خواجہ شمس الدین سیالوی ۔

۲ حضرت تونسوی سے مراد خواجہ محمد سلیمان تونسوی ۔

۳ قبلہ عالم سے مراد خواجہ نور محمد مہاروی ۔

۴ سلطان المشائخ سے مراد خواجہ نظام الدین اولیا رہیں ۔

مجلس ۱

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

اتوار ۱۶ر جمادی الثانی ۱۲۸۷ھ ہجری کو مجھے شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ میرے والد بزرگوار، حافظ امیر اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریکِ مجلس تھے۔

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ قرآنِ پاک اور دوسری آسمانی کتابوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعدد اسمائے گرامی کا ذکر آیا ہے۔ جن میں سے ایک اسم "اُمّی" ہے اور اس کے تین معنی بیان کیے گئے ہیں :۔

(۱) اُمّی اسے کہتے ہیں جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہی کیفیت تھی۔

(۲) عرب اپنے محاورے میں ہر چیز کی اصل کو "اُم" کہتے ہیں۔ مکہ معظمہ کو "ام القریٰ" اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ درجے کے لحاظ سے تمام شہروں کا سردار اور محلِ وقوع کے لحاظ سے زمین کے مرکزی نقطے پر واقع ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے "اُمی" کا لقب اسی لیے دیا ہے کہ آپؐ تمام موجودات کے اصل الاصول ہیں"۔

بقول سعدی :

تو اصلِ وجودِ آمدی از نخُست
دگر ہر چہ موجود شد فرعِ تُست

حدیث شریف میں مذکور ہے۔

کل الخلائق من نوری	تمام مخلوق میرے نور سے اور میں
وانا من نور اللہ۔	اللہ کے نور سے وجود پذیر ہوا ہوں۔

(۳) اُمیؐ کے تیسرے معنی نسبتی ہیں - چونکہ آپؐ مکہؐ میں پیدا ہوئے، لہٰذا، "اُم القریٰ"، کی نسبت سے "اُمیؐ"، بمعنی مکیؐ کہلائے -

از سرِ نو فرمایا کہ - "نگارِ من[1]" سے مراد آنحضرتؐ کی ذاتِ مقدس ہے، کیونکہ آپؐ باوجود اُمیؐ ہونے کے ازل سے ابد تک کا علم رکھتے تھے، اور عاشقانِ الٰہی کو ادنےٰ اشارے سے حقائق و معارفِ آلہیہ کے غوامض و دقائق پوست کندہ صورت میں سمجھا دیا کرتے تھے - ضمناً مولوی غلام حسین قریشی نے یہ حدیث پیش کی -

اوتیت علم الاولین والآخرین -	مجھے اولین و آخرین کا سب علم عطا کیا گیا ہے -

عالمے کاموز گارش حق بود
علم اوبس کامل مطلق بود

ترجمہ :- سبحان اللہ) جس عالم کا استاد حق تعالیٰ ہو، اس کا علم کتنا ہی کامل و اکمل ہوگا -

از سرِ نو فرمایا کہ - خواجہ حافظ شیرازی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اٹھارہ سالہ معشوق اور قرآن کریم کو شرابِ دو سالہ کے نام سے تعبیر کیا ہے اور آنحضرتؐ کی صحبت کو صحبتِ کبیر اور قرآن کی صحبت کو صحبتِ صغیر قرار دیا ہے، جیساکہ ان کے شعر سے واضح ہے -

---

(۱) سیاق و سباق کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے آنے سے ذرا پیشتر خواجہ شمس العارفین نے حافظ شیرازی کا یہ شعر پڑھا ہوگا ؎

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و درس نخواند   بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

لیکن مؤلف نے اپنی کمال دیانتداری کے باعث صرف وہی کچھ لکھا جو خود انہوں نے خواجہ موصوف کی زبانی سنا ——— مترجم

معشوقِ ہژدہ سالہ و مئے دو سالہ[۱]
ہمیں بس است مرا صحبتِ صغیر و کبیر

"ہژدہ"، شبِ معراج کی رعایت سے ہے۔ "مئے دو سالہ"، قرآنِ پاک کو اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ یہ دو مرتبہ نازل ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ لوحِ محفوظ سے آسمان پر اترا، پھر وہاں سے بقدرِ ضرورت آیت آیت یا سورت سورت کر کے زمین پر نازل ہوا۔ "صحبتِ کبیر" سے مراد آنحضرتؐ کی مصاحبت ہے۔ یہ اس لحاظ سے کہ آنحضرتؐ تمام نوعِ انسانی سے برتر ہیں اور قیامت کے دن انبیائے سلف آپؐ کے پرچمِ شفاعت کے سائے میں پناہ کے متلاشی ہوں گے۔ حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا

حدیث شریف

انا ولد آدم یوم القیٰمة ولا فخر وما من نبیٍّ یوم ئذ آدم فمن سِوَاءُ الا تحت لوائی	قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، اور یہ بات بطورِ فخر نہیں کہتا۔ اور اس روز میرے ہاتھ میں حمد کا پرچم ہوگا، اور حضرت آدمؑ اور دوسرے تمام نبیؑ میرے پرچم تلے جمع ہوں گے۔

"صحبتِ صغیر" سے مراد قرآنی مطالعہ ہے، کیونکہ قرآن آنحضرتؐ کے مقابلے میں صغیر ہے، اگرچہ قرآن کو بھی خدا نے "کریم" اور "عظیم" کہا ہے۔

---

(۱) مؤلف کی عدمِ احتیاط یا سہوِ کتابت سے پہلا مصرعہ ناموزوں ہو گیا ہے۔ نیز پہلے مصرعے کے مختلف متن ملتے ہیں۔ دیوانِ حافظ کے معروف ترین ایرانی نسخے (مرتبہ علامہ قزوینی) میں یہ شعر اس طرح ہے۔

می دو سالہ و معشوق چار دہ سالہ — ہمیں بس است مرا صحبتِ صغیر و کبیر

انہ القرآن کریم و لقد آتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم -

بے شک ! یہ قرآن ہے بڑے مرتبے والا اور ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے والی آیتیں اور عظمت والا قرآن عطا کیا -

بعدازاں فرمایا کہ - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقاتِ عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے - تفسیر حسینی میں مذکور ہے کہ رسولِ اکرم (ص) رحمت ہیں بطور خاص مومنوں کے لیے کہ جنہوں نے آپؐ سے ہدایت کا راستہ پایا - آنحضرتؐ کفار کے لیے بھی رحمت ہیں کیونکہ وہ آپ کی بدولت عذابِ الٰہی کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہے -

ما کان لیعذبھم وانت فیھم -

اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کریگا جب تک آپؐ ان کے درمیان موجود ہیں -

کتاب "کشف الاسرار" میں مذکور ہے کہ یہ بھی آنحضرتؐ کی رحمت ہی تھی کہ آپؐ نے کسی مقام پر بھی اپنی اُمت کو فراموش نہیں کیا ، خواہ آپ مکے یا مدینے میں قیام فرما ہوتے خواہ عرشِ معلّےٰ سے بھی برتر مقام قاب قوسین میں ہوتے ، اپنی امت کو ان الفاظ سے یاد فرماتے -

السلام علینا و علےٰ عباد اللہ الصالحین

ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو -

قیامت کے دن جب آپؐ "شفاعت کبرےٰ" کے مقام پر فائز ہوں گے تو اس وقت بھی زبانِ مبارک سے "اُمتی" اُمتی" فرماتے رہیں گے -

حق تعالےٰ کے حضور آنحضرتؐ کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ کبائر کا مرتکب توبہ کرنے پر معاف کر دیا جاتا ہے ، لیکن جو شخص آنحضرتؐ کی شان اقدس میں ذرا سی بھی زبان درازی کرے ، خدا اسے نہیں بخشتا - ضمناً مولوی معظم دین صاحب مرحوم نے یہ شعر پڑھا -

محمدؐ بہ بخشد گناہگارِ حق را ولی حق نہ بخشد خطائے محمدؐ

"معراج نامہ" میں مذکور ہے کہ رسولِ خدا (ص) فرماتے ہیں کہ مسجد اقصےٰ میں جب انبیائے سلف سے میری ملاقات ہوئی تو ہر ایک نے حمد باری تعالیٰ کی میں نے اس طرح حمد کہی۔

الحمد لله الذی جعلنی	تعریف کے لائق وہ ذات ہے
رحمۃ للعالمین و	جس نے مجھے تمام جہانوں کے
بعثنی علیٰ سائر الخلائق	لیے رحمت بنایا اور مجھے تمام مخلوق
اجمعین وجعلنی بشیرا	(کی ہدایت) کے لیے مبعوث کیا
ونذیرا واعطانی	اور مجھے خوشخبری دینے والا اور
فرقانا مجیدا وجعل	ڈرانے والا بنایا۔ مجھے بزرگی والا
امتی خیر الامم۔	قرآن عطا کیا اور میری امت کو اگلی
	پچھلی تمام امتوں سے بہتر بنایا۔

ذکرِ وحی

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ۔ پہلی مرتبہ جب نزولِ وحی کا وقت قریب آیا تو رسول خدا (ص) جس جگہ سے گزرتے وہاں، شجر و حجر سے یہ آواز آتی تھی "السلام علیکم یا رسول اللہ!"۔

آوازوں کا یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ ایک دن آپؐ نے افق پر ایک فرشتے کو دیکھا جو پاؤں پر پاؤں رکھے کھڑا تھا۔ اور کہتا تھا "یا محمدؐ انت رسول اللہ وانا جبرئیل"، آنحضرتؐ کو آسمان میں ہر طرف یہی فرشتہ نظر آتا۔ اسی وقت آپ خدیجۃ الکبریٰؓ کے گھر تشریف لائے اور ان سے یہ تمام ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو یہ مشورہ دیا کہ آپؐ اس بات کو صیغۂ راز میں رکھیں، اور خود خدیجہؓ نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس جاکر مذکورہ صورتِ حال بیان کی۔

ورقہ نے کہا، اے خدیجہ! تمہیں مبارک ہو کہ محمد (ص) پیغمبر آخر الزمان ہے۔ اور یہ اس کی نبوت کے ابتدائی آثار ہیں۔

خدیجہ نے واپس آکر یہ خوشخبری خاتم الانبیاءؐ کو سنائی

ذکرِ معراج

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ - آنحضرت (ص) کا بیت المقدس جانا قرآن سے ثابت ہے اور اس کا منکر کافر ہے - آسمانوں پر اور قربِ الٰہی کے مقامِ خاص پر آپ کا پہنچنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، اور اس کا انکار کرنے والا گمراہ ہے - اکثر اہلِ اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ص کا معراج بیداری کی حالت میں واقع ہوا اور اس میں آپ ص کا جسم اور روح دونو شامل تھے -

واقعۂ معراج اس طرح ہے کہ رات کے وقت جبرئیل علیہ السلام بہت سے فرشتوں کے ساتھ آسمان سے نازل ہوئے اور انہوں نے آنحضرتؐ کو براق پر سوار کر کے چشم زدن میں بیت المقدس پہنچا دیا - وہاں آپ ص نے انبیائے سلف اور فرشتوں کی امامت کی - اس کے بعد براق پر یا جبرئیلؑ کے پروں پر سوار ہو کر آپ ص نے آسمان کی طرف پرواز کی - پہلے آسمان پر آدمؑ، دوسرے پر عیسٰےؑ اور یحییٰؑ، تیسرے پر یوسفؑ، چوتھے پر ادریسؑ پانچویں پر ہارونؑ، چھٹے پر موسٰےؑ اور ساتویں آسمان پر ابراہیمؑ نے آپ ص کا خیر مقدم کیا - آپ ص نے انہیں کہا، انہوں نے نہایت ادب و احترام سے جواب دیا - اس کے بعد آپ ص بیت المعمور، حوضِ کوثر اور نہر الرحمت پر پہنچے - جبرئیل حجابِ نور کے قریب آنحضرتؐ کی رفاقت سے معذور ہو کر پیچھے رہ گئے - وہاں سے آپ اکیلے تمام حجابات طے کرتے ہوئے ایک ایسے مقام پر پہنچے کہ جہاں براق بھی چلنے سے رہ گیا - اس کے بعد آپ رف رف پر سوار ہو کر عرش کے دامن تک پہنچے اور ہزار بار آپ ص کو "ادن منّی" کا خطابِ ربانی ہوا، اور ہر مرتبہ آپ ص کو اعلیٰ سے اعلیٰ رفعت حاصل ہوئی - حتےٰ کہ دنیٰ فتدلیٰ کا مقام آیا، اور یہاں سے بڑھ کر آپ ص فکان قاب قوسین او ادنیٰ کی خلوتِ خاص میں باریاب ہوئے - اسی مقام پر آپ ص نے فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ کے اسرار و رموز سنے -

مراجعت کے وقت آپ ص نے بہشت و دوزخ کے تمام طبقات کی سیر کی اور پھر بیت المقدس واپس آئے - جہاں سے مکہ معظمہ تشریف لاتے ہوئے راستے میں آپ ص نے قریش کے قافلے دیکھے - اور جب مکان پر پہنچے تو وضو کا پانی اسی طرح جاری

بستر گرم اور دروازے کی کنڈی متحرک تھی۔

ضمناً حکیم غلام حسین قریشی نے عرض کیا کہ رافضی لوگ نماز پنجگانہ نہیں پڑھتے اور اس کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ رسولِ خدا (ص) نے شبِ معراج کو اٹھارہ سال نماز نہیں پڑھی تھی۔

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ان کورچشموں کو یہ معلوم نہیں کہ انبیاء اور اولیاء کو "طے زمانی" اور "طے مکانی" کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ آنحضرت ؐ نے بھی زمین سے قاب قوسین تک کی مسافت طے زمانی اور طے مکانی کی قوت سے طے کی، ورنہ یہ مسافت لاکھوں کروڑوں میل تھی۔ گویا جو مسافت اٹھارہ سال میں طے ہو سکتی تھی، آپ نے اسے چشم زدن میں طے کر لیا، ورنہ فی الحقیقت اٹھارہ سال کا عرصہ نہیں گزرا تھا، بلکہ یہ صرف ایک آنی لمحہ تھا۔ لہٰذا رافضیوں کا قول باطل ہے۔

ضمناً، خواجہ شمس العارفین نے حضرت عیسیٰؑ کی حکایت بیان کی کہ ان کے زمانے میں حکیم جالینوس نے علم فلکیات کی مدد سے پیشگوئی کی تھی کہ چھ سال تک آسمان سے پانی کی بوند تک نہیں برسے گی۔ پھر اُس نے حضرت عیسیٰؑ سے درخواست کی کہ آپ بارش کے لیے دعا فرمائیں۔ حضرتؑ نے دُعا فرمائی اور معاً بارش برسنے لگی۔

جالینوس نے سخت متعجب ہو کر کہا کہ مجھے تو علمِ فلکیات کی رو سے یقین تھا کہ بارش چھ سال تک نہیں برسے گی۔ آپؑ نے فرمایا۔ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور اولیاء کو "طے زمانی" اور "طے مکانی" کا درجہ دے رکھا ہوتا ہے۔ بارش کو اگرچہ چھ برس بعد ہی برسنا تھا، مگر میں نے مرتبۂ طے زمانی کی مدد سے اسے ابھی برسنے پر مجبور کر دیا۔

مجلس ۲

فضیلت خلفائے راشدین

بدھ کو حاضری نصیب ہوئی ۔ مولوی سلطان محمد ناڑوی، نظام الدین گجراتی اور دوسرے یارانِ طریقت بھی حاضرِ خدمت تھے ۔

میں نے سوال اٹھایا کہ خلفائے اربعہ کی فضیلت مساوی ہے یا بالترتیب ؟

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ ان کی فضیلت بالترتیب ہے ، اور ثبوت میں "فقہ اکبر" کے حوالے سے یہ حدیث پڑھی :

افضل الناس من بعدی	میرے بعد لوگوں میں سب سے
ابوبکر ثم عمر ثم	افضل ابوبکر ہیں، اس کے بعد عمرؓ
عثمان ثم علی ۔	پھر عثمان پھر علی ۔

میں نے عرض کیا کہ صوفیا کے مسلک میں اپنے شیخ کو دوسرے شیوخ سے افضل سمجھا جاتا ہے ۔ چونکہ حضرت علیؓ بھی پیرِ طریقت ہیں، اس لیے ان کو اصحابِ ثلاثہ پر فوقیت دینا جائز ہے یا نہیں ؟ ارشاد ہوا کہ ۔ سالک کے عقیدے میں خلفائے اربعہ کی فضیلت بالترتیب ہے ، اور بعد کے تمام بڑے بڑے مشائخ پر حضرت علیؓ کو افضلیت حاصل ہے ۔

ذکر حضرت علیؓ

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ ۔ آنحضرت (ص) نے خرقۂ خلافت حضرت علیؓ کو عطا کیا ، اور ساتھ ہی وہ پوشیدہ اسرار، جو صاحبِ خرقہ کو بتانے کے لیے آپؐ مامور من اللہ تھے ، حضرت علیؓ کو بتا کر تلقین کی کہ مستحق کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو نہ بتانا ۔

معرفتِ الٰہی کے ان اسرار و رموز نے حضرت علیؓ کے باطن میں ایک آشوب اور

تلاطم پیدا کر دیا ۔ حضرت علیؓ نے اس خوف سے کہ ، بیخودی کے عالم میں ، کہیں یہ اسرار منہ سے پھوٹ نہ پڑیں ، ایک ویرانے کا راستہ لیا ۔ وہاں ایک خشک کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ کر آپ نے سر کنوئیں میں جھکا لیا ۔ پھر ایک آہ بھری ، جس کی تاثیر سے پانی کنوئیں کی تہ سے رسنے لگا ، اور اس پانی میں اتنا جوش تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کناروں سے اچھل پڑا ۔

از سرِ نو فرمایا کہ ۔ آنحضرت (ص) کے خلفاء میں سے دو اصحاب صاحبِ سلسلہ تھے ۔ یعنی امیر المومنین حضرت علیؓ ، اور ان کے فقر کے سلسلے ابھی تک جاری ہیں ۔ سلسلۂ نقشبندیہ حضرت صدیقِ اکبرؓ تک پہنچتا ہے اور دوسرے تمام سلسلے حضرت شیرِ خدا سے منسوب ہیں ۔

میں نے عرض کیا کہ وسطی دو خلیفے کیوں صاحبِ سلسلہ نہ ہوئے ؟

جواب ارشاد ہوا کہ ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں ، اور اس نے اپنے دوستوں میں سے ہر ایک کو الگ الگ نعمتیں عطا کی ہیں ۔ حضرت ابوبکرؓ کو صدق کی نعمت سے نوازا ، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے :

والذی جآء بالصدق وصدق بہٖ — وہ شخص جو سچ کا علمبردار ہے اور (ہر حال میں) اس کی تصدیق کرتا ہے

"تفسیر حسینی" میں مذکور ہے کہ جآء کا فاعل پیغمبر علیہ السلام ہیں اور مصدق حضرت ابوبکرؓ ہیں کیونکہ انہوں نے معراج کا واقعہ سنتے ہی کہا :-

اشھد انک رسول اللہ حقا — میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ واقعی اللہ کے پیغمبر ہیں ۔

آنحضرت (ص) نے فرمایا :

اشھد انک صدیق حقا — میں گواہی دیتا ہوں کہ تم واقعی صدیق ہو ۔

امیر المومنین حضرت عُمر فاروق عدل و شجاعت کی نعمت سے بہرہ یاب ہوئے ،

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے ۔

اشداء علی الکفار	وہ کفار کے مقابلے میں بڑے سخت ہیں ۔

اور یہ حضرت عمر ہی کی صفت ہے ۔ حدیث میں مذکور ہے :

اشدھم فی امر اللہ عمر	دین کی حمایت کے معاملے میں عمر سب سے بڑھ کر سخت ہے ۔

امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ شفقت و حیا کی نعمت سے سرفراز ہوئے ۔ "تفسیر حسینی" میں لکھا ہے کہ "رحماء بینھم" حضرت عثمانؓ کی تعریف میں ہے ۔ آپ کی نرم دلی ، حیاداری ، دلنوازی اور وفاپرستی مشہور ہے ۔ آپ خالق و مخلوق کے ہاں انہی صفات سے موصوف اور موسوم ہیں ۔ حدیث شریف میں آیا ہے ۔

اصدقھم حیاء عثمان	حضرت عثمانؓ ان میں سب سے بڑھ کر حیادار ہیں ۔

امیر المومنین حضرت علیؓ کو حق تعالیٰ نے تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی دولت سے مالامال کیا ۔ "تفسیر حسینی" کے مطابق "تراھم رکعا سجدا" حضرت علیؓ کی صورت حال ہے ۔ کیونکہ آپ کا اکثر وقت اوراد و وظائف اور زہد و عبادت میں گزرتا تھا ۔

مجلس ۳

فضیلت ازواجِ مطہّرات و اہلبیت

منگل کے روز قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی - غلام محمد درویش، امام بخش اور دوسرے یارانِ طریقت بھی حاضر خدمت تھے -

میں نے عرض کیا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ میں کون افضل ہیں ؟

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ - دونوں ازواج کی فضیلت میں احادیث ملتی ہیں - حضرت خدیجۃ الکبریٰ مظہر العجایب ہیں - خاتونِ جنت انہی کے بطن سے پیدا ہوئیں اور حسنین کریمین کا تولد بھی بالواسطہ انہی سے ہوا ہے - حضرت فاطمۃ الزہرا کی پیشانی مبارک اس قدر منور تھی کہ اس کی روشنی میں، اندھیری رات میں، حضرت عائشہ صدیقہ سوئی میں دھاگہ ڈال لیتی تھیں - حدیث شریف میں آیا ہے -

خیر نسائھا مریم	عورتوں میں سب سے بہتر مریمؑ
بنت عمران وخیر	بنتِ عمران اور خدیجہ بنت خویلد
نسائھا خدیجۃ بنت	ہیں (بحوالہ بخاری و مسلم)
خویلد - متفق علیہ	

اس کے بعد اہلِ بیت کا ذکر چھڑ گیا - میں نے سوال اٹھایا کہ اہلِ بیت کون ہیں ؟

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ - آیت

انما یرید اللہ لیذھب	اے اہل بیت ! اللہ چاہتا ہے
عنکم الرجس اھل البیت	کہ تمہیں بُرے اعمال سے محفوظ رکھے

کی رُو سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ بیت سے مراد آنحضرتؐ کی ازواجِ مطہرات ہیں -

سعد بن ابی وقاص کی حدیث اور آیت مباہلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے مراد حضرت علی ، حضرت فاطمہ اور حسنین ہیں - پھر خواجہ شمس العارفین نے حدیث کے حوالے سے فرمایا کہ - ایک دن رسولِ خدا (ص) نے اپنے کندھے مبارک پر کالی کمبلی ڈالی اور پھر حضرت علی ، حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین کو اس کے نیچے بٹھا کر فرمایا "اے اللہ ! یہ ہیں میرے اہلِ بیت"۔

خدا محبتِ ایں پنج تن چو فرض العین
بحکم نص و خبر فرض کردہ بر ثقلین
جدِ بزرگ واب وام اظہر و سبطین
محمدؐ است و علی ، فاطمہ ، حسن و حسین

مجلس ۴

تعظیم و تکریم سادات

بُدھ رات کو نیاز حاصل ہُوا - مولوی غلام محمّد گجراتی تونسوی، صاحب زادہ شجاع الدّین صاحب، عبد اللہ درویش، سیّد احمد درویش اور دوسرے یارانِ طریقت بھی حاضر تھے - اس مرتبہ سادات کی تعظیم کے بارے میں گفتگو چل نکلی -

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ سیّد کی تعظیم دوسروں پر واجب ہے - بندہ نے عرض کیا کہ اگر سیّد زادہ خلاف شرع کرتا ہو، تو اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا - اس صورت میں بعض علماء کے نزدیک تعظیم جائز نہیں، لیکن فقیر کے خیال میں سادات کی تعظیم محض رسولِ خدا کی نسبت کی وجہ سے کرنی چاہیئے نہ کہ ان کے علم اور تقوےٰ کی وجہ سے -

اسی طرح "سفینۃ الاخبار" میں خدا بخشہ متخلص بہ میربانی زنجانی (جو مؤلف کے جدِ امجد تھے) لکھتے ہیں کہ ایک دن ایک علوی نشے میں دھت، شیخ شہاب الدین سہروردی کی مجلس میں آنکلا - شیخ نے اُٹھ کر اُسے لیا - حلقہ نشینوں نے کہا، حضور یہ علوی تو فاسق ہے - حضرت شیخ نے فرمایا یہ شاہزادہ صاحبِ فضیلت ہے اور اس کے بارے میں تمہیں ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے - حاضرین نے پوچھا کہ یہ کس طرح صاحبِ فضیلت ہے؟ آپ نے فرمایا خدا نے اسے شرف و بزرگی عطا کی ہے - قرآن کے تمام حروف افضل ہیں اگرچہ اس میں قہر و غضب کی آیات اور ابوجہل، فرعون اور نمرود کے نام بھی آئے ہیں اور ابلیس کا ذکر بھی آیا ہے - لیکن چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، اس لیے افضل ہیں - یہی معاملہ سادات کا بھی ہے، خواہ ان میں برائیاں ہی برائیاں ہوں، چونکہ وہ رسولِ خدا ﷺ سے متعلق ہیں - اس لیے کسی کو ان پر فضیلت

نہیں - اس امت کے لیے سادات کی تعظیم دو سبب سے ہے - ایک تو یہ کہ وہ جزوِ رسولِ (ص) ہیں، اور علم و تقوے کو رسالت پر فوقیت نہیں - دوسرے یہ کہ رسولِ خدا (ص) کے عزیز اور پروردہ ہیں - اگر ان میں سراسر فسق و فجور ہو، پھر بھی اعمال سے قطعِ نظر، اتباعِ رسول (ص) کی رو سے سادات کا احترام ضروری ہے -

اسی موقع پر بندہ نے عرض کیا کہ یہ حدیث

اکرموا اولادی	میری اولاد کی تعظیم و تکریم کرو خواہ
الصالحون للہ والطالحون لی -	وہ صالح ہو خواہ غیر صالح -

موضوع ہے یا صحیح ہے ؟

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ ان دنوں جب میں تحصیلِ علم کی خاطر موضع مکھڈ میں قیام پذیر تھا، ایک عالم وہاں آیا اور اس نے وعظ کرنا شروع کر دیا - اور دورانِ وعظ غیر متشرع سادات کو بڑی لعنت ملامت کی - مکھڈ کے ایک عالم سید نے اس سے بحث کی اور کہا تم جو غیر متشرع سادات کو برا بھلا کہتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت (ص) نے ان کے بارے میں اکرموا اولادی فرمایا ہے - اس عالم نے کہا ہاں رسولِ خدا (ص) نے سادات کی تعظیم کا حکم دیا ہے - لیکن ایک تو اس حدیث کو ملّا علی قاری نے موضوع قرار دیا ہے اور دوسرے یہ کہ حدیث میں لفظ طالحون لی آیا ہے نہ کہ کافرون لی اور اس زمانے بعض سید جو رافضی ہو چکے ہیں - طالحون کی حد سے گزر کر کافرون کے گرداب میں غرق ہیں - لہٰذا ان کی تعظیم بھی واجب نہ رہی -

اس کے بعد فرمایا کہ ایک سید مسمّی فیض علی موضع مکھڈ میں آیا اور کچھ عرصہ وہیں رہا - اس کے کردار میں کسی قسم کا فتور نہ تھا - لیکن جب وہ کابل گیا تو اس سے رفض کے آثار نمایاں ہونے لگے - دوست محمد امیر کابل کو جب اس امر کی اطلاع ہوئی تو اس نے قتل کا حکم دیا - چنانچہ فیض علی کو پھانسی دی گئی اور اس کی لاش تین دن تک بازار میں لٹکی رہی تاکہ دوسرے لوگوں کو اس سے عبرت حاصل ہو -

بندہ نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سیّد وہ ہے جو خوبصورت ہو، کیا یہ قول سچ ہے ؟

ارشاد ہوا کہ جب سیّد جلال الدین بخاری مناسکِ حج سے فارغ ہو کر مدینہ شریف پہنچے تو روضۂ اطہر کے مجاوروں نے ان کی قوم دریافت کی - انہوں نے کہا میں سید ہوں - مجاوروں نے کہا سیادت کی علامت مثلاً خوبصورتی وغیرہ تو آپ میں نظر نہیں آتی - طویل سفر طے کرنے کی وجہ سے آپ کا رنگ سیاہی مائل ہو گیا تھا - مجاوروں نے کہا آپ صاف صاف کہہ دیں کہ میں غیر سیّد ہوں - سیّد موصوف نے کہا ایسا میں ہرگز نہیں کہوں گا کیونکہ اِس طرح میں ملعونوں کے زمرے میں شامل ہو جاؤں گا - کیونکہ آنحضرت (ص) نے فرمایا ہے -

لعنۃ اللہ علی الداخلین والخارجین	اپنی قوم و نسب کو چھوڑ کر دوسری قوم اور نسب اختیار کرنے والوں پر خدا کی لعنت !

مجاوروں نے کہا اگر آپ کا دعوےٰ برحق ہے تو روضۂ اقدس کے سامنے آپ ندا کریں - اگر روضہ مبارک سے جواب آیا تو ہم آپ کا دعوےٰ تسلیم کر لیں گے -

سیّد موصوف متوجہ الی اللہ ہوئے اور روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے انتہائی نیازمندی سے کہا الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ - روضے شریف سے لبیک یا ابنی کی صدا آئی - اس پُرسرور، موجِ نور، جاں پرور اور سامعہ نواز آواز کو سنتے ہی اکثر مجاوروں نے آپ سے بیعت کر لی -

سیّد صاحب کچھ عرصہ کے بعد مدینہ شریف سے رخصت ہوئے - پھر مدت دراز کے بعد آپ مدینہ شریف حاضر ہوئے تو روضۂ اطہر کے مجاوروں نے پھر اصرار کیا کہ حسبِ سابق آپ روضہ مبارک کے سامنے آواز دیں تاکہ ہم لبیک کی ندا سنیں - سید صاحب نے فرمایا اب تو گناہوں کی وجہ سے میرا نامۂ اعمال سیاہ ہو چکا ہے - ممکن ہے میرا ہدیہ نیاز قبول بھی ہو یا نہ ہو - لیکن جب مجاوروں کا اصرار حد سے بڑھا تو سیّد صاحب

بعدازاں آپ نے خواجہ تونسوی کے خواب کی تعبیر کا ذکر کیا۔ ایک رات خواجہ تونسوی نے خواب میں دیکھا کہ میرے سر پر، پاؤں تلے اور دائیں بائیں قرآن مجید بکھرا پڑا ہے۔ ایک عالم سے آپ نے اس کی تعبیر دریافت کی۔ اس نے کہا مبارک ہو، اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ خواہ کسی حالت میں بھی ہوں آپ کا عمل قرآن شریف کے مطابق ہو گا۔

اس اثنا میں کہ بندہ خواجہ شمس العارفین کی پشت مبارک کو دبا رہا تھا، سید اللہ بخش سر مبارک کی مالش کر رہا تھا۔ سید رسول شاہ جہلمی سر کی طرف اور ایک اور سید آپ کی پائنتی کی طرف بیٹھا تھا۔ چند اور سید مثلاً صالح شاہ صاحب سلطانپوری، فیض شاہ و یار شاہ سکنہ چھام، سید حیدر شاہ صاحب جلالپوری، سید اکرام شاہ صاحب رسول نگری، سید قطب شاہ، سید مزمل شاہ اور دوسرے سید جن کا فرداً فرداً ذکر کرنا مشکل ہے، خواجہ شمس العارفین کے اردگرد بیٹھے تھے۔ آپ نے ہم درویشوں کی طرف منہ کر کے فرمایا الحمدللہ خواجہ تونسوی نے اپنے اردگرد قرآن شریف کو پراگندہ دیکھا اور ہمیں ہر طرف سید ہی سید نظر آتے ہیں اور دونوں کی شرافت و بزرگی میں کلام نہیں۔

اسی موقع پر فرمایا کہ خدا کا کرنا بھی عجیب ہے کہ ہمارے نواحی علاقے کے سید شیعہ ہیں اور ہمیں دشمن سمجھ کر گالیاں دیتے ہیں۔ اور ایسے سید بھی ہیں جو دور دراز کے علاقوں سے آتے ہیں، اہلِ سنت و جماعت کا مذہب رکھتے ہیں، مشائخ پر عقیدہ رکھتے ہیں اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ کسی شہر میں بلوچ قوم کا ایک شیعہ رہتا تھا۔ اور اصحابِ ثلاثہ کے حق میں لغو گوئی کرتا تھا۔ اور ساتھ ہمیں بھی گالیاں دیتا تھا۔ میں نے کہا وہ عجیب احمق ہے ہمیں بغیر دیکھے کے گالیاں دیتا ہے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کی ملازمت موقوف ہو گئی اور وہ بیکار و ذلیل ہو کر مر گیا۔

اسی موقع پر بندہ نے عرض کیا "مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز" کا مصنف کون ہے؟ ۔ فرمایا اس کا نام محمد غیاث نور بخش تھا۔ میں نے کہا ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ توحید میں وہ صاحبِ کمال تھے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا اس

بعد ازاں آپ نے خواجہ تونسوی کے خواب کی تعبیر کا ذکر کیا - ایک رات خواجہ تونسوی نے خواب میں دیکھا کہ میرے سر پر، پاؤں تلے اور دائیں بائیں قرآن مجید بکھرا پڑا ہے - ایک عالم سے آپ نے اس کی تعبیر دریافت کی - اس نے کہا مبارک ہو، اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ خواہ کسی حالت میں بھی ہوں آپ کا عمل قرآن شریف کے مطابق ہو گا -

اس اثنا میں کہ بندہ خواجہ شمس العارفین کی پشت مبارک کو دبا رہا تھا، سید اللہ بخش سر مبارک کی مالش کر رہا تھا - سید رسول شاہ جہلمی سر کی طرف اور ایک اور سید آپ کی پائنتی کی طرف بیٹھا تھا - چند اور سید مثلاً صالح شاہ صاحب سلطانپوری، فیض شاہ و بادشاہ سکنہ چھام، سید حیدر شاہ صاحب جلالپوری، سید اکرام شاہ صاحب رسول نگری، سید قطب شاہ، سید مزمل شاہ اور دوسرے سید جن کا فرداً فرداً ذکر کرنا مشکل ہے، خواجہ شمس العارفین کے اردگرد بیٹھے تھے - آپ نے ہم درویشوں کی طرف منہ کر کے فرمایا الحمد للہ خواجہ تونسوی نے اپنے اردگرد قرآن شریف کو پراگندہ دیکھا اور ہمیں ہر طرف سید ہی سید نظر آتے ہیں اور دونوں کی شرافت و بزرگی میں کلام نہیں -

اسی موقع پر فرمایا کہ خدا کا کرنا بھی عجیب ہے کہ ہمارے نواحی علاقے کے سید شیعہ ہیں اور ہمیں دشمن سمجھ کر گالیاں دیتے ہیں - اور ایسے سید بھی ہیں جو دور دراز کے علاقوں سے آتے ہیں، اہل سنت و جماعت کا مذہب رکھتے ہیں، مشائخ پر عقیدہ رکھتے ہیں اور فیضیاب ہوتے ہیں -

پھر فرمایا کہ کسی شہر میں بلوچ قوم کا ایک شیعہ رہتا تھا - اور اصحاب ثلاثہ کے حق میں لغو گوئی کرتا تھا - اور ساتھ ہمیں بھی گالیاں دیتا تھا - میں نے کہا وہ عجیب احمق ہے ہمیں بغیر دیکھے کے گالیاں دیتا ہے - تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کی ملازمت موقوف ہوگئی اور وہ بیکار و ذلیل ہو کر مر گیا -

اسی موقع پر بندہ نے عرض کیا "مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز"، کا مصنف کون ہے ؟ - فرمایا اس کا نام محمد غیاث نور بخش تھا - میں نے کہا ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ علم توحید میں وہ صاحب کمال تھے - خواجہ شمس العارفین نے فرمایا اس

قسم کا اعزاز سادات ہی کا حصّہ ہے ۔ وہ جس کام کو شروع کرتے ہیں اس کو کمال تک پہنچا کر چھوڑتے ہیں ۔ میں نے عرض کیا اس زمانے کے سادات میں یہ اوصاف نظر نہیں آتے ۔ آپ نے فرمایا سادات میں سے جو صاحبان ہمارے پاس آئے ہیں ہم نے ان میں سے کسی کو اوصافِ حمیدہ سے بے بہرہ نہیں پایا بلکہ وہ اپنی صلاحیتوں کی پرورش کرکے منزلِ مقصود تک پہنچے ہیں ۔

پھر فرمایا کہ ایک دن حضرت خواجہ تونسوی فرما رہے تھے کہ جو شخص بھی ہمارے اس ٹیلے پر آیا ایمان سے خالی نہ گیا بلکہ نورِ معرفت سے اس کا ایمان کمال تک پہنچ گیا ۔

اسی موقع پر بندہ نے عرض کیا کہ لفظ آل کا اطلاق کس پر ہوتا ہے ؟ ۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا یہ لفظ آلِ رسُول اور اولیاء کے درمیان مشترک ہے ۔ پھر یہ حدیث پڑھی ۔

کل تقی و نقی فھو آلی — ہر متقی اور ہر سید میری آل میں شامل ہے ۔

مجلس ۵

فضیلتِ عشرۂ مبشرہ

جمعہ کے روز مجلس میں حاضر ہوا - مولوی معظم دین صاحب مرولوی، مولوی نظام الدین اور دوسرے یارانِ طریقت بھی موجود تھے ۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ بہشت کی بشارت اولادِ رسول ؐ، ازواجِ مطہرات رضؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کے لیے ثابت ہے - لیکن حضرت عبدالرحمان بن عوف رضؓ کی روایت کے مطابق صحابہ کرام رضؓ میں سے دس (۱۰) اصحابؓ اس بشارت کے لیے مشہور ہیں -

ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمان بن عوف ابوعلبیدہ بن الجراح اور سعد بن زید (رضؓ) مشکوٰۃ شریف میں آیا ہے -

عن عبد الرحمان بن عوف - ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ابو بکر فی الجنۃ وعمر فی الجنۃ وعثمان فی الجنۃ وعلی فی الجنۃ وطلحۃ فی الجنۃ والزبیر فی الجنۃ وعبد الرحمان بن عوف فی الجنۃ و سعد بن ابی وقاص فی الجنۃ وسعید بن زید فی الجنۃ و عبیدۃ بن الجراح فی الجنۃ (رواہ الترمذی)

بعدازاں فرمایا کہ - تمام کافر جہنم میں جائیں گے لیکن ان میں سے بعض کا دوزخی ہونا منصوص ہے، مثلاً:

ابوجہل، شداد، ہامان، فرعون، نمرود وغیرہ

مجلس ۶

فضیلت مہاجرین و انصار

ہفتہ کی رات کو میں شریکِ مجلس ہُوا - پیر غلام محمد سیال، غلام محمد درویش پوٹھوہاری اور دوسرے دوست بھی حاضر تھے - مہاجرین اور انصار کی فضیلت کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی -

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ - اگرچہ رسُولِ خدا (ص) کے تمام صحابہ کرام صاحبِ فضیلت ہیں، لیکن ان کے بڑے بڑے طبقے دو[۲] ہیں، ایک مہاجرین کا طبقہ کہ جنھوں نے اپنے کنبے، مال و دولت اور گھر بھر کو چھوڑ کر رسولِ خدا (ص) کے ساتھ ہجرت کی اور پھر جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا - دوسرا طبقہ انصار کا ہے جنھوں نے مالی قربانی کے علاوہ اپنی بیٹیاں مہاجرین کے نکاح میں دے دیں اور اپنے گھر بھی ان کے سپرد کر دیئے پھر یہ آیت پڑھی -

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله ط اولئك هم الصادقون ط والذين تبوؤ الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون

(مالِ فے) ان ضرورتمند مہاجرین کے لیے ہے جنہیں مال و دولت سے محروم کر کے گھروں سے نکال دیا گیا یہ لوگ اللہ اور اس کے رسُول کے مددگار ہیں اور اللہ کی رضا اور اس کے فضل کے متلاشی ہیں - یہ بڑے راست باز ہیں اور وہ لوگ جو ان مہاجرین سے پہلے ایمان لائے اور ان کے اپنے گھر بار ہیں وہ مہاجرین سے محبت

فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویوثرون علٰی انفسھم ولوکان بھم خصاصۃ ۵

رکھتے ہیں، جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے اس سے متعلق دل میں تنگی محسوس نہیں کرتے بلکہ انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود تنگدست ہوں

بعد ازاں فرمایا کہ مہاجرین اور انصار کے بعد، صحابۂ کرام کی تابعداری کرنے والے مومنوں کا درجہ سب سے بلند ہے۔

پھر یہ آیت پڑھی۔

والذین جاؤ من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاِخوانِنا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً لِلّذینَ آمنو ربنا اِنّکَ رؤف الرّحیم ۵

اور جو لوگ بعد میں آئے وہ دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہماری مغفرت فرما نیز ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے، ہمارے دلوں کو تمام اہلِ ایمان کے کینہ سے محفوظ رکھ، اے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔

بعد ازاں ارشاد ہوا کہ صحابۂ رسول (ص) میں سے سینکڑوں صحابی رض "اصحاب صفہ" کے نام سے مشہور تھے، جو خانگی اور دنیوی زندگی چھوڑ کر آنحضرتؐ کی صحبت سے مستفید ہونے کے لیے ایک شکستہ سے چبوترے میں گزر بسر کرتے تھے۔ جب انہیں بھوک اور پیاس کی شدت محسوس ہوتی تو وہ رسولِ خدا (ص) کے دیدار سے تسکین پاتے اور پھر انہیں کھانے پینے کی حاجت نہیں رہتی تھی۔ جنگ کے موقع پر اصحابِ صفہ رسُولِ خدا (ص) کے ساتھ جا کر جہاد میں شریک ہوتے۔ آنحضرتؐ کے ساتھ کثرتِ صحبت کی وجہ سے بیشمار احادیث کی روایت انہی اصحابِ صفہ کے نام منسوب ہے۔

مجلس ۶

اصُولِ دین و اطاعتِ مُجتہدین

ہفتہ کی رات کو قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی - مولوی نور الدین سکنہ للہانی ، نور مصطفےٰ قریشی ، امام بخش نذر بردار ، کریم بخش نومسلم اور دوسرے احباب بھی حاضرِ خدمت تھے اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی -

خواجہ شمس العارفین نے کریم بخش مذکور کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ طالبانِ حق کا پہلا فرض حصولِ ایمان ہے ، کیونکہ ایمان کے بغیر معرفت حقہ کا حصول ممکن نہیں -

پھر فرمایا ایمان کی سات صفتیں ہیں :-

(۱) خدا تعالیٰ پر ایمان لانا کہ وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ، اور مخلوقات کا نفع ونقصان تمام اسی کی طرف سے ہے -

(۲) فرشتوں پر ایمان لانا کہ خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں -

(۳) آسمانی کتابوں پر ایمان لانا کہ وہ خدا کی نازل کردہ اور برحق ہیں -

(۴) پیغمبروں پر ایمان لانا کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے سب برحق ہے -

(۵) روزِ قیامت پر ایمان لانا کہ بے شک وہ آنے والا ہے -

(۶) یہ ایمان رکھنا کہ تقدیر اور خیر وشر خدا کی طرف سے ہے -

(۷) حیات بعد ممات پر ایمان لانا -

بعد ازاں ، بندہ نے عرض کیا بارش کہاں سے آتی ہے اور کس طرح برستی ہے ؟

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ اہلِ شریعت کا قول ہے کہ آسمان پر ایک بہت بڑا دریا ہے ، جب خدا تعالیٰ بارش برسانا چاہتا ہے تو میکائل فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اتنی بارش فلاں موضع میں کردے - میکائیل تعمیل کرتا ہے - اسی طرح جبرائیل کو نباتات کی روئیدگی پر

موکل بتایا گیا ہے ۔ عزرائیل کو مخلوقات کی روح قبض کرنے اور اسرائیل کو صور پھونکنے پر مامور کیا گیا ہے ۔

بعد ازاں فرمایا کہ تمام انبیاء ملائکہ مقربین سے افضل ہیں، اور ملائکہ مقربین افضل ہیں مومنین مقربین سے اور مومنین مقربین عام فرشتوں سے افضل ہیں اور عام فرشتے عام مومنوں سے افضل ہیں ۔

بعد ازاں فرمایا ارکانِ ایمان سے مراد دو چیزیں ہیں ۔ ایک تو زبان سے اقرار کرنا دوسرے دل سے تصدیق کرنا ۔

پھر فرمایا ایمان کے احکام سات ہیں ۔ جب کافر ایمان لاتا ہے تو :

۱ اِس کی جان قتل سے محفوظ ہو جاتی ہے ۔
۲ اِس کا مال ضبط نہیں کیا جاتا ۔
۳ اپنے بیوی بچوں سمیت غلام بننے سے چھٹکارا پاتا ہے ۔
۴ ناحق ایذا رسانی سے بچ جاتا ہے ۔
۵ اس پر بُرائی کا گمان بھی نہیں کرنا چاہیئے ۔
۶ گناہوں کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں رہے گا ۔
۷ ایمان کی برکت سے آخر وہ بہشت میں جائے گا ۔

بعد ازاں فرمایا ۔ ایمان کی شرطیں بھی سات ہیں :

۱ خدا تعالیٰ کی ہستی، بہشت و دوزخ ، اور آخرت پر ایمان بالغیب لانا ۔
۲ علمِ غیب کو خدا تعالیٰ کا خاصہ سمجھنا ۔
۳ حلال کو حلال سمجھنا ۔
۴ حرام کو حرام سمجھنا ۔
۵ خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا ۔
۶ خدا تعالیٰ کی رحمت سے اُمیدوار رہنا
۷ اپنی مرضی سے ایمان لانا ۔

بعدازاں فرمایا - اصُولِ دین چار ہیں :

(۱) آیت ، (۲) حدیث ، (۳) قیاس مجتہد ، (۴) اجماع اُمّت ،
جو شخص ان سے خواہ قولاً خواہ فعلاً انکار کرے کافر ہے - آئمہ مجتہد اور علمائے نامدار کی اطاعت اس آیت کے تحت اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم ۃ فرض کی گئی ہے - دریں اثنا مولوی نور الدین نے عرض کیا کہ غیر مقلدوں کے نزدیک " اولی الامر " سے مراد بادشاہِ اسلام ہے - خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ " اولی الامر " سے مراد صلحا اور اتقیا ہیں جو تمام اوصافِ حمیدہ سے متصف اور قرآن و حدیث میں کافی دسترس رکھتے ہوں - اسی طرح شاہ عبد العزیز دہلوی ایک آیت فلا تجعلوا للہ اندادا ۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جن لوگوں کی اطاعت خدا کے حکم سے فرض ہے ، چھ طبقوں پر مشتمل ہیں - اور اِن چھ طبقوں میں آئمہ مجتہدین اور مشائخ طریقت بھی ہیں ، جن کا حکم عوام کے لیے امرِ واجب کی طرح لازم الاتباع ہوتا ہے کیونکہ انہی لوگوں کو اسرارِ شریعت اور رموزِ طریقت کا اِدراک حاصل ہوتا ہے -

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۃ	اگر تمہیں خود علم نہ ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو -

پھر فرمایا - کائنات کے فرمانروا خدا کے برگزیدہ بندے ہیں کہ تمام امور لبست و کشاد ان کے زیرِ فرمان ہیں ، برعکس ظاہری بادشاہوں کے کہ فقط دنیوی امور میں مشغول و متصرف ہوتے ہیں -

اسی موقع پر آپ نے ایک حکایت بیان کی کہ - ایک دن اورنگ زیب عالمگیر ، نواب سعد اللہ خان کی معیت میں میاں میر صاحبؒ کی خدمت میں آرہا تھا - اتفاقاً میاں صاحبؒ اس وقت اپنے کپڑوں میں سے جوئیں تلاش کر رہے تھے کہ ایک درویش نے حیرت کے عالم میں چونک کر کہا " --- وہ بادشاہ " - میاں صاحب نے کمال بے نیازی سے سر اٹھا کر فرمایا " اوں .... میں سمجھا شاید تمہیں کوئی جوں مل گئی " - بادشاہ نزدیک پہنچا تو میاں صاحب نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی - نواب سعد اللہ خان نے عرض کیا آپ نے

بادشاہ کی تعظیم کیوں نہ کی۔ آپ نے فرمایا یہ عجیب بات ہے کہ رزق تو میں خدا کا کھاؤں حاجتیں بھی اسی سے مانگوں اور پھر کسی غیر کی طرف رغبت رکھوں۔

بعدازاں فرمایا۔ اجماعِ امت یہ ہے کہ علمائے دین کسی دینی مسئلے پر کامل اتفاق کرلیں جیسا کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں تمام مجمع نے بہ اتفاق رائے بیس رکعت نماز تراویح کی باجماعت ادائیگی مقرر کی۔ حضرت عثمانؓ بھی اسی مجمع میں تھے، مگر حضرت علیؓ موجود نہ تھے۔ جب وہ تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ مسجد میں قندیلیں روشن ہیں اور تراویح کی جماعت کھڑی ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا، اے شخص خدا تیرے اعمالِ حسنہ کو اسی طرح مستحکم فرمائے جس طرح تو نے رسُول علیہ السلام کی سنت محکم طور پر قائم کردی ہے۔

پھر خواجہ شمس العارفین نے یہ حدیث شریف پڑھی۔

لا یجمع امتی علی الضلالۃ

بعدازاں فرمایا کہ۔ رافضی اور غیر مقلد فرقے کے لوگ اپنے قول و فعل کو نص اور حدیث کے مطابق خیال کرتے ہیں، لیکن ان کا خیال غلط ہے کیونکہ یہ دونو فرقے مجتہدوں کے قیاس اور اجماعِ امت سے منکر ہیں بلکہ آئمہ کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔

بعدازاں فرمایا کہ۔ سالک جب سلوک اور پرہیزگاری کی نیت کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ متفق علیہ مذہبِ واحد اختیار کرے، جو بوجوہ احسن ثابت ہو اور اس کے فوائد ہمہ گیر ہوں۔ جو سالک اس کے برخلاف کوئی اور طریقہ اختیار کرتا ہے وہ فضولِ محض ہے اور راہِ صواب سے بھٹکا ہوا ہے۔

بعدازاں فرمایا کہ۔ اگر کوئی شخص کسی شرعی مسئلے کی تحقیق کے لیے خواجہ تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ علماء اور مفتیوں سے فرماتے کہ ہم درویشوں کا عمل بالکل وہی ہے جس کی متقاضی احادیثِ صحیحہ ہیں۔ مگر ایسے شخص کے لیے، جو حدیث کی معرفت تامہ اور مسائل کے طریقِ استنباط پر پوری قدرت نہ رکھتا ہو، جائز نہیں کہ وہ اپنے طور پر حدیث پر عمل کرے۔ اس قبیل کے لوگوں کو چاہیئے کہ شرعی مسائل کی تحقیق فقہِ حنفی کی کتابوں سے

کریں، کیونکہ ان کتابوں کے مسائل قرآن و حدیث سے مستنبط اور ان کے عین مطابق ہیں۔
ضمناً فرمایا کہ۔ اس زمانے میں اکثر لوگوں کی گمراہی کا یہی سبب ہے کہ وہ فقہائے عظام اور فقرائے کرام اور ان کی کتابوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ چنانچہ فقیہوں کو بیوقوف اور فقہ کو پھلکہ کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی استعانت اور انبیا کی شفاعت سے منکر ہیں اور اپنے طرزِ عمل کو حدیث کے مطابق خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ امورِ حدیث از قسم ناسخ و منسوخ، ضعیف و قوی اور طریقہ استنباط کو کماحقہ نہیں سمجھتے۔ پس وہ خلافِ حدیث کرتے ہیں۔

بعد ازاں، حضرت غوث الاعظم کی کرامت کا ذکر چھڑا۔ صاحب زادہ محمد دین صاحب نے عرض کیا کہ اکثر لوگ جو منکرِ کرامت ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظمؒ کی، ڈوبی ہوئی کشتی کو سلامت نکالنے والی کرامت غلط محض اور خلافِ فطرت ہے۔ کیونکہ جب حیاتِ ثانیہ حاصل ہوتی ہے تو پھر موت واقع نہیں ہوتی اور چونکہ وہ اہلِ کشتی دوبارہ مر گئے، لہذا ثابت ہوا کہ یہ کرامت غلط ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ وہ زندگی جو لافانی ہے، قیامت کے دن حاصل ہوگی نہ کہ دنیا میں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں قوالوں نے یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اس شعر سے آپ کو حالتِ فنا حاصل ہوئی۔ جب قوال پہلا مصرعہ پڑھتے تو آپ جان بحق ہو جاتے، جب دوسرا مصرعہ پڑھتے تو پھر پہلی حالت میں زندہ ہو جاتے۔ جب آپ کی اجل کی گھڑی آئی تو قوالوں کی زبان سے دوسرا مصرعہ فراموش ہو گیا۔ پس حضرت موصوف نے دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف کوچ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیات بعد ممات بھی کرامت کی قسموں میں سے ہے۔

اسی موقع پر حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ تفسیرِ حسینی میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عزیر علیہ السلام گدھے پر سوار ہو کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے اور ایلیا سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک ویران گاؤں میں پہنچے،

جہاں پھلدار درخت تھے۔ آپ نے تھوڑی سی انجیر چکھی اور پھر کچھ انگور توڑ کر ایسے میں بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے کچھ انجیر کھائی، باقی اپنے پاس رکھ لی۔ انگور نچوڑ کر کچھ رس پیا اور باقی ماندہ ایک چھوٹے سے مٹکے میں ڈال دیا۔ گدھے کو اپنے سامنے باندھ دیا اور ایک شکستہ دیوار کے ساتھ اوٹ لگا کر اس برباد گاؤں کو دیر تک تکتے رہے۔ وہ اس انتہائی ویرانی کو دیکھ کر سخت متعجب ہوئے اور انھوں نے کہا۔ انی یحیی هذ الله بعد موتها یعنی خدا تعالیٰ اس گاؤں کو ویران کرنے کے بعد کس طرح آباد کرے گا اور اس کے باشندوں کو مرنے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا۔ وہ اس اندیشے میں غرق تھے کہ خدا نے ان پر موت وارد کر دی اور وہ سو سال تک اسی عالم میں رہے۔ ان کا گدھا بھی مر گیا۔ جب وہ دوبارہ اٹھے اور روانہ ہوئے تو انھوں نے تین سو آدمیوں کو مرے پڑے دیکھا اور خدا سے دعا کی کہ انھیں اپنی قدرت سے زندہ کر دے۔ ان کے دعا ختم کرتے ہی وہ مُردے اسی طرح زندہ ہو گئے جس طرح پہلے تھے۔

بعد ازاں، اسی موضوع پر ابراہیم علیہ السلام کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ ــــ تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا کہ اے پروردگار مجھے اپنی قدرتِ کاملہ سے یہ دکھا کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ غیب سے خطاب آیا کہ کیا تو اس بات پر ایمان نہیں رکھتا کہ میں مُردوں کو زندہ کر سکتا ہوں۔ آپ نے کہا میں ایمان تو رکھتا ہوں کہ تو مُردوں کو زندہ کر لیتا ہے لیکن اس کیفیت کے مشاہدے سے دل کی تسکین چاہتا ہوں۔ خدا نے فرمایا، اگر تُم اس کیفیت کو آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہو تو تم چار پرندے کبوتر، مُرغ، کوّا اور مور پکڑ کر ان کو ذبح کرو اور ان کے گوشت و پوست کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر خُوب کوٹو، حتیٰ کہ ایک آمیزہ تیار ہو جائے۔ لیکن ان کے سروں کو اپنے ہاتھ میں محفوظ رکھو۔ اب اس آمیزے کے چار حصّے کرو اور انھیں جُدا جُدا چار چٹانوں پر رکھو اور پھر ہر پرندے کو اس کے نام سے پُکارو۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح کیا۔ اُن کے سروں کو ہاتھوں

میں پکڑ کر ندادی کہ اے کبوتر اور اے طاؤس اور اے کوّے اور اے مُرغ اپنے سروں کی طرف آؤ۔ چنانچہ خدا کے حکم سے ہر ایک کے اجزائے بدنی ایک دوسرے سے نکل نکل کر الگ الگ جگہ پر جمع ہوئے اور وہ پہلے کی طرح آپس میں جُڑ گئے اور ان کے جسم صحیح وسالم بن گئے اور وہ زمین پر دوڑتے ہوئے اپنے سروں کی طرف لپکے۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں تک وہ اجسام دوڑے، وہاں سے پرواز کر کے آپ کے ہاتھ میں اپنے سروں سے جُڑ گئے۔

بعد ازاں فرمایا۔ ایک دن ابراہیم علیہ السلام اور نمرود میں سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابراہیمؑ نے فرمایا میرا خدا وہ ہے جو مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو مارتا ہے۔ نمرود نے کہا میں بھی یہ طاقت رکھتا ہوں اور مُردے کو زندہ اور زندہ کو مُردہ کر سکتا ہوں۔ اس نے ایک دائمی قیدی کو رہا کر دیا اور ایک زندہ شخص کو ہلاک کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا میرا خدا سُورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔ اس بات میں وہ لاجواب اور بھونچکا سا رہ گیا۔

بعد ازاں یہ آیت پڑھی :۔

اذ قال ابراھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر ہ

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) جب ابراہیمؑ نے کہا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، پس تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا تو وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔

بعد ازاں، سلیمان علیہ السلام کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفینؒ نے فرمایا۔ جب حضرت سلیمانؑ کا لشکر نملہ کی وادی میں اُترنے کو تھا تو نملہ نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر اس میدان میں پڑاؤ کرے گا، اس لیے تم اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ تاکہ سلیمانی لشکر کی پامالی سے محفوظ رہ سکو۔

بعد ازاں، یہ آیت پڑھی :۔

یاایھا النمل ادخلوا مساکنکو

اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلّوں میں داخل

لا یحطمنکم سلیمان و جنودہٗ وھم لایشعرونہٗ — ہوجاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند ڈالے۔

بعد ازاں، حضرت غوث الاعظمؒ کی عظمت و بزرگی کا ذکر چھڑا۔ صاحب زادہ محمد دینؒ صاحب نے عرض کیا کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کو حضرت غوث الاعظمؒ کو اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا۔

یا ولدی قدمی ھذہٖ علیٰ رقبتك و قدماك علیٰ رکاب کل ولی اللہ — اے بیٹے تیری گردن میرے اس قدم کے نیچے ہے اور ہر ولی کی گردن تیرے قدموں کے نیچے ہے۔

پس جب محبوبِ سبحانی اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تو آپ نے فرمایا رسولِ خدا کا قدم مبارک میری گردن پر ہے اور میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے۔ آپ کے اس قول کو تمام اولیاء نے قبول کیا لیکن شیخ صنعان نے اس سے روتابی کی۔ کیا یہ قصہ درست ہے یا نہیں؟

خواجہ شمس العارفینؒ نے فرمایا۔ معتبر کتابوں میں شیخ صنعان کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ البتہ مولانا جامیؒ "نفحات الانس" اور شیخ عبدالحق دہلوی "اخبار الاخیار" میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت غوث الاعظمؒ منبر پر چڑھ کر وعظ کرتے تھے تین ہزار علمائے معروف اور تین ہزار ولی کامل آپ کی مجلس میں موجود ہوتے تھے۔ ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا کہ رسولِ خدا کا قدم میری گردن پر ہے اور میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے۔ اسی دم ایک مردِ کامل نے بڑھ کر غوث الاعظمؒ کا قدم اپنی گردن پر لیا۔ ہزارہا علماء اور اولیاء کے تسلیم کرنے کے بعد شیخ صنعان کی جرأتِ انکار ثابت نہیں ہوتی۔

بعد ازاں، امام غزالی اور مولانا رومؒ کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کو چوتھے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ اس بات سے موسیٰؑ متعجب ہوئے اور انہوں نے امتِ محمدیہ کے کسی عالم سے ملاقات

کی خواہش کی۔ خدا نے مولانا روم کی روح حضرت موسیٰؑ کے روبرو حاضر کردی اور دونوں میں مکالمہ ہوا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس موقع پر حضرت موسیٰؑ کے سامنے امام غزالیؒ کی روح پیش کی گئی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ السلام علیکم۔ امام غزالی نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا سلام کا جواب تو وعلیکم السلام کافی تھا، اضافی کلام کی کیا ضرورت تھی؟ امام صاحب نے جواب دیا۔ کلام زیادہ نہیں ثواب زیادہ ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ نے کہا تمہارا نام کیا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا۔ محمد بن غزالی۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا۔ میں نے تو صرف تمہارا نام پوچھا ہے نہ کہ تمہارے باپ کا، پس باپ کا نام بتانے کا کیا فائدہ؟ امام غزالی نے کہا۔ آپ نے خطابِ ربانی "وما تلک بیمینک یا موسیٰ" کے جواب کو کیوں بڑھایا تھا اور کہا تھا:۔

اتوکوء علیھا واھش بھا — میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس
علیٰ غنمی ولی فیھا مارب — سے بکریوں کے لیے پتی جھاڑتا ہوں،
اخریٰ۔ — اس کے علاوہ یہ کئی کام بھی دیتا ہے

جب کہ صرف اتنا جواب ھی عصای کافی تھا اور اس عصا کے فوائد حق تعالیٰ کو معلوم تھے۔ کیونکہ وہی عصا اور اس کے فوائد کا خالق تھا۔ پس آپ کے بیان کا کیا فائدہ۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا جب ندائے ربانی آئی تو میں نے سمجھ لیا کہ یہ سوال عالمِ غیب وشہود کی طرف سے میرے دل میں جذبۂ انس بھڑکانے کی خاطر ہوا ہے۔ لہٰذا میں نے اقتضائے محل کے پیشِ نظر اس گفتگو کو طول[۱] دیا۔ امام صاحب نے جواب دیا۔ چونکہ آپ نے خود مجھے ملاقات کا موقع بخشا تھا اس لیے میں نے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا۔ جب حضرت موسیٰؑ نے یہ جواب سُنا تو انھوں نے امتِ محمدیہ کے علماء کا مرتبہ تسلیم کیا۔ پھر خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ امام غزالی کا مرتبہ

---

[۱] علامہ اقبال نے اس روداد کو کتنے دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے۔

بہ حرفے میتواں گفتن تمنائے جہانے را — من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

صحابہ اور تابعین سے کم ہے اور جب ادنےٰ مرتبے والے کا یہ حال ہے تو اعلےٰ مرتبے والا اس سے بھی عالی تر ہوگا۔

بعد ازاں، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے عقیدے کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ایک دن مخدوم صاحب نے آنحضرتؐ کے روضۂ مبارک کے سامنے جاکر عرض کیا کہ مدّت سے مجھے عرفانِ حق تعالےٰ کا شوق ہے۔ روضہ شریف سے آواز آئی کہ اے فرزندِ ارجمند ملکِ ہندوستان میں دہلی کے شہر میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ایک مریدِ کامل نصیرالدین چراغ دہلی ہے، اس سے تجھے مطلب حاصل ہوگا۔ مخدوم صاحب حسبِ ارشاد دہلی روانہ ہوئے اور مٹی کے چند ڈھیلے اپنے رخسار پر رگڑ کر گول کر لیے اور حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں استنجے کے لیے پیش کئے اور آداب بجا لاکر حقیقتِ حال بیان کی۔ حضرت چراغ دہلی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے مخدوم صاحب کو باطنی نعمت سے مالا مال کر دیا اور تھوڑے عرصے کے بعد ایک پُرانا پاجامہ تبرک دے کر رخصت کیا۔

بعد ازاں، حسنِ اعتقاد کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ حافظ امیر نے عرض کیا افسوس ہے کہ میں تحصیلِ علم سے بے بہرہ رہا ہوں۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اکثر لوگ علم وفضل کے باوجود قربِ حق تعالےٰ سے محروم رہتے ہیں علم کی اصل حسنِ اعتقاد ہے۔ پس طالبِ صادق کو چاہیئے کہ حسنِ اعتقاد حاصل کرنے میں فراواں کوشش کرے اور اطاعتِ شیخ میں اپنے ظاہر وباطن کو مشغول رکھے تاکہ حق تعالےٰ اُسے قسم قسم کے علوم سے فیضیاب کرے۔ بقول مولانا روم ؎

چوں کُنی خدمت، بخوانی یک کتیب
علمہائے نادرہ یابی زجیب

ترجمہ:- جب تو شیخ کی خدمت میں اطاعت کی کتاب پڑھ لے گا تو تیرے دل سے عجیب وغریب علوم خود بخود پھُوٹنے لگ جائیں گے۔

پھر خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے بڑے عجز وانکسار

سے خدا کے حضور التجا کی کہ مجھ ناچیز کو وہ علم نصیب کر جس کی برکت سے میری دعا تیرے حضور مستجاب ہو۔ ایک دن اُن کے مرید حضرت حبیب عجمیؒ امامت کر رہے تھے کہ خواجہ حسن بصریؒ تشریف لائے، لیکن انھوں نے جماعت میں اس لیے شمولیت نہ کی کہ حبیب عجمی قرآن صحیح نہیں پڑھتے تھے۔ غیب سے آواز آئی کہ اے میرے دوست! دعاؤں کو قبول کرانے والے جس عمل کی تمہیں خواہش تھی وہ یہی تھا کہ تم حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھتے، لیکن تم نے حبیب کو جاہل سمجھ کر اس عمل کو ضائع کر دیا ہے، حالانکہ میرے حضور میں اس کا عقیدہ تمہارے عقیدے سے فائق ہے۔

اس حکایت کے بعد حافظ امیر کے دل کو سکون ہوا اور وہ دل و جان سے خواجہ شمس العارفین کی خدمت میں مشغول ہوا۔

بعد ازاں، پختہ عقیدے کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ سالک کو ہر حالت میں اپنے عقیدے کو مضبوط رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ سلوک کی بنیاد اعتقادِ راسخ پر ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

پھر فرمایا۔ صوفیا کی اصطلاح میں کفر سے مراد وہ پختہ اعتقاد ہے جو کسی شک اندازی کی تشکیک سے ہرگز زائل نہ ہو سکے۔ آتش سے مراد دنیا کی مصیبتیں اور سختیاں ہیں اور بولہب سے مراد عاشقِ حقیقی ہے جو ہر حالت میں تحمل کا عادی اور ایذا کشی کا خوگر ہوتا ہے۔

بعد ازاں، حضرت امیر خسرو کے عقیدے کا ذکر شروع ہوا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ایک دن ایک شخص سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں آیا اور خیرات طلب کی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا آج جو کچھ آئے گا تجھے دے دوں گا۔ اتفاقاً اس دن کوئی چیز نہ آئی۔ دوسرے دن بھی سائل نے اسی طرح سوال کیا، آنحضرت نے وہی جواب دیا۔ اتفاقاً اس روز بھی کوئی چیز نہ آئی۔ سائل نے تیسرے دن پھر سوال کیا۔ سلطان المشائخ نے اپنی نعلین اس کو بخش دی اور وہ

رخصت ہوا۔ جس راستے پر وہ جا رہا تھا، اسی راستے پر امیر خسرو چار لاکھ روپے کا تجارتی سامان اونٹوں پر لادے ہوئے، اپنے ہمراہ لیے آرہے تھے۔ امیر خسرو نے اس شخص سے پوچھا تو کہاں سے آرہا ہے۔ اس نے بتایا کہ میں دہلی میں سلطان المشائخ کے حضور سوال کرنے گیا تھا، دو تین دن وہاں ٹھہرا لیکن کچھ نہ ملا، آخر آپ نے اپنی نعلینِ مبارک عطا کی۔ جب امیر موصوف نے یہ بات سُنی تو اس سے پوچھا کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ امیر نے دریافت کیا اس کی قیمت کیا ہے اس نے کہا جو کچھ مل جائے۔ امیر نے چار لاکھ کا تمام مال مع اونٹوں کے اس کے حوالے کر دیا اور نعلین مبارک اس سے لے کر کپڑے میں لپیٹ کر کمال ادب کے ساتھ سر پر باندھے ہوئے خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت نے پوچھا تجارت میں کوئی چیز بچی بھی ہے؟ امیر نے عرض کیا، غریب نواز! اس مرتبہ تو وہ نفع اٹھایا ہے کہ اس سے پہلے کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ پھر نعلین کی خریداری کا حال سُنایا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا تم نے بہت سستے داموں خریدی ہے، تمہارے عقیدے کے مطابق اگر تم اس سے دو چند قیمت دیتے تو پھر بھی کم تھی۔

پھر خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ ـــــ عشق کی گرمی کی وجہ سے امیر خسرو کی قمیص دل والی جگہ سے جلی رہتی تھی۔ بندہ نے عرض کیا اس قسم کا عشق کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

ذالکَ فضل اللہ یؤتیہ من یشاء — یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔

پھر امام بخش نذر بردار نے پوچھا کہ کیا اذکار و اوراد سے عشق حاصل نہیں ہوتا؟ آپ نے فرمایا۔ اشغال واذکار کی برکت سے نفسانی خطرے اور شیطانی وسوسے دُور ہو جاتے ہیں لیکن دولتِ عشق محض اس کی دین ہے۔

بعد ازاں جن وانس کا ذکر چھڑا۔ طبیب غلام علی نے عرض کیا کہ جس طرح انسانوں کی ذمہ داریاں، جسمانی تقاضے اور بیماریاں ہوتی ہیں، جنوں کی بھی اسی طرح ہوتی ہیں یا

نہیں ؟ خواجہ شمس العارفلین نے فرمایا۔ جن تمام امُور میں بنی آدم کے موافق ہیں۔ جنوّں میں سے بعض جن رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائے تھے۔

پھر فرمایا۔ فرشتوں کی پیدائش نوُر سے اور جنوں کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے ، لہذا (جنوں کا سردار) شیطان غرور کے گرداب میں پھنس گیا اور اس نے انا خیر منہ کہا اور آدم علیہ السلام کی بزرگی کے آگے سربسجود ہونے سے انکار کر کے لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔

پھر فرمایا۔ کوہ قاف کے گرد و نواح میں ایک ایسی سرزمین ہے جو کوہ قاف سے ستّر گنا زیادہ ہے۔ اس زمین کے قریب ایک اور زمین ہے جو تانبے کی ہے اور پہلی زمین سے ستّر گنا بڑی ہے۔ پھر اس زمین کے قریب ایک اور زمین چاندی کی ہے۔ جو تانبے والی زمین سے ستّر گنا بڑی ہے ، پھر ایک زمین سونے کی ہے جو چاندی والی زمین سے وسیع ہے۔ اس زمین پر ایک قوم آباد ہے جو دونوں جہانوں کی ہر طرح کی ذمہ داریوں سے آزاد ہے اور شیطان کے اثر و نفوذ سے بھی آزاد ہے۔ ان کے لیے موت کا عذاب اور حشر وغیرہ بھی نہیں ہوگا اور آخر کار وہ بہشت میں بھی داخل ہوں گے۔ اس روایت کو سُن کر تمام حاضرینِ مجلس نہایت متعجّب ہوئے۔

پھر فرمایا۔ فرائض ، بیماری ، ذلّت و رُسوائی ، جان کنی کا عذاب ، قبر کا عذاب ، حشر ، میزان اور دوزخ وغیرہ سے ہر بنی آدم کو واسطہ ہے اور آخر کار اہلِ ایمان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت سے بہشت میں داخل ہوں گے۔

مجلس ۸

فضیلتِ علم

جمعہ کے روز قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی احمد سکنہ پھنانی، سیّد صالح شاہ سلطان پوری اور دوسرے احباب بھی موجود تھے۔ طلبِ علم کا موضوع چھڑا، خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ کسبِ علم میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیئے۔ پھر یہ حدیث شریف پڑھی۔

اطلبوا العلم من المھد الی اللحد	پنگھوڑے سے لے کر قبر (میں پہنچنے) تک علم حاصل کرو۔

سیّد اللہ بخش نے عرض کیا سالک کے لیے کتنا علم ضروری ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ سالک کم از کم کنز الدقائق تک کے نصاب کو خوب سمجھتا ہو۔ سیّد مذکور نے عرض کیا کہ غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ اگر سالک نماز پنجگانہ کا علم رکھتا ہو تو اس کے لیے یہ بھی کافی ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اگرچہ اتنا علم بھی کافی ہے مگر ہمارے خاندان میں اعلیٰ وظیفہ ہی کسبِ علم ہے، جیسا کہ رسُولِ خدا نے اس بارے میں تاکید فرمائی ہے۔

تذھد بغیر علم فقد مات کافرا وجن جنونا	جس نے (حصول) علم کے بغیر زہد اختیار کیا وہ کفر کی موت مرا اور اس پر (ایک قسم کا) جنون مسلط کر دیا گیا۔

کسی بزرگ کا شعر ہے:

اگر بے علم کارے پیش گیرد
شود کافر و یا دیوانہ میرد

پھر آپ نے فرمایا ۔ عالم با عمل کی دو رکعت نماز تمام دنیائے بے علم کی عبادت سے بہتر ہے ۔ سیّد موصوف نے پھر عرض کیا کہ اکثر لوگ تو مفسّر یا محدث بننے کے لیے پڑھتے ہیں نہ کہ رضائے الٰہی کی نیت سے ۔ پس ایسے علم کا کیا فائدہ ؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا علم رضائے الٰہی کے لیے علم حاصل کرنا چاہیئے نہ کہ شیطان کی خوشنودی کے لیے ۔ خلوصِ نیت کے بغیر کسبِ علم ایک شیطانی فعل ہے ۔ سیّد موصوف نے پھر عرض کیا کہ جب ذکرِ جہر و خفی اور دوسرے وظائف کی بدولت بھی حصولِ اخلاص یقینی نہیں تو پھر کسبِ علم میں اخلاص کا برقرار رکھنا کیسے ممکن ہے ؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ اگرچہ خلوصِ نیت کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا لیکن عملِ صالحہ کا ترک بھی شیطانی فعل ہے اور شیطان کی یہی کوشش ہے کہ لوگ دولتِ علم سے بے بہرہ رہ کر عملِ صالحہ سے محروم ہیں ۔

پھر فرمایا ۔ ہدایت کا پانا علم پر موقوف نہیں ۔

واللہ یھدی من یشا الی صراط المستقیم — اللّٰہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف لے آتا ہے ۔

نیز یہ کہ اگر ہدایت کا مدار صرف علم پر ہوتا تو ابلیس اپنے اتنے علم وفضل کے باوجود گمراہ نہ ہوتا ۔

بعد ازاں ایک طالب علم نے عرض کیا کہ میں کسبِ علم کا شوق رکھتا ہو لیکن میں مجبور ہوں کہ میرے والد صاحب ضعیف اور نحیف ہیں اور وہ اس امر کی اجازت بھی نہیں دیتے کہ میں کہیں اور جا کر پڑھوں ۔ آپ اِس بارے میں جو ارشاد فرمائیں میں اسے بسرِ وچشم قبول کروں گا ۔

آپ نے فرمایا ۔ تمہارا کوئی اور بھائی بھی ہے ؟ اس نے عرض کیا کوئی نہیں ۔ آپ نے فرمایا اگر تم اپنے باپ کی راحت و خدمت کی کوئی اور صورت پیدا کر سکو تو علم حاصل کرو ورنہ حقوقِ والدین دوسرے تمام حقوق پر مقدم ہیں ۔ لہٰذا تم والد کے جیتے جی اس کی خدمت کرو کیونکہ علم سے مقصود بھی عبادت اور حق شناسی ہے ۔ اس نے پھر عرض کیا کہ کوئی وظیفہ ارشاد ہو ؟ آپ نے فرمایا ہزار بار کلمہ طیبہ اور ہزار بار درود شریف روزانہ پڑھ لیا کرو ۔

کسی اور شخص نے عرض کیا حصولِ علم کے لیے کوئی اور وظیفہ فرمائیں ۔ آپ نے فرمایا ۔ صبح

کی نماز کے بعد سو مرتبہ یا علیم علمنی پڑھا کرو ۔ اور التجا کیا کرو کہ اے خداوند کریم اس اسم مبارک کے طفیل مجھے علم عطا فرما ۔

پھر آپ نے فرمایا ۔ گردشِ روزگار سے میرا دمِ آخریں قریب آ پہنچا ہے لیکن پھر اب بھی میرے اندر کتب سلوک و توحید کے مطالعے کا شوق ذرہ برابر کم نہیں ہوا ۔ بندہ نے عرض کیا عشق کو ضعیفی سے کیا کام ؟ بلکہ عشق تو ہر حالت میں روبہ ترقی رہتا ہے ۔

اس کے بعد ضیاء الدین قوال نے عرض کیا دعا فرمائیں کہ میں فنِ موسیقی پر قدرت حاصل کرلوں ۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ تمام کاموں کی بنیاد علم پر ہے ۔ جب تک تم حصولِ علم میں استقامت نہیں دکھاؤ گے فنِ موسیقی کو کیا خاک پاؤ گے ؟ ۔

پھر فرمایا ۔ جب برخوردار محمد دین (صاحب) ، میرو قوال اور چند دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ پاکپتن شریف حاضر ہوئے تو برجِ نظامی میں حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی کی قدمبوسی سے مشرف ہوئے ۔ مہاروی حضرات کے علاوہ بہت سے درویش بھی وہاں موجود تھے ۔ میرو قوال نے بڑی سُریلی آواز سے یہ غزل پیش خدمت کی ۔

خلوت گزیدہ را بہ تماشا چہ حاجت است ؟

چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت است ؟

غزل کے خاتمے پر صاحب زادہ غلام فخرالدین صاحب مہاروی نے برخوردار محمد دین (صاحب) کو کہا آپ کے قوال کو کلام تو بہت اچھا یاد ہے لیکن علم سے نابلد ہونے کی وجہ سے صحتِ الفاظ کا التزام نہیں رکھ سکتا ۔

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا ذکر چھڑا ۔ سید اللہ بخش حاجی پوری نے عرض کیا کہ اس آیت " وعلم آدم الاسماء کلها " کی تفسیر کیا ہے ؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام علوی و سفلی مخلوقات کے نام بلکہ تمام موجودات کی تاثیرات اور تمام خشک و تر کی کیفیت و ماہیت سکھلا سمجھا دی ۔ پھر یہ مصرعہ پڑھا ؂

علم الاسماء یک رقم از دفتر یست

(یعنی آدم علیہ السلام کا علم الاسماء تو اللہ تعالےٰ کے لامحدود ازلی علم کے دفترِ ضخیم کی ایک معمولی سی عبارت ہے)

پھر فرمایا۔ تفسیرِ حسینی میں اس طرح مذکور ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم الاسماء کی دولت سے مشرف فرمایا تو اس کے بعد اس مخلوقات کو، جن کے نام آدمؑ کو پہلے سکھا دیئے گئے تھے، فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا اور حق تعالےٰ نے فرمایا۔ مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ جو تمہارے سامنے ہیں تاکہ تم آدمؑ کے استحقاقِ خلافت پر نکتہ چینی کرنے میں حق بجانب ٹھہرائے جاسکو۔ فرشتوں کی نکتہ چینی یہ تھی کہ آدم خلافتِ الٰہیہ کے لیے سزاوار نہیں، یہ متضاد عناصر کا مجموعہ ہے، اس لئے اس کے وجود سے شر و فساد کے ظہور کا اندیشہ ہے، اور ہم چونکہ نورانی مخلوق ہیں اور ہر وقت اللہ کی اطاعت میں اس کی تقدیس و تسبیح میں مشغول ہوتے ہیں، لہذا منصبِ خلافت کے صحیح حقدار ہم ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ خلیفہ کے لیے علم کا ہونا لازمی شرط ہے اور تمہیں یہ چیز حاصل نہیں۔ فرشتوں نے پیشِ نظر اشیاء کے اسماء سے اپنی جہالت کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت کے طور پر حضورِ باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ ہم تیری ذات کو تمام نقائص سے منزہ تسلیم کرتے ہیں ہمیں تیری پاکیزگی بیان کرنے کا اور کوئی ڈھنگ نہیں آتا سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، تو ہی عقل سکھانے والا پختہ کار اور احسن کردگار ہے۔ قالوا سبحانك لاعلم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم ۃ اس آیت سے دو چیزیں معلوم ہوئیں، ایک تو عبادت پر علم کی فضیلت کیونکہ فرشتوں کے ہاں عبادت کی کمی نہ تھی لیکن علم کی وجہ سے فضیلت آدمؑ کو ملی، دوسرے یہ کہ بعض اشیاء ایسی ہوتی ہیں جن کا اظہار موجبِ نقصان ہوتا ہے، جیسے ابلیس نے آدمؑ کی مخالفت کو بے پردہ ظاہر کر کے اپنی جان کو ابدی بدبختی اور جاودانی لعنت میں مبتلا کر لیا۔

پس اے عزیز! تمہیں چاہیئے کہ اپنے قیمتی سرمایۂ حیات کو علمِ دین کی تحصیل میں صرف کر کے سعادتِ دارین حاصل کرو اور بغض و عداوت سے اجتناب کرو تاکہ تمہاری

سیرت میں ملکوتی شان جھلکنے لگے۔

اس کے بعد آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا جب حضرت موسیٰؑ کی روح نے حضرت آدمؑ کی روح سے ملاقات کی تو کہا کہ آپ کے دانہ کھانے کی وجہ سے ہم اس طرح کی جکڑ بند میں گرفتار ہوئے، اگر آپ دانہ نہ کھاتے تو ہم اس طرح کی مصیبتوں میں کیوں اُلجھتے؟ آدمؑ کی روح نے جواب دیا ہمیں کیوں ملامت کرتے ہو؟ اپنی ہی کتاب میں دیکھ لو، خدا تعالیٰ نے میری پیدائش سے آٹھ ہزار سال قبل میرا رزق تیار کر لیا تھا، لہٰذا میرا اس میں کیا دخل ہے؟ اگر خدا کا ارادہ اس طرح نہ ہوتا تو میں دانہ کب کھا سکتا تھا۔ یہ سُن کر موسیٰؑ لاجواب ہو گئے۔

اسی موقع پر سیّد اللہ بخش نے عرض کیا اگر آپ کا ارشاد برحق ہے تو پھر کسی کو بھی ملامت نہیں کرنی چاہیئے جب کہ تمام اُمورِ خیر و شر منشائے ایزدی سے ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام اُمور کا مبداء اُسی کے دستِ قدرت میں ہے اور پھر یہ مصرعہ پڑھا ع

کچھ دوس نہیں بانکے یار نوں جے، لکھے اپنے نوں پٹی رُنیاں میں

یعنی جو کچھ تقدیر کی تحریر میں قلمبند ہو گیا ہے، وہی مشیّتِ ایزدی کے تقاضے سے ظہور پذیر ہوتا ہے، لیکن درویش کو چاہیئے کہ نیک کاموں کو حق تعالیٰ سے منسوب کرے اور افعالِ قبیحہ کو اپنے نفس سے منسوب کرے۔[۱]

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:۔

مَا اَصَابَكَ مِن حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ	تمہیں جو بھلائی بھی پہنچتی ہے اللہ کے فضل کی وجہ سے پہنچتی ہے اور تم پر جو مصیبت

---

[۱] اسی مضمون کو خواجہ حافظ شیرازی نے یوں بیان کیا ہے۔ (مترجم)

گناہ اگرچہ نبود اختیارِ ما حافظ

تو در طریقِ ادب کوش وگو گناہِ من است

مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ بھی آتی ہے تمہارے اپنے نفس کی وجہ سے ہوتی ہے۔

سید مذکور نے پھر عرض کیا کہ جب تمام امور خیر و شر کا مبداء وہی ایک ہے تو پھر فرقۂ جبریہ اور فرقۂ صوفیہ میں کیا اختلاف ہے؟ آپ نے فرمایا۔ جبریہ فرقے کے پیرو تعداد اور تکثر کے قائل ہیں لیکن صوفیہ وحدت کے قائل ہیں۔ دوسرے یہ کہ جبریہ اوامر و نواہی کی پابندی میں سست ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں، ہم تو مجبور محض ہیں، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ لیکن صوفیہ حق تعالےٰ کی اطاعت میں ہر وقت مستعد اور منہمک رہتے ہیں اور محبوبِ حقیقی کے ہر امر کو عین سعادت قرار دیتے ہیں۔

اسی ضمن میں مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا ایک یہ فرق بھی معلوم ہوتا ہے کہ جبریہ اللہ تعالےٰ کے اسمِ مضلّ کے مظہر ہیں اور صوفیہ اسمِ ہادیؔ کے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ چونکہ یہ دونوں اسماء ایک ہی اصلِ واحد تک پہنچتے ہیں لہذا درحقیقت دونوں فرقے مرتبۂ احدیت کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہیں اور مرتبۂ واحدیت کے لحاظ سے دو مختلف چیزیں ہیں۔

بعد ازاں، تحصیلِ علم کا ذکر چھڑا۔ آپ نے مولوی غلام محمد سے پوچھا "نور محمد لوہار کیا پڑھتا ہے؟" مولوی غلام محمد نے جواب دیا۔ ابھی تک اس نے قرآن ختم نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ آدمی کو چاہیئے کہ بچپن سے ہی کسبِ علم میں جدّ و جہد کرے ورنہ وہ محروم رہتا ہے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ نور محمد اُستاد کی پٹائی کے خوف سے مدرسے سے اُٹھ کر فلاں شخص کے پاس پرائیویٹ پڑھتا ہے۔ آپ نے یہ مصرعہ پڑھا ؎

جورِ اُستاد بہ زمہرِ پدر

اور فرمایا۔ اُستاد کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے، اس لیے کہ والدین جسم کی پرورش کرتے ہیں اور اُستاد روح کی تربیت کرتا ہے۔ نیز فرمایا۔ درویش کو علم حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے بغیر تکمیلِ سلوک ناممکن ہے۔

اسی ضمن میں غلام حسین قریشی نے عرض کیا کہ دو کمسن بھائی تھے۔ ایک تحصیلِ علم

اور دوسرا کسبِ معرفت میں لگ گیا۔ ایک دفعہ عالم بھائی اپنے سالک بھائی سے ملنے گیا۔ تو اُسے وہاں سخت بدبو کا احساس ہوا، اور کہنے لگا " بھائی مجھے تم سے بدبو آ رہی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟" سالک نے کہا۔ "کل بادشاہ میری ملاقات کو آیا تھا اور اس کے لباسِ فاخرہ سے میرے مشام معطر ہوئے اور میرا نفس محظوظ ہوا، لہذا نفس کی مخالفت کے لیے میں نے اپنی ناک پر مُردہ چوہا باندھا ہوا ہے"۔ عالم بھائی نے پوچھا "کتنا وقت ہوا ہے؟" سالک بھائی نے جواب دیا "دو دن سے"۔ عالم نے کہا۔ "پس دو دن کی نمازیں لوٹاؤ کیونکہ طہارت کے بغیر نماز جائز نہیں۔"

آپ نے فرمایا۔ زہد و تقویٰ وہی اچھا ہے جو سنّتِ رسول کے مطابق ہو، جیسا کہ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائی بر مصطفےٰ[۱]

ترجمہ:۔ بیشک تم زہد و عبادت اور تزکیۂ باطن کے لیے کوشش کرو، لیکن سنّتِ رسول پر ہرگز سرمو اضافہ نہ کرو۔

بعد ازاں، عبدالحکیم نامی ایک شخص بیعت کے ارادے سے حاضر ہوا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ تم نے کتنی کتابیں پڑھی ہوئی ہیں؟ اس نے کہا۔ شرح وقایہ، خیالی اور ملا حسن وغیرہ۔ آپ نے فرمایا۔ اکثر لوگ علوم ظاہری میں ہی لگے رہتے ہیں اور سلوک و توحید کی کتب مثلاً امام غزالی اور مولانا جامی کی تصانیف کا مطالعہ نہیں کرتے، حالانکہ تمام علوم کا اصلی مدعا یہی ہے کہ انسان واصل بحق ہو جائے۔ چنانچہ کسی بزرگ کا قول ہے ؎

علم نحو و صرف خوانی فقہ خوانی یا اصول
جز وصالِ حق تعالیٰ دُور مانی اے جہول

ترجمہ:۔ صرف و نحو کا علم ہو یا اصول و فقہ کا، اگر یہ وصالِ حق تعالےٰ کے علاوہ کسی اور مقصد کی طرف رہبری کریں تو ان سے پرہیز ضروری ہے۔

پھر فرمایا۔ مولانا روم کی مثنوی اور ابنِ عربی کی فصوص الحکم دونوں کا مطالعہ رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ دونوں کتابیں سلوک و توحید کے جواہرِ نادرہ کا گنجِ گراں مایہ ہیں۔

بعد ازاں فرمایا۔ ایک مرتبہ جب میں حضرت تونسوی کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ نے خاص طور پر مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف تصوّف کے موضوع پر نہایت عمدہ کتاب ہے، تمہیں اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے، اگر تمام کتاب نہ پڑھ سکو تو کم از کم "آدابِ شیخ" والا باب ضرور دیکھ لینا چاہیئے۔

بعد ازاں فرمایا۔ ہم نے مدتِ دراز تک مثنوی رومی کا مطالعہ برابر جاری رکھا اور چھ کے چھ دفتروں کا حاصلِ مطلب خدمت و اطاعتِ شیخ ہی نظر آیا۔ سالک جب "اطاعتِ شیخ" کی منزل سے کامیابی کے ساتھ گزر جائے تو اسے سلوک و معرفت کے تمام مراتب حاصل ہو جاتے ہیں کیونکہ خود "اطاعتِ شیخ" عینِ "اطاعتِ خدا و رسولؐ" ہے۔ بقول مولانا روم ؎

چونکہ ذاتِ پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسولؐ
گر جُدا بینی زحق تو خواجہ را
گم کُنی ہم متن و ہم دیباچہ را

یعنی۔ اگر تم اطاعتِ شیخ میں درجۂ کمال پیدا کر لو تو اسی میں تمہیں قربِ خدا اور قربِ رسولؐ حاصل ہوگا اور اگر تم اطاعتِ شیخ کو اطاعتِ الٰہی میں مُخل سمجھتے رہے تو کتابِ توحید کے مطلب و معنی سے تم کورے کے کورے رہ جاؤ گے۔

بعد ازاں فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ سلوک کے ابتدائی مراحل میں امام غزالی کی کیمیائے سعادت اور سلوک کی آخری منازل میں مثنوی رومی کا مطالعہ کرے۔ بندہ نے عرض کیا، کتب بینی سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ فرمایا۔ مطالعہ مسطر کی مانند ہے، جس طرح کاتب سیدھے اور موزوں و متناسب مسطر پر لکھتا ہے۔ اسی طرح صاحبِ مطالعہ بھی احکامِ شریعت کو سمجھ کر اُن کے مطابق اپنے اعمال کو آسانی سے ڈھال لیتا ہے۔

بعد ازاں، خواجہ شمس العارفین کی عمر اور آپ کی تعلیم کا ذکر شروع ہوا۔ صاحبزادہ محمد دین صاحب نے عرض کیا، اب آپ کی عمر کیا ہے؟ ارشاد ہوا۔ اس وقت میری عمر تقریباً پوراسی[۱] سال ہے۔ صاحب زادہ صاحب موصوف نے پھر عرض کیا، جناب کا تعلیمی دَور کیسے طے ہوا؟ فرمایا۔ بساکھ اور جیٹھ کے دو مہینوں میں میں نے موضع میکی ڈھوک میں کریما اور نامِ حق کا درس لیا۔ اس کے بعد قصبہ مکھڈ شریف میں ماموں احمد دین صاحب کی خدمت میں پند نامہ عطار شروع کیا، حتیٰ کہ نظم کی تمام درسی کتابیں انھیں سے پڑھیں۔ اس کے بعد صرف، نحو اور منطق کی کتابیں مولوی محمد علی صاحب سے پڑھیں، تیرہ سال وہیں گزار دیئے۔ اس کے بعد دو سال موضع آخلاص میں گزارے۔ پہلے سال شرح وقایہ اور دوسرے سال مُطوّل کو پڑھ ڈالا۔ اس کے بعد چھ ماہ کابُل شہر میں رہ کر ہدایہ شریف کو پڑھا اور ساتھ ہی علمِ حدیث کی سند بھی لی۔ اس کے بعد تونسہ شریف میں حضرت خواجہ تونسوی کی خدمت میں رہ کر تصوّف کی چند کتابیں پڑھیں، جن میں خاص طور پر لوائح جامی، لمعاتِ عراقی، شرح لمعاتِ جامی، سواءُ السبیل، کشکولِ کلیمی اور مرقع کلیمی قابلِ ذکر ہیں۔

ضمناً بندہ نے عرض کیا، خواجہ تونسوی کا تعلیمی کردار کیا تھا؟ فرمایا۔ آپ نے ابتدائی عمر میں اپنے آبائی علاقے دُرگ میں پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد موضع تونسہ شریف میں حسن علی کے مدرسے میں نظم کی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد تونسہ شریف کے مضافات میں موضع لانکہ سجن میں مولانا ولی محمد کے پاس نظم کی چند کتابیں پڑھیں اور پھر عربی علوم کی تحصیل کے لیے کوٹ مٹھن پہنچے اور قاضی احمد علی صاحب بن حضرت قاضی عاقل محمدؒ سے سبق شروع کیا۔ چند سال تک وہاں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد ایک دن جب حضرت خواجہ مہارویؒ موضع اوچ میں تشریف فرما تھے تو اپنے استاد احمد علی صاحب

---

[۱] اس کے بعد آپ تین سال زندہ رہ کر واصل بحق ہوئے۔ لہذا، اس حساب سے آپ کی عمر مبارک ستاسی (۸۷) سال بنتی ہے۔ (مترجم)

کے ہمراہ وہاں جا کر خواجہ مہاروی سے بیعت کر لی۔

بعد ازاں، خواجہ نور محمد مہاروی کے تعلیمی کردار کا ذکر چھیڑا۔

فرمایا —— خواجہ مہارویؒ نے دہلی میں علومِ عربیہ کی تحصیل شروع کی۔ آپ کا ایک درویش تھا جو روٹی کے چند ٹکڑے مانگ لاتا اور آپ کے سامنے رکھ دیتا۔ انہی دنوں مولانا فخر الدینؒ اورنگ آباد سے دہلی تشریف لائے اور کسی جگہ اقامت گزیں ہوئے۔ ایک دن خواجہ مہاروی کا درویش مولانا کے مکان پر گیا، مولانا نے اسے درویش صورت جان کر روٹی عنایت کی۔ درویش جب واپس آیا تو اس نے خواجہ مہاروی کو بتایا کہ آج یہاں ایک آدمی آیا ہے جس کو دیکھ کر مجھے بہت تعجب ہوا ہے۔ وہ پچاس ساٹھ گز کے قریب شلوار رکھتا ہے، بہت بڑی اور کھلی قبا کے علاوہ خوبصورت کلاہ اور شملہ دار دستار اس کے زیبِ سر ہے، بظاہر وہ امیر کبیر شخص معلوم ہوتا ہے، لیکن جب میں نے اس کی گفتگو سُنی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک عالم شخص ہے۔ خواجہ مہاروی کے جی میں آئی کہ اس عجیب و غریب شخص کو چل کر دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ درویش کو ہمراہ لے کر مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولاناؒ نے پوچھا تم کیا پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا قطبی پڑھتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا اگر تمہارا جی چاہے تو میرے ساتھ سبق کا تکرار کر لو۔ انہوں نے کہا میں آپ جیسے "بدعتی" سے سبق کا تکرار نہیں کروں گا۔ مولانا نے فرمایا، تم اپنا کام کرو میری بدعت سے تمہیں کیا سروکار؟

جب دوسرے دن خواجہ مہاروی نے استاد کے سامنے کتاب کھولی تو ان کی طبیعت بند ہو گئی اور جس قدر غور و فکر زیادہ کیا سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ استاد نے کہا کیا وجہ ہے کہ تم ایک حرف بھی نہیں پڑھتے ہو، اگر کسی کو ناراض کر بیٹھے ہو تو اس کو راضی کرو۔ دل میں خیال آیا کہ شاید کل جس آدمی کے ساتھ گستاخانہ جرأت سے باتیں ہوئی ہیں، کہیں یہ اسی کی شامت نہ ہو؟ چنانچہ مولاناؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ کل میں نے آپ سے نامناسب باتیں کی تھیں، آپ معاف فرمائیں اور میرے ساتھ سبق کا تکرار بھی کریں۔

چند دنوں تک وہ تکرارِ سبق کے لیے برابر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے

ایک دن مولاناؒ نے فرمایا۔ تمہارے لیے یہ سبق بہتر ہے کہ تم اسم اللہ اللہ کرو۔ اس فرمان کا خواجہ مہاروی پر گہرا اثر ہوا، انھوں نے مولانا سے بیعت کرلی، کسبِ علم کا شغل وہیں کا وہیں رہا اور شغلِ باطنی میں منہمک ہوگئے۔

بعد ازاں، قاضی محمد عاقل صاحب کے نظامِ درس و تدریس کا ذکر چھڑا، فرمایا۔ ان کا عربی مدرسہ بڑا ترقی کرچکا تھا۔ ان کے ہاں اساتذہ کے علاوہ بالائی کتابیں پڑھنے والے یعنی مُنتہی تقریباً اُسّی کی تعداد میں موجود رہتے تھے اور ان کے علاوہ بھی طالبعلموں کی ایک بہت بڑی تعداد زیرِ تعلیم رہتی تھی۔

پھر فرمایا۔ خواجہ تونسوی کے خلیفہ مولوی احمد دین فرماتے تھے کہ قاضی محمد عاقل بڑے مالدار تھے، چنانچہ ایک موقع پر انھوں نے خواجہ مہاروی کے سامنے لاکھ روپیہ نذر رکھا اور عرض کیا کہ میں نے نہایت حقیر نذرانہ پیش کیا ہے۔

اسی موقع پر صاحب زادہ محمد دین صاحب نے عرض کیا کہ قاضی محمد عاقل اور حافظ محمد جمال ملتانی کی ذات کیا ہے؟ فرمایا۔ مجھے یاد نہیں، لیکن ذات سے کیا غرض جب کہ مقصود حصولِ عشق ہے ؏

عشق را با مومن و کافر نباشد احتیاج

ایں سخن بر مسجد و میخانہ می باید نوشت

ترجمہ:۔ مسجد و میخانہ کی لوحِ باب پر، یہ بات کھلے لفظوں میں لکھ کر مشتہر کر دینی چاہیئے کہ "نگاہِ عشق" کفر و ایمان کے درمیان سرِ مُو امتیاز کی بھی قطعاً روادار نہیں۔

بعد ازاں، خواجہ تونسوی کے سلسلۂ درس و تدریس کا ذکر چھڑا، فرمایا۔ تیئیس علمائے کامل تونسہ شریف میں درس دیتے تھے اور بیس یا اس سے زیادہ سبق ہر استاد پڑھاتا تھا، اس کے علاوہ چاروں طرف سے دوسرے مشہور و معروف علما بھی آیا کرتے تھے۔

پھر فرمایا۔ توحید کی کتابیں مثلاً لوائح اور لمعات وغیرہ کو میں بغل میں لیے حضرت تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ جب آپ کی نظر مجھ پر پڑتی تو ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے پاس بُلا کر سبق پڑھاتے اور دورانِ سبق اکثر اوقات بڑی گرمجوشی کا مظاہرہ

کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ مہار شریف کے درویش خانے میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ارد گرد خاص و عام کا ہجوم تھا۔ اس حالت میں بھی، جب کہ آپ کو فراغت نہ تھی، اپنے ہاتھ سے آپ نے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے فی الفور آپ کے پاس پہنچ کر کتاب کھولی اور سبق پڑھا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ درویش کو علم پڑھنا چاہیئے تاکہ وہ تظاہر اور ریاکاری کی شامت سے بچ سکے۔ اسی اثنا میں چھچھ ہزارہ سے ایک آدمی آیا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے سولہ مرتبہ حج کیا ہے اور اس کے بعد مدتِ دراز تک میں بغداد میں مقیم رہا، اس دوران میں نے بڑی سخت ریاضت کی، چنانچہ میں نے بغیر کچھ کھائے کے دو چلّے کاٹے اور قادری طریقے کے مطابق خلافت کے درجے تک پہنچا، اور اس وقت سے اب تک سلطانِ روم کی طرف سے میرا وظیفہ مقرر ہے۔

خواجہ شمس العارفین نے بندہ کی طرف روئے سخن مبذول کرتے ہوئے فرمایا۔ افسوس ہے اس شخص پر جس نے حصولِ دنیا کے لیے اپنی قیمتی عمر ضائع کردی اور خالی ہاتھ کوچ کیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ علم بڑی عجیب نعمت ہے، اگر یہ شخص علم رکھتا ہوتا تو ہر گز عبادتِ ریائی اور حصولِ دنیا میں مشغول نہ ہوتا۔

پھر فرمایا۔ اکثر لوگ تسخیر کے لیے عبادت کرتے ہیں اور لوگوں سے حاجتیں مانگتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جن سے وہ مانگتے ہیں وہ بھی قاضی الحاجات کی درگاہ کے محتاج ہیں۔ درویش کو خالقِ حقیقی کی عبادت محض اس کی رضا کے لیے کرنی چاہیئے کیونکہ ہر حالت میں وہی کارساز ہے۔

بعد ازاں، علمِ سحر کے ظہور کا ذکر چھڑا، بندہ نے عرض کیا کہ علمِ سحر کس شخص سے ظاہر ہوا ہے؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ علم سحر قدیمی ہے اور اس کا ظہور ہاروت و ماروت دو فرشتوں سے ہوا ہے۔ تفسیرِ حسینی میں مذکور ہے کہ یہ دو فرشتے گناہگار لوگوں پر اکثر طعنہ زنی کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا تھا کہ وہ تو نفس اور اس کی خواہشات سے بہک چکے ہیں، لیکن یہی نفس اگر تمہارے ساتھ بھی لگا دیا جائے تو تم ان گنہگار لوگوں

سے بھی زیادہ بدکردار ثابت ہوگے۔ فرشتے اس امر پر تردید آمیز اظہارِ حیرت کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بشری نفس لگا کر، انھیں لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے زمین پر بھیج دیا۔

زمین پر آکر وہ زہرہ نامی ایک عورت پر فریفتہ ہو گئے اور شراب کے نشے میں دُھت ہو کر بُت پرستی اور قتلِ ناحق کے مرتکب ہوئے۔ اللہ نے آسمان پر ان کا داخلہ بند کر کے اسی دنیا میں ان کے لیے عذاب مقرر کیا۔ اور ابھی تک وہ چاہِ بابل میں سَر کے بالوں سے لٹکے ہوئے عذاب لے رہے ہیں۔ ان پر علمِ سحر اس لیے نازل ہوا تھا کہ اس زمانے میں جادوگر لوگ نبوّت کا دعوٰی کرتے تھے۔ اللہ نے ان فرشتوں کو زمین پر نازل کرنے سے پہلے اسمِ اعظم کا علم عطا فرمایا تاکہ وہ عقلمند لوگوں کی ایک جماعت کو اس کی تعلیم دیں جس سے وہ جادو کی حقیقت سے آگاہ ہو کر مدعیانِ نبوّت کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں اس طرح علمِ سحر زمین پر مُنتشر ہو گیا۔

پھر فرمایا۔ علمِ سحر کی تاثیر کافروں سے زیادہ ظاہر ہوتی ہے یعنی جس قدر ناپاکی زیادہ اختیار کی جائے اسی قدر علمِ سحر کی تاثیر بڑھتی ہے۔ اسی طرح علمِ دین نیکوکاروں سے رونق پاتا ہے، جتنا کسی کی عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے اتنا ہی اس کے علم کو زوال آئے گا۔

مجلس ۹

طہارت اور نماز

ہفتہ کے روز قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ نیاز درویش، کریم بخش نومسلم اور دوسرے یارانِ طریقت حاضرِ خدمت تھے۔ طہارت اور نماز کے موضوع پر گفتگو شروع ہوئی۔ خواجہ شمس العارفین نے کریم بخش نومسلم کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کلمۂ طیبہ، کلمۂ شہادت اور کلمۂ تمجید کے معانی بیان کئے۔ اس کے بعد وضو اور غسل کا طریقہ سمجھایا اور فرمایا۔ جُنب کی حالت میں غُسل کرنا فرض ہے۔ نومسلم نے عرض کیا ہندومت میں روزانہ کا غُسل بہت اہمیت رکھتا ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ روزمرہ کا غُسل باطنی طہارت کے لیے کچھ مفید نہیں۔ درویش کو جاننا چاہیئے کہ طہارت دو قسم کی ہوتی ہے۔ طہارتِ ظاہری اور طہارتِ باطنی۔ طہارتِ ظاہری یہ ہے کہ نماز اور دوسری عبادات کے لیے، شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق وضو اور جُنبی حالت میں غُسل کیا جائے۔ باطنی طہارت یہ ہے کہ دل کو خصائلِ رذیلہ مثلاً تکبّر، حسد، بخل اور غضب وغیرہ سے پاک کیا جائے۔ جس طرح ظاہری طہارت پانی یا پاک مٹی کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح باطنی طہارت سوائے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ دل کے حاصل نہیں ہوتی۔ پھر حضرت شیخ نے چند ہندی شعر پڑھے۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا پنجگانہ نماز کا مسنون وقت کیا ہے؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ فجر کی نماز کا وقت صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک ہے اور اس کی ادائیگی میں تاخیر مستحب ہے، یعنی اس کے کل وقت کے نصفِ ثانی میں ادا کرنا، حتیٰ کہ حالتِ سفر میں بھی تاخیر مستحسن ہے۔ تاخیر اتنی کرنی چاہیئے کہ اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے تو سورج طلوع ہونے تک دوبارہ پڑھی جا سکے۔

ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے لے کر ہر چیز کے اصلی سائے کے علاوہ اس کے سائے

کے دو برابر بڑھ جانے تک ہے۔ موسم گرما میں نمازِ ظہر ادا کرنے میں تاخیر مستحب ہے اور "مثل" تک سائے کے پہنچنے سے کچھ پہلے ہی ادا کر دینی چاہیئے، کیونکہ مثل کا نصفِ اوّل حدِ تعجیل اور نصفِ آخر حدِ تاخیر ہے۔

عصر کا وقت ظہر کے پیچھے دو مثلوں کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس میں تاخیر مستحب ہے۔ تاخیر کی حد اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج کا رنگ بالکل ماند نہ پڑ جائے۔

شام کا وقت غروب سے لے کر شفق کے اوجھل ہونے تک ہے اور اس کی علامت وہ سفیدی ہے جو افق پر سُرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ ہر موسم میں شام کی نماز میں تعجیل مستحب ہے۔

عشاء اور وتر کا وقت غروبِ شفق سے لے کر صبحِ صادق تک ہے اور رات کے تیسرے حصّے تک تاخیر مستحب ہے۔ نیز افضل یہ ہے کہ رات کی چھٹی ساعت سے نویں ساعت کے درمیان ادا کر دی جائے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ نماز کی دو قسمیں ہیں۔ نمازِ صوری اور نمازِ معنوی۔ صوری نماز یہ ہے کہ شریعت کے حکم کے مطابق تمام ضروری آداب و شرائط کو ملحوظ رکھ کر ادا کی جائے معنوی نماز یہ ہے کہ ماسواء اللہ سے ترکِ تعلق کر کے حق تعالےٰ سے جا پیوند ہونا۔

پھر فرمایا۔ ذکرِ الٰہی بھی بمنزلۂ نماز کے ہے، کیونکہ مقصودِ نماز بھی یادِ حق ہے۔ پس جب مومن ذکرِ ربّانی میں مشغول ہو گویا وہ حالتِ نماز میں ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ نماز کے ارکان تین قسم کے ہیں۔ قولی، فعلی اور قلبی۔ قولی کی مثال قرأت اور فعلی کی مثال قیام، رکوع، سجود وغیرہ ہے اور قلبی سے مراد حضورِ دل یعنی ماسواء اللہ سے کاملاً فارغ ہو کر حقیقتِ حقہ میں انہماک پیدا کرنا۔

ذوقِ طاعت بے حضورِ دل نیابد ہیچکس
طالبِ حق را دلِ حاضر دریں درگاہ بس

صوفیائے کرام کے مسلک میں "حضورِ دل" کے بغیر نماز جائز ہی نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے لَا صَلوٰۃَ اِلَّا بِحُضُورِ الْقَلْبِ اس حدیث کے معنی مختلف

طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔ بعضوں کے نزدیک نماز کا کامل ثواب حضورِ قلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، بعض کی رائے میں نماز کی نیت کے وقت حضورِ قلب شرط ہے اور بعض کے نزدیک حضورِ قلب کے بغیر نماز ہرگز جائز نہیں اور موخر الذکر طبقہ حدیث کے ظاہر پر عمل کرتا ہے۔

بعد ازاں، حضرت امام حسینؓ کی نماز کا ذکر چھڑا۔ آپ نے فرمایا۔ جب حضرت امام حسینؓ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا اور فرماتے تھے کہ اے خدا وہ امانت جسے زمین و آسمان اور عرش و کرسی بھی اُٹھانے کی جرآت نہ کر سکے، اس عاجز بندے کو اس کے اٹھانے کا کیا یارا ہے، پھر گہرے انہماک اور استغراق کے ساتھ نماز پڑھتے۔

بعد ازاں، حضرت علیؓ کی نماز کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ میدانِ کارزار میں امیر المومنین حضرت علیؓ کا جسم مبارک سکے کی طرح سخت ہو جاتا اور نماز کے وقت موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ جنگِ اُحد میں آپ کے پاؤں مبارک میں دشمن کا تیر پھنس گیا۔ لوگوں نے، اسے کھینچنے کی جتنی کوشش کی لیکن وہ برآمد نہ ہو سکا۔ لیکن جب آپ نماز میں مشغول ہوئے تو تیر اس سہولت سے نکال لیا گیا کہ آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔

اسی اثنا میں صاحب زادہ محمد دین صاحب نے عرض کیا کہ امام شافعی کے نزدیک خون کے جاری ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اسی واقعہ کو وہ بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں

بعد ازاں، محکم دین سیرانیؒ کی نماز کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ جب وہ نماز کے لیے تیار ہوتے تو پہلے قوالوں کو اپنے پاس بٹھاتے اور جب وہ چند بول گا لیتے تو حضورِ دل سے نماز کی نیت باندھتے اور اسی کیفیت میں نماز ختم کرتے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک بزرگ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ لوگوں نے انہیں نماز پڑھنے کو کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نماز تو پڑھوں گا مگر سورت فاتحہ نہیں پڑھوں گا اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ لوگ برابر اصرار کرتے رہے۔ آخر انہوں نے مجبور ہو کر کہا میں سورت فاتحہ بھی پڑھ لوں گا مگر ایاك نعبد و ایاك نستعین نہیں پڑھ

سکوں گا۔ حاصلِ کلام جب وہ نماز پڑھنے لگے اور "ایاک نعبد و ایاک نستعین" پر پہنچے تو ان کے رؤئیں رؤئیں سے خون جاری ہوگیا۔ صاحب زادہ محمد دین صاحب نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا۔ جب خدا کے بندے خدا کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں تو عشق کے شدید غلبے کی وجہ سے ان کا خون جاری ہو جاتا ہے۔

بعد ازاں، سیّد اکرام شاہ سکنہ سلھو کی نے عرض کیا کہ اگر نماز غلطی سے رہ جائے تو فقہ کی کتابوں میں اس کی قضا ثابت ہے، لیکن وہ کونسا عمل ہے جو اگر بر وقت ادا نہ ہو سکے تو اس کی قضا بھی نہ ہو؟ آپ نے فرمایا۔ ہر وہ سانس جو غفلت کی گھڑی بن کر گزرتا ہے، ناقابلِ تلافی ہے۔

بعد ازاں، خواجہ تونسوی کی نماز کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ ایک دن خواجہ تونسوی کے آنے سے پہلے جماعت ہوگئی، اس دن آپ بذاتِ خود امام بنے، میں نے آپ کی اقتداء کی۔ اس دن آپ کے دل میں عشقِ الٰہی کا اتنا ہیجان تھا کہ وہ نماز آہستہ نہیں پڑھ سکتے تھے اور رکوع و سجود اتنی تیزی سے کرتے تھے کہ مجھے آپ کی متابعت کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اسی طرح مسیح الاولیاء حضرت عین العرفاء کے مریدوں سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز میں حضورِ دل کے غلبے کی وجہ سے مکمل سورت فاتحہ پڑھنی بھی انتہائی مشکل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت سید محمد گیسودرازؒ اپنی کتاب تلبیان میں فرماتے ہیں کہ طالب صادق کو نماز میں مختصر قرأت کرنی چاہیئے تاکہ وہ حضورِ دل کی کیفیت سے غافل نہ ہو، کیونکہ حضورِ دل کے بغیر نماز فائدہ مند نہیں اور محض بیہودہ حرکات کا مجموعہ ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ تونسوی جب مُہار شریف جاتے تو ایک مقررہ جگہ پر قیام کرتے۔ ایک دن نماز کے لیے مسجد کو آرہے تھے اور جماعت تیار تھی، تمام مقتدی صف درست کر کے کھڑے ہو گئے۔ میں حضرت خواجہ صاحب کے قریب ہی کھڑا تھا مجھے آپ کے دماغ سے کھولتی ہوئی دیگ کی آواز برابر سنائی دیتی رہی، امام قرأت کو لمبا کرتا گیا حتیٰ کہ خواجہ تونسوی کو غلبۂ عشقِ الٰہی کی وجہ سے کھڑے رہنے

کی طاقت نہ رہی اور آپ بیٹھ گئے۔

بعد ازاں، نماز کی فضیلت کا ذکر چھڑا۔ بندہ نے عرض کیا، ایک رند سے سُننے میں آیا ہے کہ یہ وضو اور ظاہری نماز کس کام کے ؛ جب تک نمازِ حقیقی یعنی وصالِ دوست حاصل نہ ہو۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔

حقیقی نماز حاصل کرنے کے زُعم میں بعض لوگ ظاہری نماز سے بھی محروم رہتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وضو کے بارے میں واضح ارشادِ ربانی ہے :-

یاایھاالذین آمنو اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا بروسکم وارجلکم الی الکعبین ٥

اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنا چہرہ، کہنیوں تک ہاتھ، اور ٹخنوں تک پاؤں دھولیا کرو، اور سَر کا مسح کرلیا کرو۔

اور نماز کے بارے میں بھی واضح حکم ہے کہ واقیموا الصلوٰۃ یعنی نماز قائم کرو۔ پس سالک جب شریعت کے مقررہ آداب و شرائط کے مطابق ظاہری نماز ادا کرتا ہے تو وہ بتدریج نمازِ معنوی کے درجے تک یقیناً پہنچ جائے گا۔ بقولِ جامیؒ ؎

متاب از عشق رو گرچہ مجازی است
کہ آں بہرِ حقیقت کارسازی است

ترجمہ :- عشق سے روگردانی مت کرو، خواہ یہ مجازی ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ عشقِ حقیقی تک پہنچنے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔

پھر آپ نے صراحت فرمائی کہ ۔ مجاز سے مراد اُمورِ شرعیہ ہیں۔ سالک جب احکامِ شریعت پر ثابت قدم ہوجاتا ہے تو قوی اُمید ہوتی ہے کہ وہ حقیقتِ حقہ کی ارفع منزل تک رسائی حاصل کرسکے گا۔

اسی موقع پر بندہ نے عرض کیا کہ ایک نقشبندی درویش نے مجھ سے نمازِ معکوس کی سند مانگی ہے۔ لیکن میں نے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ہمارے ایسوں کے لیے یہی سند کافی ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے حضرت گنج شکرؒ کو نمازِ معکوس کی اجازت دی، اور فرمایا اے فرید پنجگانہ نمازِ جماعت کے ساتھ ادا کر اور روزمرہ نمازِ معکوس میں ایک ختمِ قرآن کا کیا کر۔ شیخ کے فرمان کے مطابق گنج شکر نمازِ معکوس پڑھنے پر تُل گئے اور کوئی موزوں جگہ تلاش کر کے ایک آدمی کو اپنا ہمراز بنالیا اور اسے تاکید کی کہ رات کو جب لوگوں سے فراغت ملے تو ہمارے پاؤں سے مضبوط رسی باندھ کر ہمیں کنویں میں لٹکا دیا کرو اور صبح سویرے نکال لیا کرو۔ حضرت گنج شکر اس نماز میں ختمِ قرآن کرتے اور پنجگانہ نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔ اسی طرح چالیس دن آپ نمازِ معکوس پڑھتے رہے اور آج تک خواجگان میں یہ نماز اسی طرح مروّج ہے۔ البتہ اب کنویں کی بجائے چھت سے رسی لٹکائی جاتی ہے۔

پھر فرمایا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت گنج شکرؒ بارہ سال تک ایک دھاگے کے ساتھ کنویں میں لٹکے رہے، یہ قول غلط محض ہے۔ کتاب فوائد الفواد میں بھی لکھا ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے جو طریقے مجھے پہنچے میں نے تمام ادا کئے، حتیٰ کہ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ نمازِ معکوس بھی ادا کی ہے، لہٰذا میں نے بھی اپنے پاؤں سے رسی باندھ لی اور اپنے آپ کو کنویں میں لٹکا کر اسی طرح نماز ادا کی۔

بعد ازاں، قضائے نماز اور نوافل کا ذکر چھڑا۔ قادر بخش راجڑ نے عرض کیا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں جو شخص فرض نماز ادا نہیں کرتا اور نفلوں میں مشغول رہتا ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی عورت نو مہینے تک تو حمل کا بوجھ برداشت کئے رکھے لیکن وقتِ وضع کے قریب حمل ضائع ہو جائے یا اس کی مثال اس مقروض شخص کی مانند ہے جو اپنے قرض خواہ کے سامنے طرح طرح کے تحفے لائے مگر قرض ادا نہ کرے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ حضرت غوث الاعظمؒ کا فرمان درست ہے لیکن۔ اشراق، تہجد اور اوّابین کے نفل بھی پڑھنے چاہئیں اور

اس کے بعد حسبِ توفیق پنجگانہ نماز کی قضائیں بھی ادا کرنی چاہئیں۔

پھر فرمایا۔ نفلوں کی نماز اور درود شریف فرضوں کے نقصان میں ڈالے جائینگے۔

پھر فرمایا۔ جب ہم اپنی نمازوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کے قبول ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ قیامت کے دن اس قسم کی نمازیں پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر صاحبِ نماز کے منہ پر پٹک دی جائیں گی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس کے فضل کے سوا رہائی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

پھر فرمایا۔ ایک بزرگ مجذوب موضع ہموکہ میں مسجد کے پاس سے گزرا۔ اس نے نمازیوں کی طرف منہ کر کے کہا تمہاری یہی نمازیں قیامت کے دن تمہارے لیے مصیبت کا باعث ہوں گی۔

بعد ازاں فرمایا۔ ایک دن مولوی عبدالحکیم صاحب، شاہجہان بادشاہ کے ہمراہ میاں میر صاحبؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ آپ ویرانے میں رہتے ہیں اور اس طرح آپ نے جماعت ترک کر رکھی ہے۔ میاں میرؒ صاحب نے فرمایا، ہمارے درویش باغ میں درختوں کے نیچے بیٹھ کر ذکر و فکر میں مشغول رہتے ہیں۔ جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو ان میں سے کوئی ایک اذان دیتا ہے اور امامت کرتا ہے، دوسرے تمام احباب جماعت میں شریک ہوتے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر اپنی اپنی جگہ چلے جاتے ہیں۔ نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر لوگ نماز پڑھنے کا طریقہ بھی جانتے، ان کی اقتدا جائز نہیں، لہٰذا ہم اپنے ڈیرے پر ہی جماعت کراتے ہیں۔

پھر فرمایا۔ ہر چیز کا ایک جسم ہوتا ہے اور ایک رُوح۔ نماز کا بھی جسم و روح ہے۔ چنانچہ قیام، رکوع، سجود اور دوسرے فرائض، واجبات اور سنن وغیرہ مل کر نماز کا جسم تشکیل دیتی ہیں اور خشوع و خضوع گویا روحِ نماز ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں آپس میں مل جاتی ہیں تو پھر بقول صوفیائے کرام نماز مکمل ہے ورنہ اسی طرح ہے جیسے جسم میں روح نہ ہو لا صلوٰۃ الا بحضور القلب سے

بھی یہی مراد ہے۔

ضمناً کسی نے عرض کیا، اگر تہجد کی نماز قضا ہو جائے تو کیا کرنا چاہیئے؟ فرمایا۔ اگر زوال سے پہلے لوٹا دے تو وہی ثواب پائے گا۔ جو رات کو پڑھنے سے ملتا ہے۔

بعد ازاں، نمازِ جمعہ کا ذکر چھڑا، کسی شخص نے پوچھا گاؤں میں نمازِ جمعہ پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا۔ چھوٹے دیہات میں جمعہ کی فرضیت ائمہ کے اجتہاد سے ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اگر شعائرِ اسلام کے مطابق لوگ جمعہ پڑھیں تو اچھا ہے اور جمعہ کے بعد احتیاطاً چار رکعت فرضِ ظہر بھی پڑھنے چاہئیں۔

ضمناً بندہ نے عرض کیا کہ بعض علماء جمعہ کے وجوب کی شرطیں نہیں مانتے اور کہتے ہیں فقہا نے جمعے کی جو شرطیں مقرر کی ہیں، قرآن میں ان کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ قرآن نے تو غیر مشروط طور پر جمعہ فرض کیا ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ہم مقلدین کا عمل تو مجتہدوں کے اجتہاد کے مطابق ہے کیونکہ انہوں نے آیات و احادیث کو نہایت جانفشانی سے سمجھ اور جانچ پرکھ کر ان سے احکامِ اسلام ترتیب دیئے ہیں۔

مجلس ۱۰

زکات

منگل کے روز قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ حکیم غلام علی، سیّد اللہ بخش دوسرے احباب بھی مجلس میں حاضر تھے۔ زکات اور تارکِ زکات کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ کسی شخص نے عرض کیا ملک صاحب خان ٹوانہ بڑا مالدار تھا لیکن اس نے فسق و فجور میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور زکات ادا نہ کی۔ جب مرا تو اس کا تین لاکھ روپیہ نقد اور دوسری جاگیریں حکومتِ انگریز نے ضبط کر لیں۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے مال کی زکات نہ دی اور اسے بیجا خرچ کیا۔

بعد ازاں فرمایا۔ قارون کے پاس بیشمار خزانے تھے۔ تفسیرِ حسینی کے مطابق اس کے خزانوں کی کنجیاں ساٹھ اونٹ اٹھاتے تھے۔ ان میں سے کوئی کنجی بھی ایک انگلی سے زیادہ لمبی نہ ہوتی تھی، اور یہ تمام کنجیاں جانوروں کی کھالوں سے بنی تھیں۔ تا کہ کم وزن رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمانِ الٰہی کے مطابق قارون کو ہدایت کی کہ وہ ہزار دینار پر ایک دینار زکات دے۔ قارون نے حساب لگایا تو ایک بہت بڑی رقم بنتی تھی۔ بخل اور خسّت نے اس کی طبیعت پر اتنا غلبہ پا لیا تھا کہ اس نے زکات دینے سے صاف انکار کر دیا اور حضرت موسیٰؑ پر زنا کی تہمت لگا کر آپ کو رسوا کرنے کی کوشش کی۔ جب یہ قصہ پھیلتے پھیلتے بنی اسرائیل تک پہنچا تو حضرت موسیٰؑ نے اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر خدا کے حضور قارون کی شکایت کی۔ غیب سے خطاب آیا کہ ہم نے زمین کو تیرے تابع کر دیا ہے، جو جی چاہے اس کو حکم کرو، وہی ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ نے زمین کو حکم دیا کہ قارون کو پکڑ لے زمین

نے اسے ٹخنوں تک پکڑ لیا، وہ زور زور سے چلاّتا رہا اور امان طلب کرتا رہا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ چنانچہ زمین نے اسے ٹخنوں سے گھٹنوں تک، پھر کمر تک اور پھر گردن تک نگل لیا۔ اس کی گریہ وزاری سے حضرت موسیٰؑ کے دل پر کچھ اثر نہ کیا، حتیٰ کہ زمین نے اسے بالکل ہی نگل لیا۔

قارون کے غرقِ زمین ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے احمقوں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کردیں کہ موسیٰؑ نے قارون کو یہ بددعا اس لیے دی تھی تاکہ وہ اس کے خزانوں پر قبضہ کرلیں۔ حضرت موسےٰؑ نے جب یہ سُنا تو خدا سے التجا کی کہ قارون کے خزانے بھی ساتھ ہی غرق ہوں۔ پس ہر روز قارون ملعون اپنے قد کے برابر نیچے اُترتا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس کے خزانے بھی ڈُوبتے چلے جارہے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا۔ اتنے بیشمار خزانے جمع ہونے کا باعث سنگِ پارس تھا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ زکات کی تین قسمیں ہیں ۱۔ شریعت کی زکات یہ ہے کہ سونا چاندی اور دوسری اجناس جب حدِ نصاب کو پہنچ جائیں اور اس پر ایک سال بھی گزرجائے تو پھر ان میں سے ایک معینہ حصّہ مستحقوں میں بانٹا جائے ۲۔ طریقت کی زکات شریعت کی زکات کے برعکس ہے، یعنی مقررہ شرح زکات اپنے پاس رکھ لی جائے اور بقیہ مستحقوں کو دیدیا جائے ۳۔ زکاتِ حقیقت یہ ہے کہ تمام مال و دولت خدا کی راہ میں بے دریغ صرف کر دیا جائے۔

بعد ازاں، کچھ وقت تک قربانی کا موضوع زیرِ بحث رہا۔ آپ نے فرمایا۔ حنفی مذہب قربانی کرنا واجب ہے ہر غنی اور مقیم مسلمان پر۔

ضمناً کسی شخص نے پوچھا کہ قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرنا چاہیئے؟ فرمایا۔۔۔ قربانی کے تین درجے ہیں، ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کنبے کی کثرت کی وجہ سے گوشت تقسیم ہی نہ کیا جائے۔ اوسط درجہ یہ ہے کہ تیسرا حصّہ خدا کی راہ میں دیا جائے اور اتنی ہی مقدار رشتہ داروں اور دوستوں میں بانٹی جائے اور اتنی ہی مقدار اپنے مصرف میں لائے۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تمام کا تمام گوشت صدقہ کردے اور

خود نہ کھائے۔

بعدازاں فرمایا۔ اکثر مالدار لوگ خدا سے بھی فریب کرتے ہیں۔ جب ان کا مال واجب الزکات ہوجاتا ہے تو کسی اور شخص کی ملک میں دے دیتے ہیں۔ پھر زکات کا وقت قریب آنے پر اس سے واپس لے لیتے ہیں۔ تاکہ زکات نہ دینی پڑے۔ لیکن خواہ وہ ہزار مکروفریب کریں۔ خدا ان کے مال کا حساب نہیں چھوڑے گا۔

پھر فرمایا۔ خدا کے بندے دنیوی مال و دولت سے دل نہیں لگاتے۔

پھر شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کی حکایت سنائی کہ —— ایک دن انھیں ایک خادم نے خبر سنائی کہ ان کی دیناروں والی تھیلیاں گم ہوگئی ہیں۔ تھوڑا سا وقت آپ خاموش رہے اور پھر فرمایا۔ "الحمدللہ"۔ چند دنوں بعد تھیلیوں کی بازیابی کی خبر سُن کر اسی طرح خاموش ہوئے اور بعد میں کہا "الحمدللہ"۔ مریدوں نے کہا دونوں صورتوں میں الحمد پڑھنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ جب مال گم ہوا تھا تو میں نے اپنے دل کا جائزہ لیا کہ اسے کس قدر غم ہے؟ جب میں نے غم کے کوئی آثار نہ پائے تو الحمدللہ کہا۔ اور جب مال دستیاب ہوا تو میں نے پھر دل کو ٹٹولا کہ اسے کتنی خوشی ہوئی ہے؟ جب دیکھا کہ اس میں خوشی کا بھی گذر نہیں ہوا تو "الحمدللہ کہا۔

بعدازاں، فرمایا۔ بعض گناہگاروں کو دوزخ میں ڈالنے کے بعد جب اس کے کنارے کے نزدیک لائینگے تو وہ اُمید لگا بیٹھیں گے کہ شاید اب ہم خلاصی پانے والے ہیں لیکن وہ پھر اسی جگہ پھینک دیئے جائیں گے جہاں پہلے تھے اور جب تک وہ اپنے بُرے اعمال کی سزا کاٹ نہیں لیتے باہر نہیں آسکیں گے۔

بعدازاں، فرمایا۔ مکار لوگوں کو شیشے میں ڈال کر دوزخ میں جھونکا جائیگا۔ جب وہ دردناک عذاب سے لاچار ہوجائیں گے تو کہیں گے۔ اے خدا ہمیں اس عذاب سے محفوظ رکھ۔ خدا تعالیٰ حکم فرمائے گا کہ ایسے لوگوں کی سزا ایسی ہی ہونی چاہیئے۔

بعدازاں، فرمایا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ کا چالیسواں حصہ نہیں دے سکتے، اور ایسے لوگ انتہائی بدترین قسم کے بخیل ہیں۔

مجلس ۱۱

روزہ

جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی ۔ مولوی غلام محمد گجراتی، سیّد خیر شاہ پنڈوا اور دوسرے احباب بھی حاضر تھے ۔ تھوڑے وقت کے لیے روزے کا موضوع چھڑا ۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ روزے کی دو قسمیں ہیں، صوری اور معنوی ۔ صوری روزہ یہ ہے کہ صبح سے شام تک کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کی جائے ۔ معنوی روزہ یہ ہے کہ جب بھوک اور پیاس غلبہ کرلے تو سالک تھوڑی مقدار میں کھائے اور بھوک ابھی باقی ہو کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لے، اسی طرح پیاس کو مکمّل طور پر نہ بُجھائے ۔ نیز سالک کو یہ بھی چاہیئے کہ زبان اور دوسرے اعضاء و جوارح کو ممنوعات سے باز رکھے ۔ جو شخص روزہ رکھتا ہے اور غیبت و نکتہ چینی کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے، اہلِ طریقت کے نزدیک اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے ۔

مجلس ۱۲

حج اور بیت اللہ شریف

اتوار کو قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی نظام الدین سکنہ ادرحماں، مولوی غلام محمد گجراتی اور دوسرے یارانِ طریقت بھی حاضر تھے۔ حج کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ اسی اثنا میں چھچھ ہزارے کے ایک آدمی نے التماس کی کہ میں نے حج کا پکا ارادہ کر رکھا ہے، دُعا فرمائیں کہ خدا مجھے سلامتی سے لے جائے اور اس مقصد کے لیے وظیفہ بھی ارشاد فرمائیں۔ آپ نے اس کی استعداد کے مطابق وظیفہ بتایا اور فرمایا —— بہت سے مسکین لوگ حج کے سفر پر نکل پڑتے ہیں اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اہلِ خانہ اور رشتہ داروں سے جدائی، بھوک، گداگری اور پریشان دلی کے ساتھ ترکِ جماعت اور ترکِ وظائف کر کے حج پر جاتے ہیں، لیکن ان کی ریاکاری اُن کے حج کو ضائع کر دیتی ہے۔ ایسے مسکینوں کو چاہیئے کہ ایک گوشے میں بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مصروف رہیں، کیونکہ زندگی کا اصلی مقصد تو بس یہی ہے۔

مذکورہ شخص نے پھر عرض کیا کہ مجھے حد سے زیادہ حج کا شوق ہے۔ پس آپ نے اسے رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ —— جب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے سامنے جائے تو اس کمترین کی طرف سے عرض کرنا کہ شمس الدین نامی ایک درویش ملکِ ہندوستان سے، آپ کی خدمت میں، بصد عجز و انکسار سلامِ نیاز پیش کرتا ہے، اور آپؐ سے سعادتِ دارین اور آپؐ کے ظاہری و باطنی اتباع کی توفیق طلب کرتا ہے۔

پھر فرمایا —— سفر کی دو قسمیں ہیں، صوری اور معنوی۔ صوری سفر ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنا اور معنوی سفر یہ ہے کہ اوصافِ ذمیمہ کی طرف سے اوصاف

حمیدہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

بعدازاں، فرمایا —— سفر پر جانے سے پہلے مسافر کو تین چیزیں مدِنظر رکھنی چاہئیں۔ خشک روٹی کھانا، زمین پر سونا اور سوتے وقت جوتوں کو سر کے نیچے دبا رکھنا، اس کے بعد یہ پنجابی شعر پڑھا ؎

جے تو چلیوں مسافری تر۳ے گلّاں بنھ پلّے
رُکھّا کھاون، بھوئیں تے سوون، سرہانی رکھیں کھلّے

بعد ازاں، فخرالدین زرادی کے حج کا ذکر شروع ہوا۔ خواجہ شمس العارفینؒ نے فرمایا۔ کہ وہ خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے۔ آپ حج کے لیے مکہ شریف پہنچے اور مناسک کی ادائیگی کے بعد مدینہ شریف حاضر ہوئے۔ کچھ مدّت تک وہاں قیام رکھنے کے بعد جب آپ واپس ہندوستان میں اپنے پیر و مرشد خواجہ نصیرالدّین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب نے فرمایا۔ الحمدللہ آپ حاجیٔ حرمین ہو گئے لیکن بہتر یہ ہے کہ دوبارہ اس جگہ سے محض روضۂ رسولؐ کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ جائیں۔ فخرالدین صاحب یہ فرمان سُنتے ہی مدینہ شریف روانہ ہوئے۔ دورانِ سفر ایک دن جہاز کو طوفان نے آلیا اور غرقابی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ لوگ حضرت فخرالدین کے پاس آئے اور پوچھا شریعت کے فتوے کے مطابق صدقے کے طور پر کتنا مال جہاز سے پھینک دیا جائے تاکہ لوگوں کی جانیں محفوظ رہیں۔ انھوں نے فرمایا۔ میں نے مسلمانوں کا مال تلف کرنے کے لیے علم نہیں پڑھا، اسی اثناء میں جہاز غرق ہو گیا۔

ضمناً، حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ کہ مخدوم جہانیاں مناسک حج سے فارغ ہو کر مدینہ شریف گئے۔ جب آپ روضۂ مقدس کی زیارت کر رہے تھے تو مجاوروں نے ان سے نام، پتہ اور قومیت دریافت کی۔ آپ نے فرمایا، میرا نام جلال الدین اور قوم سیّد ہے۔ مجاوروں نے متعجب ہو کر کہا جھوٹ ہے۔ کیونکہ سیّد خوبصورت ہوتے ہیں اور تم کالے رنگ کے ہو۔ آپ

نے فرمایا میں جھوٹ نہیں کہتا۔ انھوں نے کہا اگر تم سید ہو تو روضۂ رسولؐ کے سامنے کھڑے ہو کر پکارو، اگر روضہ شریف سے ندا آئی تو تمہارا قول تسلیم کر لیا جائے گا۔ مخدوم جہانیاں نے ان کے کہنے کے مطابق حق تعالےٰ کے حضور متوجہ ہو کر آنحضرتؐ کے روضۂ اقدس کے سامنے بڑے عجز و نیاز سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہا۔ اسی وقت اندر سے آواز آئی لبیك یا ابنی۔ آنحضرتؐ کی آواز سنتے ہی تمام مجاور آپ کے مرید ہو گئے۔ کئی سال بعد آپ پھر مدینہ شریف حاضر ہوئے تو مجاوروں نے پھر آپ کو گھیر لیا اور عرض کیا۔ آپ مہربانی فرما کر حسب سابق ہمیں ایک بار پھر آنحضرتؐ کی آوازِ دلنواز سنوائیں۔ آپ نے فرمایا میں اس لائق نہیں کہ آنحضرتؐ کے روضۂ اقدس کے سامنے کچھ عرض کروں۔ لیکن بالآخر ان کے پیہم اصرار کی بنا پر آپ روضہ شریف کے سامنے کھڑے ہوئے اور مذکورہ طریقے کے مطابق اظہارِ نیاز کیا۔ ندا آئی لبیك یا ابنی۔ مخدومِ جہانیاں نے باطنی فیض کے لیے بھی التجا کی۔ فرمان ہوا کہ ہندوستان میں ان علامتوں والا ایک آدمی ہے جس کا نام نصیر الدین ہے، اس کے پاس جاؤ۔ یہ فرمان سن کر وہ ہندوستان روانہ ہوئے اور چند دن حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی خدمت میں رہ کر فیضِ باطنی سے سرفراز ہوئے۔

بعد ازاں، بیت اللہ شریف کی تعظیم کا ذکر چھڑا۔ سید اللہ بخش حاجی پوری نے عرض کیا کہ میں نے سلطان باہو کی کتاب میں دیکھا ہے کہ عام لوگوں کو حرم بیت اللہ میں پاؤں نہیں رکھنا چاہیئے، کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ کس پتھر اور کس جگہ پر آنحضرتؐ کا قدم مبارک آیا ہے، تاکہ بے خبری کی وجہ سے وہ رسولِ خداؐ کے قدم پر اپنا پاؤں نہ رکھ بیٹھیں اور اس طرح ترکِ ادب کے مرتکب نہ ہوں۔ لیکن عارفِ کامل جانتا ہے کہ اس جگہ پر آنحضرتؐ کا قدم مبارک آیا ہے، اس لیے وہ احتیاط کرتا ہے اور اس جگہ پر اپنا پاؤں نہیں رکھتا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اس طرح بے ادبی نہیں ہوتی، بلکہ اگر ایسا کرنے میں حصولِ برکت کی نیت ہو تو یہ عینِ ثواب ہے۔ مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ اگر

اس طرح بے ادبی ہوتی ہے تو تمام حاجی جو طوافِ کعبہ کرتے ہیں بے ادبوں کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں رسولِ خدا کا قدم مبارک نہ آیا ہو۔

بعد ازاں، فرمایا۔ کتاب فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک مردِ کامل کعبے کا طواف کر رہا تھا، ایک اور شخص اس کے قدموں پر قدم رکھتا جاتا تھا۔ مردِ کامل نے مُڑ کر کہا تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا حصولِ برکت اور آپ کی پیروی کے لیے۔ مردِ کامل نے فرمایا میں ہر قدم پر قرآن کا ایک ختم کرتا ہوں، تم بھی ایسا ہی کرو تاکہ تمہیں کامل پیروی حاصل ہو۔

پھر فرمایا۔ شاید اس بزرگ کو طے لسانی کا مرتبہ حاصل ہو گا۔

بعد ازاں مجھے فرمایا۔ تم ابرہہ کا قصہ جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا آپ ہی بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ تفسیرِ حسینی میں لکھا ہے کہ ابرہہ، نجاشی والئ یمن کے قبیلے سے تھا۔ حج کے دنوں اسے معلوم ہوا کہ لوگ اطراف و جوانب سے مکے کی طرف بیت اللہ کی زیارت کی غرض سے آتے ہیں۔ اس کے دل میں زبردست حسد پیدا ہوا اس نے کہا۔ میں اس کوٹھڑے کے مقابلے میں ایک عالیشان مکان تعمیر کروں گا اور تمام حاجیوں کو اس کی طرف موڑ دوں گا۔ پس اس نے ایک مکان تعمیر کیا اور اس کے در و دیوار کو زر و جواہر سے مرصّع کیا اور اہلِ یمن کو اس کے طواف کے لیے پابند کیا۔ امراءِ قریش اگرچہ اس سکیم کے خلاف تھے۔ لیکن اس وقت وہ صبر کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ بنی کنانہ میں سے ایک شخص اس کا مجاور مقرر ہوا۔ ایک رات اس نے اس مصنوعی کعبے کو پاخانے سے آلودہ کر ڈالا اور خود فرار ہو گیا۔ جب یہ خبر چاروں طرف پھیلی تو لوگوں نے اس کے طواف سے انکار کر دیا۔ ابرہہ یہ حال دیکھ کر غصّے سے بھڑک اٹھا۔ اس نے ایک لشکرِ جرّار جمع کیا اور بڑے بڑے شاہزور ہاتھیوں کے ساتھ، حرمِ کعبہ کو تہس نہس کر کے رکھ دینے کا عزم لے کر، مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مکہ پہنچ کر اس نے اہلِ مکہ پر اپنی شاہی سطوت و تمکنت کا رعب ڈالنا چاہا اور سب سے بڑا ہاتھی اپنے ساتھ لے کر شہر کے حدود میں گھس آیا اور قریش کے مویشیوں اور

حضرت عبدالمطلب کے اونٹوں کو تباہ کر ڈالا۔ اکابرِ مکہ پہاڑی گھاٹیوں میں جا چھپے مگر حضرت عبدالمطلب اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ ابرہہ نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ حضرت عبدالمطلب کی تعظیم کے لیے ہرگز آگے نہ بڑھیں۔ جب حضرت عبدالمطلب ان بدتمیزوں کی طرف تشریف لے گئے اور ان کے چہرے پر نورِ محمدی نے اپنی جھلک دکھائی تو ابرہہ اور اس کے تمام لشکری بے اختیار تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا ہمارے اونٹ واپس کر دو۔ ابرہہ نے کہا ہم تو کعبہ کو ڈھانے آئے ہیں اور تمھیں اونٹوں کی پڑی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا کعبے کے ساتھ ہمارا کیا سروکار؟ تم جانو اور کعبے کا مالک جانے۔ اس کے بعد ابرہہ نے زبردست جنگی جوش و خروش کے ساتھ لشکریوں کو مستعد کیا اور حرم شریف پر ہلّہ بولنے کے لیے ہاتھیوں کو اُبھارا۔ اس کا سب سے بڑا ہاتھی حرم کی دیوار سے اپنا منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوا۔ فیل بانوں نے انتہائی کوشش کی لیکن اس کا منہ نہ موڑ سکے۔ دوسرے ہاتھی بھی اپنے لیڈر ہاتھی کے بھاگ کھڑے ہونے کی وجہ سے ایک قدم تک آگے نہ بڑھے اور بیت اللہ شریف کی تعظیم و تکریم کی خاطر خود بخود پسپا ہو گئے۔ ابرہہ بے بس ہو گیا۔ قریش کی جماعت پہاڑ کی چوٹی سے انتظار کی نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ دیکھیں حملہ آور پر کیا گزرتی ہے؟ اتنے میں قہرِ الٰہی نازل ہوا اور اچانک ساحل سے ابابیلوں کی ایک ٹولی تیز اُڑتی ہوئی آئی۔ انھوں نے مل کر ابرہہ کے لشکر پر سنگباری کی اور آن کی آن میں دشمن کا تمام لشکر ہلاک کر کے رکھ دیا۔ کیفیت یہ تھی کہ ہر ننّھا ابابیل تین سنگریزے اٹھائے ہوئے تھا۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ جب یہ سنگریزہ ابابیل سے چھوٹ کر کافر کو آلگتا تو اس میں اتنی قوّت ہوتی تھی کہ کافر کے جسم کو چھید کر آرپار نکل جاتا تھا۔ ہر پتھر پر ایک کافر کا نام لکھا ہوتا تھا۔ ابرہہ اکیلا بھاگ کر نجاشی کے پاس گیا اور وہ پرندہ جس کے پاس ابرہہ کو ہلاک کرنے والا پتھر تھا، نجاشی کے دربار کے اوپر چکّر کاٹتا رہا۔ جب ابرہہ نے اپنی تمام سرگزشت نجاشی کو بیان کی اور نجاشی انتہائی تعجب کے ساتھ پوچھ رہا تھا کہ پرندوں نے مل کر کس طرح اتنے بڑے لشکرِ جرّار کو ہلاک کر ڈالا، عین اس وقت ابرہہ نے اپنے سر پر اُڑتے ہوئے پرندے کو دیکھ لیا اور کہا اُن میں سے ایک پرندہ تو یہ ہے۔

بس یہ کہنا تھا کہ اُسی وقت ابابیل نے اپنی چونچ سے ابرہہ کے نام کا پتھر اس کے سر پر دے مارا اور وہ نجاشی کے سامنے برسرِ دربار عام موقعہ پر ہی ہلاک ہو گیا۔

بعد ازاں، آپ نے سورۃ فیل اور اس کا ترجمہ پڑھ کر سُنایا۔

ضمناً بندہ نے عرض کیا، بیت اللہ شریف کی عمارت کو کس نے مرمّت کیا تھا؛ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ یہ کام حجاج بن یوسف نے کیا جو ظلم میں مشہور ہے۔ وہ سید قوم کے سخت خلاف تھا اور اس نے ہزار ہا سادات کو ناحق قتل کیا، لیکن اس نے دو کام اچھے بھی کئے، ایک تو تعمیرِ بیت اللہ کو مکمل کیا اور دوسرے قرآنِ پاک کے اعراب، علامات، وقوف، پاروں کی تقسیم، ربع، نصف، ثلث اور رکوع وغیرہ کی نشان بندی اسی کی سعئ جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن حجاج پہلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا، اس کے پیچھے سعید بن جُبیرؒ، جو تابعین میں سے تھے، نماز پڑھ رہے تھے۔ حجاج کی آستینیں دراز اور زرنگار تھیں۔ جب حضرت سعیدؒ کی نظر اس پر پڑی تو فرمایا، اے حجاج تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ظلم کے کاموں میں ہر وقت لگا رہتا ہے لیکن جب خدا کا معاملہ سامنے ہو تو اس وقت تو سُست پڑ جاتا ہے۔ اس بات سے حجاج نہایت غضبناک ہوا اور اس نے کہا تیری سزا تو یہ ہے کہ تیری زبان کاٹ لوں۔ آپ نے فرمایا، تو پھر کیا؛ کیونکہ عبادت کا دارومدار دل پر ہے، اگر زبان نہ بھی ہوئی تو کیا حرج؟ حجاج نے کہا میں تمہیں قید کر دوں گا۔ حضرت سعیدؒ نے کہا اس میں بھی کچھ تعجّب نہیں، چند گھڑیاں ہیں گزر جائیں گی۔ حجاج نے کہا تیرا خیال ہے کہ تو چند گھڑیوں کے بعد قید سے چھوٹ جائے گا؛ حضرت سعید نے کہا، اے نادان تو یہ نہیں جانتا کہ دنیا ایک گھڑی کے برابر ہے، جو بہر طور گزر رہی جاتی ہے آخر کار حجاج نے انہیں شہید کرا دیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک شخص نے خواب میں حجاج کو دیکھا، اس کا جسم پھُولا ہوا تھا اور حالت بہت خستہ و خراب تھی۔ اس نے پوچھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ حجاج نے کہا ہر قتلِ ناحق کے بدلے مجھے ایک ایک بار قتل کیا گیا مگر سعیدؒ

کے خون کے بدلے سترّ بار۔ پھر اس شخص نے پوچھا تیرے ایمان کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا خدا نے ایمان دے دیا ہے۔

بعد ازاں، مولوی غلام محمد گجراتی نے عرض کیا، جب حجاج کو ناحق خونوں کی سزا قبر میں دے دی گئی تو قیامت کے دن وہ پھر پکڑا جائے گا یا نہیں؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا یہ خاصہ ہے کہ انھیں قبر میں عذاب دیتے ہیں اور قیامت کے دن وہ پرچمِ شفاعت کے سائے میں محفوظ رہیں گے۔

اس کے بعد، ریاکار حاجیوں کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ بعض حاجی جب حج کی نیت سے اپنے گھر سے باہر پاؤں رکھتے ہیں تو اسی وقت سے اپنے آپ کو حاجی کے نام سے مشہور کرتے ہیں اور گویا حج کرنے سے پہلے ہی اس کا ثواب ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

پھر فرمایا۔ ایک بزرگ کسی حاجی کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ حاجی نے اپنی بیوی سے کہا اس خوان میں کھانا لانا، جسے سفرِ حج کے دوران میں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ بزرگ موصوف نے جب یہ بات سُنی تو فرمایا، افسوس ہے اے نادان کہ تُو نے اتنی محنت اور مصیبت سے حج کیا اور تمام ثواب اس ریاکاری کی وجہ سے ضائع کر دیا۔

پھر فرمایا۔ متکبّر اور ریاکار کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

بعد ازاں، حاجی عبداللہ خان داراپوری کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا۔ وظائف بھی پڑھتے ہو؟ اس نے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا تھا، پڑھتا ہوں، لیکن قرآن کی منزل چھُوٹ جاتی ہے۔ فرمایا۔ خشک حاجی نہ بنو، قرآنِ پاک کی منزل بھی پڑھا کرو کیونکہ تم اشغال و اذکار کے بغیر محض حج کی بدولت منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکو گے۔

بعد ازاں، حجِ اکبر کا ذکر شروع ہوا۔ بندہ نے عرض کیا۔ "دل بدست آور کہ حجِ اکبر است" کے کیا معنی ہیں؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ "دل بدست آوردن" کے معنی یہ ہیں کہ انسان خیالِ ماسواء اللہ کو دل سے دُور کر دے۔ اور ہر وقت ذکر و فکر کے ذریعے اپنے دل کو متوجہ الی اللہ رکھے۔

بعد ازاں، اسی حقیقت کی صراحت کرتے ہوئے آپ نے حضرت بایزید بسطامی کا ذکر سُنایا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت بایزید سے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں۔ فرمایا حج کرنے کو۔ اس نے پوچھا کچھ زادِ راہ بھی پاس ہے؟ فرمایا، ہاں دو سو درہم رکھتا ہوں۔ اس نے کہا مجھے دے دیں میں کنبہ دار ہوں اور طوافِ حرم کی بجائے آپ میرے ارد گرد ہی سات چکر کاٹ لیں، آپ کا حج یہی ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی طرح کیا اور سفر ترک کر دیا۔ پس اے درویش جان لے کہ عوام کا قبلہ آب و گِل اور خواص کا قبلہ جان و دل ہے :۔

قبلۂ صورت پرستاں آب و گِل
قبلۂ معنی شناساں جان و دل

قبلۂ عاشق زوالِ بے زوال
قبلۂ عارف جمالِ ذوالجلال

مجلس ۱۳

فضائلِ تلاوتِ قرآن

بدھ کی رات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ صاحب زادہ شجاع الدین، مہر محمد بخش، حافظ امیر اور دوسرے احباب بھی شریکِ مجلس تھے۔ تلاوتِ قرآن کا موضوع شروع ہوا۔ عمرالدین درویش نے عرض کیا کہ میں نے قرآن شریف پڑھنے کی بے انتہا کوشش کی ہے، لیکن آپ کی توجہ کے بغیر مجھے یہ سعادت حاصل ہوتی نظر نہیں آتی۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ تمھیں قرآنِ پاک کے پڑھنے میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔ قرآنِ پاک بہت بڑی دولت ہے جس کا تمھیں اندازہ نہیں۔ اس کے لانے والے جبریل علیہ السلام ہیں اور اس کا نزول سرورِ کائنات علیہ السلام پر ہوا۔ اُن لوگوں پر ہزار افسوس ہے جو اتنی عظیم نعمت کو درخورِ اعتنا نہ سمجھیں اور سعادتِ دارین سے محروم رہیں۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

مائدہ تازہ بیروں آمدہ
چاشنی گیر کہ چوں آمدہ

ترجمہ:۔ کھانا تازہ پک کر ابھی ابھی چولہے سے اُترا ہے، اس میں سے تھوڑا سا چکھ کے دیکھ تو سہی کہ ذائقہ کیسا ہے؟

عمرالدین درویش نے پھر عرض کیا کہ ترقیٔ فہم کے لیے کوئی وظیفہ ارشاد فرمائیں، فرمایا۔ روزانہ صبح کی نماز کے بعد یا علیم علمنی پڑھ لیا کرو۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک علمِ قرأت کا پڑھنا ضروری نہیں، بخلاف امامِ شافعیؒ کے کہ جن کے نزدیک علمِ قرأت پڑھنا ضروری ہے۔ ضمناً فرمایا۔ چونکہ اکثر شافعی قرآن قواعدِ قرأت کے مطابق نہیں پڑھ سکتے، اس لیے وہ میرے سے

قرآن پڑھتے ہی نہیں۔

پھر فرمایا۔ اگر طالبِ صادق سوا پارہ بھی روزانہ حضورِ دل سے پڑھے اور اس کے معنی سمجھے تو وہ تارکِ منزل سے بدرجہا بہتر ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اکثر لوگ قرآن پڑھتے ہیں لیکن قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں مذکور ہے :۔

رُبَّ تالٍ لِلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهٗ — کتنے ہی قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں جن پر قرآن لعنت بھیجتا ہے۔

پھر فرمایا۔ تلاوتِ قرآن کا کامل ثواب معنی سمجھنے پر ہی موقوف ہے، خواہ قرأت کے قواعد وضوابط نہ بھی آتے ہوں۔ جب خدا کے بندے عشق کی منزل میں کمال کو پہنچ جاتے ہیں تو ہر چیز میں اپنے محبوب کی صورت گری دیکھ کر لطف اُٹھاتے ہیں۔ بقولِ سعدی ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار — ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

ترجمہ :۔ معرفت شناس کے آگے تو درختوں کا ہر ہر سبز پتہ اپنے اندر، عرفانِ الٰہیہ کے غوامض و دقائق اور اسرار و نکاتِ ذات وصفات کے ورق در ورق اور باب در باب ایک لامتناہی سلسلۂ دفتر کی تمام گیرائیوں اور پہنائیوں کو چند باریک خطوطِ آب و رنگ کے مرقع نگاریں میں سمو کر، بے دریغ دعوتِ نظارہ کے لیے صلائے عام دے رہا ہے

پھر فرمایا۔ اگرچہ اہلِ فن کے نزدیک موسیقی، بغیر قواعد اور آواز کے نہایت ناگوار ہے، مگر اصفیا تو ان فنی پابندیوں کا خیال رکھے بغیر بھی موسیقی سے اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔

بعد ازاں، سیّد خدا بخش نے عرض کیا، میرے گھر چوری کا قرآن ہے، اس پر منزل پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا۔ جائز ہے، لیکن اس کی قیمت تمہارے ذمے واجب الادا ہے۔

بعد ازاں، اسماعیل سکنہ للہ نے عرض کیا ہمارے گاؤں میں ایک قاری رہتا ہے

وہ میرے ساتھ بلا وجہ اُلجھتا رہتا ہے اور مجھ پر جھوٹے مقدمے بناتا رہتا ہے۔ اس کی شرارتوں نے مجھے بے بس کر دیا ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ وہ قاری نہیں بلکہ قہری ہے کیونکہ ایسے کام جاہل لوگ کرتے ہیں۔

مجلس ۱۴

فضائلِ ذکرِ الٰہی

جمعہ کے دن قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی معظم الدین صاحب مرولوی، مولوی غلام محمد گجراتی اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریکِ مجلس تھے۔ ذکرِ باری تعالےٰ کی فضیلت پر گفتگو شروع ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے فرمودہ وظائف باقاعدگی سے پڑھتا ہوں لیکن خواہش ہے کہ آپ سب سے اچھا شغل اور سب سے عمدہ عمل ارشاد فرمائیں۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ ذکرِ جہر اور ذکرِ قلبی کو باقاعدگی سے جاری رکھنا چاہیئے کیونکہ اسی میں سعادتِ دارین مضمر ہے۔

بعدازاں بندہ نے عرض کیا ذکرِ جہر کا وظیفہ دماغی ضعف کی وجہ سے کماحقہٗ ادا نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ باقاعدہ طور پر دل کی انتہائی یکسوئی کے ساتھ پاسِ انفاس کا ذکر جاری رکھنا چاہیئے کہ تمام عبادتوں پر فضیلت رکھتا ہے، جیساکہ حدیث شریف میں مذکور ہے:

افضل العبادۃ عن کل عبادۃ ذکراللہ فی قلبہٖ خلاً وملاً لیلاً ونہاراً فی السفر والحضر قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم سر و علانیۃ وعلیٰ کل حالۃ من احبّ شیئاً۔

عبادتوں میں سب سے افضل عبادت دل سے اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ اہلِ محبّت خلوت وجلوت میں، سفر وحضر میں، قیام کی حالت میں، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے، خفیہ طور پر، علانیہ طور پر، غرض ہر حالت اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

پاسِ انفاس کی فضیلت کے بارے میں مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے ؎

اگر تو پاس داری پاسِ انفاس
بسلطانے رسانندت ازیں پاس

ترجمہ :۔ اگر تو پاسِ انفاس کا وظیفہ باقاعدگی سے جاری رکھے تو یقیناً ایک دن اسی شغل کی بدولت سلطانِ ازل کے حریم عشق میں تجھے رسائی حاصل ہو جائے گی۔

پھر فرمایا۔ ذکرِ پاسِ انفاس تمام وظائف کی بنیاد ہے۔ سالک کو اس میں فراواں کوشش کرنی چاہیئے۔

پھر فرمایا۔ خواجہ محمود مہاروی نے فرمایا کہ سالک کو ہمیشہ ذکر پر ثابت قدم رہنا چاہیئے تاکہ اس کے دل میں ذکر کے اثرات گہرا نفوذ پیدا کرلیں۔ اس کے بعد آپ نے ذکرِ دوامی کی مثال بیان کی جیسا کہ کورے پیالے میں تھوڑا سا گھی ملیں تو وہ اس میں جذب ہو جاتا ہے دو تین بار اسی طرح کیا جائے تو گھی بالآخر پیالے کی بیرونی سطح سے نکل آئے گا، اسی طرح ذکر بھی ذاکر کے دل میں اندر باہر سرایت کر جاتا ہے۔ نیز فرمایا۔ دل کی صفائی اور فکر کی روشنائی کے لیے ذکر ناگزیر ہے۔ پھر مثنوی رومی کے چند اشعار پڑھے۔ پھر فرمایا۔ اکثر لوگ جذبے کی افسردگی کی وجہ سے اذکار و اشغال سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ بے شک اگرچہ ہر کام کا اصل دار و مدار جذبے پر ہی ہے لیکن پھر بھی اوامر و نواہی سے منہ نہیں موڑنا چاہیئے۔

پھر فرمایا۔ ایک فرشتہ اور ایک شیطان برائی کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے :۔

انما یامرکم بالسوء والفحشاء — وہ تمہیں بُرے کام کا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

بعد ازاں فرمایا۔ جب سالک ذکرِ الٰہی میں انہماک پیدا کر لیتا ہے تو اس کا شیطان کمزور ہو کر باہر نکل آتا ہے۔ ذکر جتنا بڑھتا جائے گا۔ شیطان کا زور اتنا ہی ٹوٹتا جائے گا۔ بقول رومی ؎

ذکرِ حق پاک است، چوں پاکی رسید
رخت بر بندد بروں آید پلید

ترجمہ :۔ ذکرِ حق پاک و مطہر ہے، کثرتِ ذکر کی وجہ سے جب سالک کا باطن پاکیزہ اور نورانی ہونے لگتا ہے تو شیطان مایوس ہو کر، اندرون سے ہجرت کے لیے، اپنا سامان

سمیٹ کر گٹھڑ باندھنے لگ جاتا ہے۔

بعد ازاں، کسی شخص نے عرض کیا کہ آپ کی تلقین کے مطابق میں ذکرِ جہر کرتا ہوں، لیکن ایک آدمی مجھ سے کہتا ہے کہ اللہ کے سامنے ذکرِ جہر اور ذکرِ خفی یکساں ہے، کیونکہ (نعوذ باللہ) وہ بہرا تو نہیں۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اگرچہ اس کی بات سچ ہے، لیکن دراصل ہمارا نفس بہرا ہے اور جہر کے بغیر اس پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ کامل قلبی یکجہتی کے ساتھ ذکرِ پاسِ انفاس پر باقاعدگی سے کاربند رہے یہاں تک کہ اس کا قلب جاری ہو جائے۔ ضمناً آپ نے دو شعر بھی پڑھے ؎

تو بہر حالے کہ باشی روز و شب　　　یک نفس غافل مباش از ذکرِ رب
در خوشی ذکر تو شکرِ نعمت است　　　در بلا ہا التجا با حضرت است

پھر فرمایا۔ کامل ذاکر حافظِ قرآن کی مانند ہے، چنانچہ کامل حافظ جس کام میں بھی لگا ہو تلاوت بھی ساتھ ساتھ کر سکتا ہے۔ کامل ذاکر کے لیے بھی دنیوی مشاغل ذکر سے مانع نہیں ہوتے، اور اس کا ذکر ہر حالت میں جاری رہتا ہے۔

بعد ازاں، کسی شخص نے دریافت کیا کہ درود کبریتِ احمر کی زکات کا کیا طریقہ ہے؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ۔ ذکر میں کوشش کرنی چاہیئے۔ اس نے پھر عرض کیا کہ میں روزمرہ مصروفیات کی وجہ سے ذکر کا شغل جاری نہیں رکھ سکتا، اگر آپ درود شریف کی اجازت فرما دیں تو عین نوازش ہوگی۔ فرمایا۔ طالبِ صادق کو پہلے ذکرِ جہر اور ذکرِ خفی میں مشغول ہونا چاہیئے، کیونکہ دراصل ذکرِ جہر ہی عبادت کی بنیاد ہے اور دوسرے اوراد اس کی پشت پناہی کرتے ہیں۔

بعد ازاں، حافظ محمد حسن کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ جب ذکرِ جہر کا ارادہ کرے تو پہلے، عالمِ تصوّر میں، اپنے پیر کی صورت اپنے سامنے متمثل کرے اور ماسوا اللہ کی نفی کرے، پھر خدا تعالےٰ کے اسمائے صفاتی میں سے ایک ایک صفت کا اپنے دل میں تصوّر باندھے، یعنی یہ سمجھے کہ میرا سُننا اسمِ سمیع کے پرتو سے ہے،

میرا دیکھنا اسمِ بصیر کا پرتو ہے، میرا جاننا اسمِ علیم، میری زندگی اس کے اسمِ حی، میری طاقت اس کے اسمِ قدیر، میرا ارادہ اس کے اسمِ مرید اور میرا بولنا اس کے اسمِ متکلّم کا پرتو ہے۔ اور اگر اس دوران میں مختلف صورتیں خیال میں آئیں تو سمجھے کہ یہ سب کچھ اُسی کی ذات کا پرتو ہے۔ اس کے علاوہ، اگر ذاکر کے دل پر خطرات غالب آجائیں تو اپنے شیخ کی صورت کو اپنے سامنے حاضر و ناظر سمجھے تاکہ اس کی برکت سے اسے رہائی حاصل ہو

اس کے بعد، ایک حافظِ قرآن نے عرض کیا، کہ میں نے قرآن کے تقریباً سات سو ختم کئے ہیں لیکن دل کی سیاہی ابھی تک باقی ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ دل کی پالش ذکر کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

لکل شئ صقالۃ و صقالۃ القلب ذکر اللہ — ہر چیز کا صیقل ہوتا ہے اور دل کا صیقل اللہ کا ذکر ہے۔

بعد ازاں فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ کسی وقت بھی اوراد و اذکار سے فارغ نہ ہو، کیونکہ ترکِ اشغال محرومی کی علامت ہے۔ ہمارے تمام مشائخ ابتداء سے انتہا تک قرآن مجید درود شریف، پاسِ انفاس، جہر، قلبی یکسوئی یعنی مراقبہ، مطالعۂ تفسیر و حدیث و سلوک و توحید جیسے اذکار و اشغال میں برابر لگے رہتے تھے۔

پھر فرمایا۔ خواجگان کے تمام وظائف ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں لیکن پاسِ انفاس تمام اشغال پر فوقیت رکھتا ہے۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی مہر میں لکھا تھا "ذکرِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ"۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں کبریتِ احمر کی دوسری زکوٰۃ ادا کروں۔ فرمایا۔ جو زکوات تم نے پہلے دی ہے وہی کافی ہے، دوسری دفعہ پھر کیوں تکلیف اٹھاتے ہو؟ لیکن ذکرِ پاسِ انفاس باقاعدگی سے کرنا چاہیئے، کیونکہ اصل چیز یہی ہے۔

بعد ازاں، آپ کے درویشوں سیّد نتھے شاہ اور سیّد احمد کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ جب سیّد نتھے شاہ نے یہاں آکر بیعت کی تو میں نے اسے ذکرِ پاسِ انفاس کی تلقین کی۔ اس راسخ الاعتقاد نے شب و روز کی محنت سے ذکرِ پاسِ انفاس میں اتنا

انہماک پیدا کرلیا کہ بالآخر اس کا دماغ خالی ہوگیا اور وہ بیمار پڑ گیا۔ میں نے اسے کہا کہ چند دنوں کے لیے ذکر چھوڑ دو، لیکن چونکہ یہ ذکر اس کی جان میں سرایت کر چکا تھا، اس لیے وہ اس سے باز بھی نہیں رہ سکتا تھا، چنانچہ وہ اسی عارضے سے فوت ہوا۔

پھر فرمایا۔ اسی طرح سیّد احمد درویش ابتدا میں دن رات ذکرِ جہر میں مشغول رہتا تھا، اس کے بعد ذکرِ حبس میں مشغول ہوا حتیٰ کہ کثرتِ ذکر سے اس کے دماغ سے خون جاری ہوگیا، ہم نے بڑا یونانی اور ڈاکٹری علاج کرایا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا اور وہ بھی فوت ہوگیا۔

بعد ازاں، ان درویشوں کے بارے میں فرمایا کہ کیسی اچھی قسمت تھی ان لوگوں کی جو یادِ حق تعالےٰ میں شہید ہوئے، پھر یہ شعر پڑھا ؎

جس نے نہ دیکھی ہو شفق صبحِ بہار کی
آکر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ

بعد ازاں، ایک حکایت بیان کی کہ ایک صادق الاعتقاد آدمی نے آکر حضرت محمّد باران صاحبؒ سے بیعت کی۔ آپ نے اسے حبس کا وظیفہ فرمایا۔ وہ آدمی بلند ہمّت اور سخت کوش تھا، اس نے دن رات ذکرِ حبس میں گزارنے شروع کئے، حتیٰ کہ اسی ذکر کی کثرت سے اس کے دماغ سے خون جاری ہوگیا اور کسی علاج سے بند نہ ہوا، آخر اسی عارضے سے فوت ہوا۔ جب یہ خبر حضرت خواجہ تونسوی کی خدمت میں پہنچی تو آپ نے محمد باراں صاحب کو ہدایت کی کہ آیندہ اپنے مریدوں کو اس قسم کا مجاہدہ نہ بتائیں کیونکہ اس زمانے کے لوگ کم ہمّت ہیں اور مقصود تو خدا کی یاد ہے خواہ وہ جس صورت میں کرسکیں کریں۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا آج رات خواب کے اندر، میں ہاتھی پر سوار ہوا اور پھر اُسے دوڑایا۔ اس کی تعبیر ارشاد فرمائیں۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ مبارک ہو یہ خوش بختی کی علامت ہے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ میں نے آنجناب کو بھی خواب میں دیکھا اور آپ کی زبانِ مبارک سے سُنا کہ خواجہ تونسوی نے ہمیں دو چیزوں کی زبردست تاکید فرمائی ہے، جن میں سے ایک تو ذکرِ حق تعالےٰ ہے اور دوسری چیز مجھے یاد نہیں رہی۔ فرمایا شاید وہ دوسری چیز یہ ہو کہ درویشوں اور مہمانوں کے لیے ہر وقت لنگر جاری رکھا جائے۔ میں نے عرض کیا، بالکل ٹھیک

ہے جناب عالی! مجھے بھی اب یاد آگیا، واقعی یہی چیز تھی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ درویش کے لیے دو چیزیں ازبس ضروری ہیں۔ ایک یادِ حق تعالےٰ اور دوسرے مخلوقات پر شفقت کرنا۔

مجلس ۱۵

فضائلِ درود شریف

جمعرات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی ۔ پیر غلام محمد سیال، مہر محمد بخش سکنہ لیہ اور دوسرے یارانِ طریقت بھی حاضر تھے ۔ درود شریف کی فضیلت کا موضوع زیرِ گفتگو آیا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ پر بہت درود بھیجتا ہوں، پس عبادت کے اوقات میں سے کتنا وقت آپ کے درود پر صرف کروں ؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جتنا وقت تم خود دینا چاہو۔ میں نے عرض کیا چوتھا حصّہ ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا جس قدر تم خود چاہو، لیکن اگر اس سے زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے ۔ میں نے عرض کیا۔ نصف مقرر کر دوں ؟ آپؐ نے فرمایا۔ جس قدر تم خود چاہو، لیکن اگر تم اس سے زیادہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے ۔ میں نے عرض کیا دو تہائی ؟ فرمایا جس قدر تم خود چاہو لیکن اگر تم اس سے زیادہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے ۔ پھر میں نے عرض کیا۔ آپؐ کے درود کے لیے تمام کا تمام وقت مقرر کرتا ہوں آپؐ نے فرمایا کہ اب تمہیں دین و دنیا کے مقاصد حاصل ہونے لگیں گے اور تمہارے تمام گناہ دُور ہو جائیں گے ۔

بعد ازاں، فرمایا ۔ جو شخص بھی خوشبو لگا کر حضورِ دل کے ساتھ ایک پاک جگہ پر بیٹھ کر درود شریف پڑھے تو آنحضرتؐ کی روحِ مبارک خود متوجہ ہو کر اپنے کانوں سے سُنتی ہے ، اور قبول فرماتی ہے ۔ جو آدمی ان شرائط کے بغیر درود شریف پڑھتا ہے ، اس کے درود کو ایک فرشتہ جو ہر مومن کی پیشانی کے ساتھ مقرر ہے ، ایک نورانی کپڑے میں لپیٹ کر اور ایک نورانی طشت میں رکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں لے جاتا ہے ، پھر عبداللہ بن مسعودؓ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں ۔ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں

سکنہ موضع فلاں نے آپ پر اس قدر درود بھیجا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن کسی آدمی نے میاں نور محمد کھیڑا سکنہ گروٹ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے سُنا ہے جو آدمی راستہ چلتے درود شریف پڑھتا ہے، اُسے گھٹنے کا درد لاحق ہو جاتا ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا، اے بھائی درود شریف پڑھنے سے نہیں رُکنا چاہیئے مگر اتنا ضروری ہے کہ راستہ پاک ہو۔

بعد ازاں، فرمایا۔ درود مستغاث اور کبریتِ احمر سوائے گھوڑے وغیرہ کی سواری کے راستے میں بالکل نہیں پڑھنے چاہئیں۔

ضمناً، پیر غلام محمد سیال نے کہا کہ حضرت خواجہ سیالوی جب تونسہ شریف جاتے تو گھوڑے پر سوار ہوتے ہی درود مستغاث شروع کر دیتے اور جوتے بھی پاؤں سے نکال دیتے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ایک مرید نے خواب میں رسولِ خدا کا خیمہ دیکھا۔ اس نے چاہا کہ خیمے کے اندر جائے۔ جواب آیا کہ تو اس قابل نہیں۔ جا اور قطب الدین سے کہہ کہ تم ہمیشہ درود کا تحفہ بھیجتے تھے، آج کیوں نہ بھیجا؟ وہ آدمی اُسی وقت خواجہ قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا، ہاں ہر رات کو تین ہزار درود شریف میرا مقررہ وظیفہ تھا، آج نکاح کی وجہ سے مجھ سے چھوٹ گیا۔ اسی وجہ سے آپ نے بیوی کو طلاق دے دی۔

بعد ازاں، نور مصطفےٰ قریشی نے عرض کیا جو وظیفہ دونوں جہانوں کے لیے فائدہ مند ہو ارشاد فرمائیں۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اگر تم دونوں جہانوں کی فلاح چاہتے ہو تو درود شریف پڑھا کرو کیونکہ اسی میں سعادتِ دارین ہے۔

بعد ازاں، غلام علی طبیب نے عرض کیا درود شریف کا ثواب مومنوں کی رُوح کو ایصال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا۔ جائز ہے، لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ کہے یا اللہ اس درود شریف کا ثواب فلاں فلاں کی روحوں کو پہنچے اور یہ ہرگز نہ کہے کہ اللھم صلی علی فلاں و فلاں کیونکہ پیغمبروں کے علاوہ کسی پر صلوٰۃ بھیجنا جائز نہیں۔

مجلس ۱۶

اَوراد و وظائف

اتوار کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ سید خدا بخش سنجری، امام بخش نذر بردار، غلام محمد درویش اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریکِ مجلس تھے۔ اوراد کے موضوع پر گفتگو شروع ہوئی۔ بندہ نے عرض کیا کہ اکثر نقشبندی حضرات خواجگانِ چشت کے حق میں طعنہ زنی کرتے ہیں کہ وہ اپنے مریدوں کو بہت سے اشغال و اوراد کی تلقین کرتے ہیں اور ادھر ہمارے طریقے میں اسم ذات کے علاوہ اور کوئی وظیفہ نہیں، نیز اکثر جاہل لوگ بھی چشتیہ اشغال و اوراد کے متعلق اسی قسم کا نظریہ رکھتے ہیں۔

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ہم درویشوں کا اصلی مقصد یہی ہے کہ کسی وقت بھی انسان یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو۔ خواجگانِ چشت جو طرح طرح کے وظائف کی تلقین کرتے ہیں دو غرض سے ہے، ایک تو یہ کہ سالک کسی حالت میں بھی ذکرِ الٰہی سے محروم نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ جس طرح ایک پریشان دل آدمی ذہنی آسودگی اور بہجتِ قلبی کے لیے باغ کی سیر کو جاتا ہے تو وہاں کبھی اِس پھلواڑی کے گرد گھومتا ہے اور کبھی اس پھلواڑی کی طرف جانکلتا ہے، کبھی پھولوں پر توجہ کرتا ہے اور کبھی میووں پر نظر ڈالتا ہے۔ اسی طرح پریشان حال صوفی کبھی اوراد و اشغال، کبھی نوافل، کبھی درود شریف، کبھی تلاوتِ قرآن، کبھی ذکر پاسِ انفاس، کبھی جہر، کبھی استغراقِ قلب، اور کبھی کتب سلوک و توحید کے مطالعہ سے لُطف اندوز ہوتا ہے۔ پھر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ حق تعالےٰ نے ہمیں محض چکّی کی مشقّت کے لیے پیدا کیا ہے نہ کہ آرامِ جان اور دُنیوی راحت و آسائش کے لیے جیسا کہ قرآنِ پاک میں مذکور ہے۔ وما خلقت الجن والانس الّا لیعبدون

پھر آپ نے یہ شعر پڑھے :۔

نہ ما آمدیم از پئے دل خوشی ، مگر کز پئے رنجِ محنت کشی
خراں را کسے بر عروسی نخواند ، مگر وقتِ پختن کہ ھیزم نماند

ترجمہ :۔ ہم نشاطِ حیات کے لیے پیدا نہیں ہوئے ، بلکہ ہمارا مقصدِ حیات توجہدِ مسلسل ہے ، گدھوں کو آج تک کسی نے دعوتِ ولیمہ پر نہیں بلایا ، ان سے تو صرف دعوت پکاتے وقت ایندھن اُٹھانے کا کام لیا جاتا ہے ۔

بعدازاں ، کسی شخص نے عرض کیا ، نقشبندی سلسلے میں سلوک کی بنیاد سات لطائفِ قلبی پر ہے ، ان کے پڑھنے کی کیفیت کیا ہے ؟ فرمایا ۔ ایک شخص مولوی عُبیداللہ صاحب ملتانی کی خدمت میں گیا اور کہا لطائف کی حقیقت بیان کریں ۔ مولوی صاحب نے فرمایا ۔ میں لطیف کا طالب ہوں نہ کہ لطائف کا ۔

ضمناً ، مولوی علی محمد سکنہ کوٹ کالا نے عرض کیا کہ میں اوراد و اذکار کے بارے میں سُست ہمّت واقع ہوا ہوں ، آپ کی توجّہ کے بغیر میں کسی ورد میں مشغول نہیں ہو سکتا ۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ سالک کو چاہیئے کہ جیسے بھی ہو اپنے وظیفے پر سختی سے کاربند رہے ۔ پھر آپ نے مثنوی رومی کے چند اشعار پڑھے :۔

ایں قدر گفتیم ، باقی فکر کن ، فکر گر جامد بود ، رو ذکر کن
ذکر را خورشیدِ آں افسردہ ساز ، ذکر آرد فکر را در اہتزاز
اصل خود جذب است لیک اے خواجہ تاش ، کارکن موقوف ، آں جذبہ مباش
زانکہ ترکِ کار چوں نازے بود ، ناز کے درخوردِ جاں بازے بود
مرغِ جذبہ چوں پرد ناگہ زعُش ، چوں پدیدی صبح ، شمع آنگہ بکُش

ترجمہ :۔ ۱۔ اتنا تو ہم نے بتا دیا ، اس سے آگے خود فکر دوڑاؤ ، ہاں اگر فکر بھی جامد معلوم ہو تو پھر ، فکر کو متحرک کرنے کے لیے ذکر اختیار کرو ۲۔ منجمد فکر کو ذکر کی حرارت پہنچاؤ ، اس سے وہ پگھل کر جوش میں آجائے گی ۳۔ اے پیر بھائی چونکہ ذکر کا دارومدار بھی جذبے پر ہے ، اس لیے اگر تم دنیوی دھندے یکسر قربان کر دو تو پھر بھی کوئی بات نہیں ، بشرطیکہ تمہارے اندر جذبہ فوت نہ ہو ۴۔ دنیوی دھندے چھوڑنا اگر گراں گزرے تو یہ

گرانی ایک سالکِ توحید کو کب سزاوار ہے ؟ ۵۔ اگر تو نے نورِ معرفت کی صبحِ روشن کے آثار دیکھنے ہوں تو پہلے خواہشاتِ نفسانی کی شمع گُل کر دے، کیونکہ اسے جلتے دیکھ کر تیرے اندر "جذبے" کا پرندہ ابھی رات کا عالم سمجھ کر اپنے گھونسلے میں ٹھٹکا بیٹھا ہے، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ یونہی رات کو بے مقصد اُڑتا پھرے ؟

بعد ازاں فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ کسی وقت بھی اوراد و اذکار سے غافل نہ ہو کیونکہ ترکِ اشتغال محرومی کی علامت ہے اور ہمارے سلسلے کے تمام مشائخ ابتدا سے انتہا تک مختلف قسم کے اوراد و اشغال میں مصروف رہتے تھے۔ یہ اوراد و وظائف ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں لیکن ذکرِ پاسِ انفاس تمام اوراد پر فوقیت رکھتا ہے۔

پھر فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ اپنے وظائف کی بیحد پابندی کرے، کیونکہ گزرا ہوا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا ؎

امید نیست کہ عمرِ گذشتہ باز آید

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا اگر بیماری کی وجہ سے وظیفہ قضا ہو جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟ فرمایا۔ اس کی قضا دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب ذاکر بیمار ہو جاتا ہے تو حق تعالےٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ فلاں آدمی کا وظیفہ پڑھو اور اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج کرو۔ پس فرشتے اس کی بیماری کے دنوں میں اسی طرح کرتے ہیں، لیکن اگر ذاکر قضا دیدے تو یہ اچھا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ معمولات بروقت ادا کرے تاکہ کوئی وقت خالی نہ گزرے۔ چنانچہ رات کے تیسرے حصّے میں نیند سے اُٹھ کر وضو کرے اور بارہ رکعت نمازِ تہجد پڑھے، اس کے بعد ایک مرتبہ اسمائے حسنیٰ پڑھے، پھر پانچسو بار استغفار پڑھے، پھر مُراقبہ کرے۔ فجر کی نماز کے بعد مسبعاتِ عشر پڑھے، پھر اسبوع شریف کی ایک منزل، ایک بار دُعائے کبیر، ایک بار درودِ مستغاث، ایک بار کبریتِ احمر اور ایک بار سلسلہ شریف اور ایک منزل دلائل الخیرات پڑھے۔ پھر بارہ رکعت نمازِ اشراق پڑھے، چار رکعت صلوٰۃ العاشقین، سوا پارہ منزل قرآن پڑھے، ظہر کی نماز کے بعد ایک ختم خواجگان کا پڑھے۔ چار رکعت سنّتِ عصر پڑھے۔ چھ رکعت

نفل اوّابین، دو رکعت حفظ الایمان پڑھے۔ اس کے بعد تین سو بار ذکرِ جہر، پھر مراقبہ کرکے ہزار بار درود شریف پڑھے، ایک ختم سورت یٰسین اور سورت ملک کا کرے اور پھر ذکرِ پاسِ انفاس میں مشغول ہو کر سو جائے۔

بعد ازاں، مولوی امام الدین سکنہ برنالی کو بیعت کرتے ہوئے فرمایا۔ مرید کو اوقاتِ وظائف کی سختی سے پابندی کرنی چاہیئے۔

پھر فرمایا۔ الصوفی ابن الوقت

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا، ایک دن میرے استاد حافظ ولی اللہ صاحب مفتی لاہوری نے مجھ سے پوچھا۔ تمہارے وظائف کا کیا فائدہ ہے؟ کیا ان سے مالی ترقی ہوئی ہے؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ان سے پوچھنا چاہیئے تھا کہ نماز، روزہ اور دوسرے امورِ شرعیہ بجا لانا حصولِ دنیا کے لیے ہے یا دین کے لیے؟ جب تمام شرعی احکام محض رضائے حق کے لیے ہیں تو وظائف کا پڑھنا بھی اسی لیے ہے نہ کہ حصولِ دُنیا کے لیے۔

بعد ازاں، ایک خادمہ نے عرض کیا۔ اکثر اوقات جسمانی سُستی کی وجہ سے میرے وظائف چھوٹ جاتے ہیں۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اے بڑھیا! حق تعالیٰ کے حضور نیاز کام آتا ہے، ناز نہیں کرنا چاہیئے، تم اپنے وظائف کے اوقات کی پابندی کرو۔

بعد ازاں، میاں فیض بخش نے عرض کیا کہ میری عمر اشغالِ لسانی میں بسر ہوگئی ہے، لیکن ابھی تک میں اپنے مقصود کو نہیں پہنچا۔ فرمایا۔ ان لسانی اشغال پر شکر گزار رہ کر انہیں باقاعدگی سے جاری رکھو، اگر خدا نے چاہا تو وہ قلبی مرتبہ بھی عطا فرمائے گا، جو سلوک کا اصل مقصود ہے۔

پھر فرمایا۔ سالک کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں، شیخ کی اجازت اور ذاتی ریاضت، سلوک ان دو چیزوں کے بغیر حدِ کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔

پھر فرمایا۔ دفعِ بیماری اور رفعِ مشکل کے لیے اپنے شیخ کا اسم سو مرتبہ پڑھ کر دَم کرنے اور دُعا کرنے سے مطلب حاصل ہو جاتا ہے۔ بندہ نے عرض کیا۔ شیخ کا اسم کس طرح پڑھنا چاہیئے۔ فرمایا۔ ایک درویش خواجہ تونسوی کا اسم اس طرح پڑھتا تھا "یا شیخ محمد سلیمان"

اور ہم اس طرح پڑھتے ہیں۔ "یا شیخ محمد سلیمان شیئًا للہ"

ضمناً بندہ نے عرض کیا۔ اپنے اسم کا وظیفہ بھی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا۔ فجر کی نماز کے مذکورہ طریقے کے مطابق پڑھا جائے۔

بعد ازاں، مولوی غلام محمد پوٹھوہاری نے عرض کیا۔ صبح کے بعد قسم قسم کی چڑیاں غُل مچاتی ہیں، کیا یہ بھی ذکر کرتی ہیں؟ فرمایا۔ نہ صرف یہ بلکہ تمام مخلوق اپنی اپنی زبان میں خدا کو یاد کرتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:-

وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ — ہر چیز اللہ کی حمد اور پاکیزگی بیان کرتی ہے،
ولٰکن لا تفقہون تسبیحھم — مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

غلام محمد نے پھر عرض کیا۔ ان کی تسبیح ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ فرمایا۔ جب اپنے ہم جنس کا کلام ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو غیر جنس کی زبان کس طرح سمجھ میں آئے؟

بعد ازاں، ایک دن صبح کے وقت بیر کے درخت پر ایک بلبل نغمہ خوانی کر رہی تھی، خواجہ شمس العارفین نے غلام محمد سے کہا۔ بلبل کی آواز کس جگہ سے آ رہی ہے؟ اس نے عرض کیا۔ بیر کے درخت پر بیٹھی ہے، ممکن ہے اسے یہاں کوئی تازہ غنچہ نظر آیا ہو؟ فرمایا عاشق صادق کے لیے ہر جگہ پھول ہی پھول ہے، یعنی جب عاشق، فنا فی الحبیب ہو جاتا ہے تو وہ ہر جگہ اپنے معشوق کا حُسن و جمال ہی دیکھتا ہے؟

ضمناً، امام بخش تذر بردار نے پوچھا: اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز" میں "مرغِ سحر" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا۔ علمائے ظاہر کے نزدیک تو مُرغا ہی مراد ہے لیکن اہل اللہ کے نزدیک اس سے مراد وہ طالبِ صادق ہے جو دن رات یادِ خدا میں مشغول رہے۔

بعد ازاں، مولوی عمر عیسیٰ خیلوی نے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے مجھے عبادت کا ذوق و شوق حاصل نہیں ہوتا؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ جب آدمی گناہوں میں غرق ہو جاتا ہے تو اس سے عبادت کی لذّت چھن جاتی ہے۔ مولوی صاحب نے پھر عرض کیا، کہ اس سے پہلے مجھے وظائف کا شوق بدرجۂ اتم تھا، لیکن اس وقت بالکل مُردہ ہو چکا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا۔ جب کوئی شخص ابتدا میں وظیفے شروع کرتا ہے تو اس کے دل میں وظیفے

کی تاثیر جلد ظاہر ہوتی ہے اور ذاکر کے دل میں ذوق و شوق اور جوش و خروش بڑھ جاتا ہے، رفتہ رفتہ جب اس کے جسم و جان میں یہ تاثیر مکمل طور پر سرایت کر جاتی ہے تو اس کا ہیجان تسکین پا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک صحابی کو دیکھا جو قرآن پڑھتے وقت گریہ و زاری کرتا تھا، حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا کہ ابتدائے حال میں ہم بھی قرآن خوانی کے وقت اسی طرح گریہ و زاری کرتے تھے، لیکن اب ہمارے دل اس کے متحمل ہو چکے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی فسق و فجور میں غرق تھا، اس کے دل میں عبادت کی لذت مفقود ہو چکی تھی۔ اس نے کہا خدا نے ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں دُکھ نہیں پہنچایا۔ خدا نے حضرت شعیبؑ کی طرف وحی بھیجی کہ اس نادان کو کہہ دو کہ تمہارا ذوقِ عبادت چھین لیا گیا ہے، اس سے زیادہ اور کیا تکلیف ہو سکتی ہے؟

بعد ازاں، سالک و مجذوب کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ سالک کی مثال یہ ہے کہ بیت اللہ کے سفر کو منزل بہ منزل طے کیا جائے اور مجذوب کی مثال یہ ہے کہ کوئی بزرگ کسی آدمی کو کہے کہ آنکھیں بند کرو اور جب کھولے تو اپنے آپ کو بیت اللہ میں پائے۔ سالک شریعت کے تمام احکام کو سمجھتا ہے، ان پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو ہدایت کرتا ہے، لیکن مجذوب اپنی ذات تک ہی محدود رہ کر جذباتِ الٰہی میں مستغرق ہو جاتا ہے۔

بعد ازاں، میر عرب شاہ نے عرض کیا کہ اگر کسی شخص کو کوئی مہم درپیش ہو تو وہ کیا کرے؟ فرمایا۔ تین دن تک سورت یٰسین اکتالیس مرتبہ روزانہ پڑھے، بدھ کے روز شروع کرے اور جمعہ کے روز ختم کرے، پڑھتے وقت مقعد کو زمین سے نہ ہلائے اور اس کے بعد اپنی حاجت کے لیے دُعا مانگے اور کہے خداوندا بحرمتِ حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور بحرمتِ اہل بیت و اصحاب و خواجگانِ چشت میری مشکل آسان فرما۔ اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ پچیس مرتبہ پڑھ کر دُعا مانگے تو پھر بھی انشاء اللہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

بعد ازاں، مُسبعاتِ عشرہ کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ مُسبعاتِ عشرہ کا وظیفہ ابراہیم تیمیؒ سے منقول ہے کہ انہیں خضر علیہ السلام سے پہنچا۔ اور اس کے فوائد کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا —— یہ دُعا۔

اللھوالمھدنی برفعتك یا نافع و یا مُرَافِعُ تَوَفَّنِیْ مسلما والحقنی باالصالحین

اے اللہ، اے نفع پہنچانے والے اور بلند درجات عطا کرنے والے، اپنے بلند مرتبے کے طفیل مجھے ہدایت نصیب کر، حالتِ اسلام پر موت دے اور صالحین کے زمرے میں شامل کر۔

دوسرے سلسلوں میں نہیں پڑھتے، اس کی سند رسولِ خدا نے صرف حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کو خواب میں ارشاد فرمائی، لہٰذا خواجگانِ چشت اپنے مریدوں کو اس کی تلقین کرتے ہیں اور مسبعات کے بعد چھ مرتبہ پڑھتے ہیں۔

بعد ازاں، کسی شخص نے عرض کیا، ظالم کے شر سے پناہ کے لیے کوئی عمل ارشاد فرمائیں۔ فرمایا، سات آیتیں جو مرقع شریف میں لکھی ہوئی ہیں۔ فجر کی نماز کے بعد، مُسبعات پڑھ کر، ان میں سے ہر آیت کو سات سات بار پڑھو۔ انشاءاللہ ظالم کے شر سے محفوظ رہوگے۔ شخصِ مذکور نے پھر عرض کیا، گمشدہ چیز کے لیے کوئی عمل فرمائیں۔ فرمایا یہ آیت، یا بُنَیَّ اِن تك مثقال حبّہ سے لیکر لطیفٌ خبیر ٌ تک ایک سو انیس مرتبہ اور یا لطیف بھی ایک سو انیس بار پڑھو۔ اِنشاءاللہ مطلب حاصل ہو جائے گا۔

بعد ازاں، بسم اللہ شریف کی فضیلت کا ذکر شروع ہوا۔ برص کے ایک مریض نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں عرصہ دراز سے اس مرض میں گرفتار ہوں، دعا فرمائیں کہ اس سے نجات ملے اور لوگوں کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھا سکوں، آپ نے دعا فرمائی، اس شخص نے پھر عرض کیا۔ اس کے متعلق کوئی وظیفہ بھی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا۔ ہر روز سات سو ستائیس بار بسم اللہ پڑھا کرو تاکہ خدا اس کی برکت سے صحت عطا فرمائے۔

پھر آپ نے بسم اللہ کی فضیلت بیان کی کہ خدا نے اٹھارہ ہزار جہان پیدا کئے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ اس تعداد کی کیفیت کیا ہے؟ فرمایا۔ انسان ایک عالم، جن ایک عالم اور اسی طرح حیوان مثلاً گھوڑا، گائے، بھیڑ، بکری، گدھا، ہرن اور پرندے مثلاً مُرغ، طوطا اور وحشی جانور مثلاً بھیڑیا یا شیر اور رینگنے والے جانور مثلاً چیونٹی، نیولا یا سانپ وغیرہ، اسی طرح

اٹھارہ ہزار جہان بنتے ہیں، ان تمام کو بسم اللہ کے انیس حرفوں سے فیض پہنچتا ہے ؎

نوزدہ حرف است بوقتِ شمار

فیض رسانندہ بہ ہژدہ ہزار

ترجمہ:۔ یوں گننے میں تو بسم اللہ کے حروف انیس ہی ہیں۔ لیکن فیض کا یہ عالم ہے کہ اٹھارہ ہزار جہاں ان سے مستفید ہورہے ہیں۔

بعدازاں، کسی شخص نے دفع قرض کے لیے وظیفہ پوچھا، فرمایا۔ صبح کی نماز کے بعد ستر بار یا وھاب پڑھ کر دُعا مانگا کرو کہ اے خدائے پاک! سیدالمرسلینؐ، اہل بیتؓ، اصحابؓ اور خواجگانِ چشتؒ کے طفیل سلبِ ایمان اور دونوں جہان کے نقصانات سے محفوظ رکھ۔

بعدازاں، کسی شخص نے دافع بواسیر پوچھا۔ فرمایا۔ فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورت الم نشرح دوسری میں الم ترکیف اور وتر کی نماز میں پہلی رکعت میں الم نشرح دوسری میں والتین اور تیسری میں اخلاص پڑھنے سے انشاءاللہ صحت ہوجائے گی۔

بعدازاں، ایک شخص محمد نعیم مکھڈی نے عرض کیا، سر اور دانتوں کے درد، بخار اور ریاح کے لیے کوئی تعویذ یا عمل فرمائیں۔ فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بسم اللہ الکبیر واعوذ باللہ العظیم من شر کل عرق نعار ومن شر حر النار۔ دردِ سر اور بخار کے لیے ہے۔ ریح کے لیے گیارہ بار سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا چاہیئے، دانتوں کے درد کے لیے تین بار منتر اوّل آخر درود شریف پڑھ کر تین دانے گرنفل پر پھونک مار وا ور درد والی جگھوں پر ایک ایک کر کے رکھ دو، منتر یہ ہے:۔

"مہین کیل کورسے کیل میں ماریا جس کی ہنوں میں کیڑا یا درد ہووے دُور ہوجاوے نہ دور ہووے دہائی خواجہ معین الدین چشتی کی"

بعدازاں، فرمایا۔ اپنے شیخ کے اسم کا وظیفہ بھی ہر حاجت کے لیے کافی ہے۔

بعدازاں، بندہ نے عرض کیا۔ اگر کوئی آدمی مصیبت میں گرفتار ہو تو وہ کس طرح چھٹکارا پائے؟ فرمایا۔ مرید کو چاہیئے جب وہ مصیبت میں گرفتار ہو تو صدقہ دے اور استغفار پڑھے تاکہ خدا اسے رہائی بخشے۔

بعدازاں، قادر بخش راجڑ نے عرض کیا۔ دعائے کبیر کی کوئی شرح ہے یا نہیں؟ فرمایا۔ شرح تو درکنار ترجمہ بھی محال ہے۔ کیونکہ دعائے کبیر کے باون کلمات ہیں اور ہر کلمہ الگ لغت کا ہے، جو شخص اتنی لغتیں جانتا ہو وہی اس کی شرح بھی کر سکتا ہے۔

بعدازاں، ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ سے بیعت کرنے کے باوجود میں بھوک کے ہاتھوں مر رہا ہوں۔ اسی اثنا میں سید اکرام شاہ نے کہا شاید یہ آدمی وظیفہ خلافِ طریقہ پڑھتا ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے شاہ صاحب کو خطاب کر کے فرمایا۔ ہندوستان سے ایک آدمی یہاں آیا اور اس نے بیان کیا کہ جب میں سوتا ہوں تو میں ایک خوفناک صورت کو اپنے ساتھ لیے ہوئے پاتا ہوں۔ اسی ڈر سے میں جاگ اٹھتا ہوں اور اب میں بالکل عاجز آچکا ہوں۔ میں نے پوچھا۔ تم نے تسخیر جنات کے لیے کونسا عمل کیا ہے؟ اس نے ایک وظیفہ پڑھ کر سنایا۔ ہم نے کہا توبہ کر تاکہ خدا تجھے چھٹکارا دے۔ بس جب اس نے وہ وظیفہ ترک کیا تو صحت ہو گئی۔

بعدازاں، فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ ہر حالت میں خدا کے حضور دست بدعا رہے، کیونکہ عبادت کی روح عجز و نیاز ہے، جو اسی دنیا میں عمل سے حاصل ہوتی ہے اور ہم اس کے حصول پر مامور من اللہ ہیں۔ ادعونی استجب لکم

ضمناً بندہ نے عرض کیا کونسی دعا بہتر ہے؟ فرمایا۔ دعا وہ اچھی ہے جو مقبول ہو، لیکن طالب صادق کو چاہیئے کہ اوراد کے بعد اکثر یہ دعا پڑھا کرے:۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ وَاجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْیَاءِ اِلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ لِلْعَطْشَانِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اَللّٰھُمَّ اسْقِنِیْ بِكَاسِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شُرْبَۃً لَّا اُظْمَاءُ بَعْدَھَا اَبَدًا بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

بعدازاں، کسی شخص نے عرض کیا جمیع حاجات کے لیے کوئی جامع دعا فرمائیں۔ فرمایا۔ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر خدا مجھے لیلۃ القدر نصیب کرے تو میں کونسی دعا مانگوں۔ فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ یہ ایک ہی دعا تمام حاجتوں کے لیے کافی ہے،

اسی اثناء میں مولوی غلام یحییٰ کا خط آپ کی خدمت میں آیا۔ اس میں لکھا تھا۔ دُعا فرمائیں کہ خدا مجھے اولادِ نرینہ عطا کرے جو میرے قائم مقام ہو۔ آپ نے فرمایا۔ انسان کا اصل مقصد عبادت حق تعالیٰ ہے۔ اولاد خواہ ہو یا نہ ہو، کیونکہ اعمالِ حسنہ کے بغیر چھٹکارا نہیں۔

بعد ازاں فرمایا۔ اکثر لوگ خدا سے بڑی حاجتیں مانگتے ہیں۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلتا، اور بعض لوگ کوئی چیز نہیں مانگتے اور ان پر قسم قسم کے انعام واکرام کی بارش ہوتی ہے، یہ محض اسی کا فضل ہے۔

بعد ازاں، ایک شخص نے عرض کیا، دُعا فرمائیں تاکہ مجھے فارغ البالی حاصل ہو۔ فرمایا۔ جو کچھ کرتا ہے، خدا کرتا ہے، بندہ عاجز ہے۔ لیکن اولیاء اللہ جس پر غور کرتے ہیں خدا اس پر رحم کرتا ہے اور اس کے کام کر دیتا ہے۔

بعد ازاں، خیر محمد قوال نے عرض کیا، اپنے تینوں صاحب زادوں کے لیے دُعا فرمائیں تاکہ خدا انہیں سعادتِ دارین عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا۔ سعادت اور شقاوت میرے بس میں نہیں، جو خدا چاہے گا وہی ہوگا، پھر یہ شعر پڑھا ؎

نہ در دستِ من دادہ اند اختیار

کہ من خویشتن را کنم بختیار

ترجمہ :۔ مجھے تو اتنا اختیار بھی نہیں دیا گیا کہ اپنا نصیبہ ہی درست کرلوں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت خواجہ حافظ محمد جمال ملتانی کا ایک مرید بڑا عالی ہمت تھا۔ اس کا وظیفہ اس طرح تھا کہ پہلے وہ نمازِ تہجد پڑھتا تھا اور پھر صبح تک مُراقبے میں رہتا۔ صبح کی نماز کے بعد مسبعاتِ عشرہ، اسبوع شریف، درودِ مستغاث اور دلائل الخیرات پڑھتا تھا۔ اس کے بعد اشراق کے نفل اور قرآن کی منزل پڑھتا تھا، شام کی نماز کے بعد نفل اوّابین اور نفل حفظ الایمان پڑھتا تھا، پھر چوبیس بار کلمہ طیبّہ کا ذکر کرتا تھا اور فراغت کے وقت معاشی ضروریات کے لیے کوئی معمولی سا کام کر لیتا تھا اور کہتا تھا کہ کیا کروں سگِ حرص کا کاٹا ہوا ہوں، کسی وقت خدا کی عبادت میں مشغول نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا۔ درویش کو چاہیئے کہ وظیفہ خوانی میں بے حد کوشش کرے لیکن اس پہ بھروسہ

نہ کرے۔

بعد ازاں فرمایا۔ پیر کو چاہیے کہ مرید کی استعداد کے مطابق وظیفے کی تلقین کرے، چنانچہ خواجہ تونسوی اپنے مریدوں کی استعداد کے مطابق وظیفہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، بعض کو ذکر کی تلقین کرتے، بعض کو درود شریف اور بعض کو مختلف اوراد کی تلقین فرماتے تھے۔ بعض کو لنگر کے کام کاج پر مقرر کرتے تھے۔ ایک حافظ جو ایک بیمار کی تیمارداری پر مامور تھا، اپنے کام میں بڑا مستعد تھا، ایک دن کثرتِ کار کی وجہ سے اسے شام کی نماز میں دیر ہو گئی۔ بہاول خان کے وزیر، احمد خان نے اسے طعنہ دیا کہ اس بیمار پرستی کا کیا فائدہ کہ تیری نمازیں بھی چھوٹنے لگیں۔ اس نے کہا تمہیں کیا معلوم؟ میں خواجہ صاحب کے فرمان کے مطابق تیمارداری کر رہا ہوں، میں نے اپنے پیر کی اطاعت کے خلاف ایک قدم نہیں رکھا۔

مجلس ۱۷

عبادت اور ترکِ عبادت

منگل کے روز قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی ۔ مولوی معظم دین صاحب مردلوی، مولوی غلام محمد گجراتی ، سید الٰہی بخش لانگری اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریکِ مجلس تھے ۔ دورانِ مجلس عبادت کا موضوع چھڑا ۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ میں نے اپنی عمر میں پانچ مثالی آدمی دیکھے ہیں ، ان میں سے ایک سیّد محمد ظریف تھا جو قائم اللیل اور صائم الدہر تھا ، چنانچہ وہ پندرہ پندرہ دن تک کوئی چیز نہ کھاتا تھا اور افطار کے وقت ایک آدھ لقمہ چکھ لیتا تھا، اس نے اسی طرح اپنی عمر گذار دی ۔

بندہ نے عرض کیا ، کیا وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کو کھانے پینے کی حاجت ہی نہیں رہتی ؟ فرمایا ۔ بھوک اور پیاس کا احساس ختم ہو جانے کی دو وجوہات ہیں ، ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ کھانے پینے کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے ، دوسرے یہ کہ کھانے پینے کی حاجت کا تعلق خاکی وجود سے ہے ، جب خدا کے بندے بشریّت کی منزل سے گذر کر فنا کی حدود میں قدم رکھتے ہیں تو انہیں کھانے پینے کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی ۔

بعد ازاں ، فرمایا ۔ ان پانچ آدمیوں میں سے دوسرا آدمی خیر محمد انگوی تھا ، وہ ایسا زاہد و عابد تھا کہ اس کا کوئی وقت بھی ذکر و فکر اور دوسری طرح طرح کی عبادتوں سے خالی نہ جاتا ۔ ایک دن اس نے ایک مردِ کامل کے ذریعے حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں سلام کا تحفہ بھیجا ۔ وہ حضوری آدمی جب بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچا تو اس نے عرض کیا کہ فلاں شخص آپؐ کی خدمت میں سلام بھیجتا ہے ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ۔ وہ شخص مسجد میں دنیا کی باتیں بہت کرتا ہے ۔ جب خیر محمّد نے یہ بات سُنی تو اس نے فوراً توبہ کی اور پھر مسجد میں کبھی دنیا کی بات نہ کی اور بقیہ تمام عمر خاموشی میں گذار دی ۔ اس کا روزمرہ کا وظیفہ تقریباً ایک ختم

اور پچیس پارے مقرر تھا۔

ضمناً، پیر غلام محمد سیال نے عرض کیا کہ اس نے تین لاکھ بار سورت یٰسین اور سات لاکھ بار سورت مزمل پڑھ کر زکوٰۃ مکمل کی تھی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ تیسرا آدمی حافظ محمد عظیم وٹے پٹ نملوی تھا۔ وہ بیحد خدایاد اور تارک الدنیا تھا، اس کے متعلق مولانا مکھڈی نے فرمایا تھا ؎

بشہرِ نمل حافظے وٹے پٹ   کہ بے شک ولی ہست میگو ئمت

اس کا دن رات کا مشغلہ یہ تھا کہ پتھر کھود کھود کر راستے اور حوض آراستہ کرتا اور کہتا تھا یہ دنیا گزرنے والی ہے، اگر تم رحمت کے اُمیدوار ہو تو کارِ خیر میں کوشش کرو۔ وہ اس طرح تارک الدنیا تھا کہ کسی دنیادار کو اپنے قریب تک نہ آنے دیتا اور کسی کی نذر قبول نہ کرتا سوائے سیاہ مرچ کے۔ کسی شخص نے یہ معلوم کر لیا کہ وہ سیاہ مرچ سے رغبت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک من سیاہ مرچ لاکر نذر کی، لیکن حافظ وٹے پٹ نے یہ کہتے ہوئے نذر واپس کر دی کہ تم نے مجھے دکاندار سمجھا ہے کہ بیچنے بیٹھ جاؤں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ چوتھا آدمی غلام حسین تھا۔ وہ ایک جوانمرد اور مستقل مزاج شخص تھا۔ شریعت کی اتنی کڑی پابندی کرتا تھا کہ تمام ظاہری اور باطنی اُمور میں سنّتِ نبوی سے ذرہ بھر تجاوز نہ کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن اس کی لڑکی دردِ زہ میں گرفتار ہوئی، نصف حمل وضع ہوا اور نصف باقی رہا کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ جب غلام حسین کو اس کا علم ہوا تو وہ اپنی لڑکی کے پاس آیا اور اسے نماز پڑھنے کی تاکید کی۔ اس نے کہا مجھ میں اتنی طاقت کہاں؛ اس نے کہا حمل کے نیچے زمین کھود کر نماز پڑھو، اور خود خدا سے دُعا کی کہ مجھے اس کے شر سے پناہ دے اور اپنی اور اپنے حبیبؐ کی تابعداری سے مشرف فرما۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک مرتبہ کفّار کے لشکر نے غلام حسین کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ غلام حسین نے ہمّت سے کام لے کر شریعت کا تازیانہ ہاتھ میں لیا اور لشکر میں جا نکلا اور مسلمانوں کو تاکید کی کہ وہ نمازیں باقاعدگی سے پڑھیں۔ انہوں نے معذرت کی کہ ہم کفّار کے ملازم ہیں، اس لیے مجبور ہیں۔ اس کے بعد غلام حسین نے لشکر کے سرداروں سے پوچھا۔ کیا تم نے مسلمانوں

کو نماز سے روکا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا۔ "نہیں!" تب اس نے تمام مسلمانوں کو کپڑے دھونے اور غسل کرنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ تمام مسلمان نماز اور دوسری عبادتوں میں مشغول ہو گئے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ پانچواں شخص ملک الاولیاء، امام الفقراء، واقفِ اسرار احدیت کاشفِ رموزِ صمدیت قطبِ زمان خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ العزیز کی ذاتِ گرامی ہے جو تمام اوصاف میں تمام سے فائق تھے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن مولوی دادار نے خواجہ تونسوی کے خلیفے سید محمد علی شاہ خیرآبادی سے پوچھا کہ منازل فقر کے اعتبار سے مولانا فخر الدین اور خواجہ تونسوی کے درمیان کیا فرق ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا۔ مولوی صاحب دونوں بزرگ ہمارے پیر ہیں، مگر مولانا فخر الدین جس کام کو توجہ سے کرتے، اسی نوعیت کے کام کو خواجہ تونسوی یونہی استہزا میں کر دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ گرد و نواح کے لوگ خواجہ تونسوی کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ہم ٹڈی دل کے حملے سے سخت لاچار ہو گئے ہیں، دعا فرمائیں کہ یہ مصیبت ٹل جائے۔ دلشاد نامی ایک خستہ حال آدمی آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے تبسّم کرتے ہوئے فرمایا، دلشاد سے کہو دعا کرے۔ پس حسبِ فرمان اس سے دعا کرائی گئی، اسی وقت ٹڈی دل کا لشکر جاتا رہا۔ دوسرے سال پھر وہی آفت نازل ہوئی، لوگوں نے خواجہ تونسوی کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ دلشاد کی قبر پر جا کر دعا کرو۔ لوگوں نے دلشاد کی قبر پر جا کر دعا کی تو اسی وقت وہ آفتِ سماوی ٹل گئی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن تونسہ شریف کے لوگ مل کر حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا۔ امساکِ باراں کی وجہ سے ہماری فصلیں جھک کر رکوع کی حالت میں ہو گئی ہیں، کچھ دنوں بعد لوگوں نے پھر عرض کیا، غریب نواز اب فصلیں سجود کی حالت میں ہیں، دعا فرمائیں تاکہ بارانِ رحمت نازل ہو۔ فرمایا مسماۃ فلاں چشتیانی کے پاس جاؤ اور اس کی زلف کو گوندھو، لوگوں نے اسی طرح کیا تو فوراً بارش ہونے لگی اور پھر اتنی برسی کہ ہر طرف دریا کا منظر دکھائی دینے لگا۔ اب لوگ کثرتِ باراں کی شکایات لے کر خواجہ تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا۔ اسی بی بی کے پاس جاؤ اور اس کی زلف کھول دو، لوگوں نے

تعمیل کی اور اسی گھڑی دیکھتے ہی دیکھتے بارش بند ہو گئی۔

بعد ازاں، تارکانِ عبادت کی خدمت کا موضوع چھڑا۔ بندہ نے عرض کیا، بعض جاہل لوگ عبادات خصوصاً نماز روزہ سے محروم رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہلِ عرفان کو عبادت سے کیا کام، معرفت ایک الگ چیز ہے اور عبادت ایک الگ کام ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ وہ عقل کے اندھے یہ نہیں دیکھتے کہ اوّل سے آخر تک تمام انبیاء اور اولیاءؒ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کے زیرِ فرمان عبادات میں مشغول رہے ہیں اور اللہ کے تمام نیک بندے، رسول علیہ السلام کی اطاعت سے، بامرِ قل ان کنتم تحبون اللہ فتبعونی یحببکم اللہ بال بھر بھی اِدھر اُدھر نہ ہوئے، حتیٰ کہ اسی روش پر چلتے چلتے وہ منزلِ مقصود کو پہنچے۔

بعد ازاں، آپ نے مولوی محمد علی سکنہ کوٹ کالا کو رخصت کیا، لیکن چونکہ اسے قلبی طمانیت حاصل نہ تھی، لہذا اسے اپنے سامنے بٹھایا اور دوبارہ بیعت کیا اور مختلف قسم کی نصیحتیں کیں۔ فرمایا۔ دنیا صرف تین دن کا نام ہے، ایک وہ دن جو گذر گیا، ایک وہ دن جو آئے گا اور ایک وہ دن جو اس وقت گزر رہا ہے۔ گزرا ہوا دن کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ خواہ تم کروڑوں روپے معاوضہ بھی دو، آنے والے دن کا کچھ یقین نہیں کہ آئے یا نہ آئے، باقی رہا وہ دن جو اب گذر رہا ہے اور تمہیں حاصل ہے، چاہیئے کہ تم اسے ضائع نہ کرو۔

پھر فرمایا۔ درویش کو چاہیئے کہ اوراد و وظائف کے معاملے میں کبھی غفلت نہ برتے بلکہ اپنی پوری ہمت اسی کام پر لگا دے، یہاں تک کہ اس کا کوئی وقت بھی ذکرِ الٰہی سے خالی نہ گذرے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ عبادت جو والہانہ جذبے اور شوق سے ظہور پذیر ہوتی ہے اور ایک وہ جو دوزخ کے خوف اور بہشت کی اُمید سے پیدا ہوتی ہے۔ بندہ نے عرض کیا۔ محبّت و خلوص والی عبادت کی نیت کس طرح کرنی چاہیئے؟ فرمایا۔ سالک کو جاننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے اسے قسم قسم کے انعامات سے نوازا ہے، چنانچہ کان، آنکھ، ناک، دانت، ہاتھ، پاؤں، صحت، اعضاء وغیرہ کہ ان کی تعداد لامتناہی ہے۔

لہذا سالک یہ نیت کرے کہ اے مالکِ حقیقی جو عملِ خیر تیری توفیق سے اس عاجز کے ہاتھوں انجام پاتا ہے، محض تیری رضا اور شکرِ نعمت کے لیے ہے۔ خاص لوگوں کی عبادت کا یہی طریقہ ہے اور یہ غلبۂ محبّت ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ اگر درویش کی عبادت محبّت کے درجے تک نہ پہنچے تو پھر بھی عوامی عبادت (جو محض بیم و رجا کے لیے ہوتی ہے) سے محروم نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ محبت آمیز عبادت کے لیے یہ زینہ ہے اور جو آدمی ان دونوں قسم کی عبادتوں سے محروم رہتا ہے وہ بے نصیب ہے اور قیامت کے دن حسرت اور پریشانی کے علاوہ اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

پھر فرمایا۔ درویش کو چاہیئے کہ اس مختصر سی زندگی میں پُل صراط اور میدانِ قیامت کے لیے زادِ راہ تیار کرلے تاکہ قیامت کے دن اسے ندامت نہ اُٹھانی پڑے۔ یہ عمر تو صرف تین گھڑیاں ہے اور اگلا سفر دراز ہے، چنانچہ پُل صراط تیس ہزار سال کا راستہ ہے اور میدانِ قیامت بھی تقریباً پچاس ہزار سال کا راستہ ہوگا، چاہیئے کہ تمام اوقات میں سے کوئی گھڑی بھی یادِ حق سے خالی نہ گذرے۔

ضمناً، بندہ نے عرض کیا، میرے دل میں اکثر یہ خیال آتا ہے کہ میں آپ کی توجہ سے عشق و محبّت کے مرتبے کو پہنچوں، لیکن کیا کروں نفسانی خطرے اور شیطانی وسوسے راستے میں حائل ہیں؟ فرمایا۔ یہ کوئی ایک دو دن کا تھوڑا ہی کام ہے، بلکہ تمام عمر راہِ حق میں صرف کردینی چاہیئے، خدا کی محبّت جس قدر زیادہ ہو۔ اسی قدر خطرات کم ہوجاتے ہیں۔ سالک کو راہِ حق میں تنگ حوصلہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ ہمیشہ پُراُمید رہنا چاہیئے کہ آہستہ آہستہ وہ قربِ ذات کی منزل میں پہنچ جائے گا۔

بعدازاں، سلطان سکندر اعظم کی حکایت بیان کی کہ وہ ایک نہایت ہی آباد و خرم ملک میں پہنچا، وہاں ایک گورستان سے اس کا گذر ہوا۔ جس میں ہر قبر کے سرہانے ایک پتھر لگا تھا اور پتھر پر مدفون کی عمر لکھی ہوئی تھی، کسی کی دو سال، کسی کی چار سال اور کسی کی دس سال، حتیٰ کہ دس سال سے زیادہ کسی کی عمر نہ تھی، سکندر اعظم کو تعجّب ہوا کہ یہ لوگ انتہائی کم عمر ہیں، چنانچہ وہاں کے لوگوں نے اسے بتایا کہ ان مُردوں کی عمریں بہت لمبی تھیں،

مگر ہمارے نزدیک صرف وہی عمر قابلِ شمار ہوتی ہے جو یادِ الٰہی میں صرف ہو، لہٰذا ان کی عمریں ان کی عبادت کے مطابق لکھی گئی ہیں۔

پھر فرمایا۔ عبادت کی ابتداء استغفار اور انتہا تسلیم و رضا ہے۔

پھر فرمایا۔ ایک دن میں مکھڈ شریف جاتے ہوئے خوشاب میں اپنے ایک پرانے دوست کے ہاں گیا اور اس کا پتہ دریافت کیا، لوگوں نے بتایا وہ فوت ہو چکا ہے، یہ ذکر کرتے ہوئے آپ نے آبدیدہ ہو کر جامی کا یہ شعر پڑھا ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

بعد ازاں، فرمایا۔ بہت سے دانا لوگ ہر مسئلہ عقل کے سپرد کر دیتے ہیں لیکن تقدیرِ الٰہی کے مقابلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ پس جب اس ہستیٔ موہوم کا کچھ اعتبار نہیں اور یہ محض چند روزہ ہے، تو بہتر یہی ہے کہ یہ قلیل مدت یادِ الٰہی میں ہی صرف کر دی جائے۔

پھر فرمایا۔ جب کسی آدمی کو حق تعالےٰ کی خوشنودی حاصل ہو جائے تو اس کے دین و دنیا کے تمام کام آسان ہو جاتے ہیں اور خدا کی خوشنودی تو اسی میں ہے کہ ہر حالت میں اس کی اطاعت کی جائے۔

بعد ازاں، سیال شریف کے باشندوں نے آپ کی خدمت میں التماس کی شدتِ افلاس کی وجہ سے ہم بالکل بے بس ہو چکے ہیں، دعا فرمائیں تاکہ اس مصیبت سے نجات ملے۔ آپ نے فرمایا۔ افسوس ہے چاروں طرف سے لوگ یہاں آکر فائدہ حاصل کرتے ہیں، نماز روزہ میں مشغول ہوتے ہیں، لیکن تم میں سے کسی کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اگرچہ خدا گناہوں کی وجہ سے کسی کی روزی تنگ نہیں کرتا لیکن عوام کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ذلت و قلت نازل کرتا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر نماز روزے پر استقامت کرو اور غیر کے حق سے خواہ وہ معمولی ہی ہو پرہیز کرو، اور خالق و مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں مستعد رہو، یقین ہے کہ نیکیوں کی برکت کی وجہ سے تم تمام مصیبتوں سے رہائی پاؤ گے۔

بعد ازاں، مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا، دعا فرمائیں تاکہ خدا بارش عنایت

کرے۔ فرمایا۔ میں تورات دن خدا سے خیریت کی دُعا کرتا ہوں لیکن ہمارے گناہوں کی شامت سے دنیا پر افلاس مسلّط ہوتا ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

شنیدم کہ بر مُرغ و مور و دداں
شود تنگ روزی ز فعلِ بداں

ترجمہ:۔ میں نے سُنا ہے کہ بُرے لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے چرند، پرند، کیڑے مکوڑوں اور درندوں پر روزی تنگ ہو جاتی ہے۔

مولوی صاحب مرولوی نے پھر عرض کیا کہ قحط کی وجہ سے لوگ نہایت لاچار ہو گئے ہیں۔ بادل برسنے کی صورت میں آتا ہے لیکن برستا نہیں۔ فرمایا۔ تمام کام خدا کے حکم کے تابع ہیں۔ واللہ یفعل مایشاء۔

پھر فرمایا۔ شاید ان کو یہی حکم ہوا ہوگا کہ وہ برسنے والی صورت دکھایا کریں۔ پس وہ خلافِ حکم کیوں کریں۔ لا تتحرك ذرة الا باذن الله۔

بعد ازاں فرمایا۔ خدا کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، چنانچہ حدیث شریف میں مذکور ہے:۔

سبقت رحمتی علیٰ غضبی میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

پھر فرمایا۔ اگر خدا کی رحمت غالب نہ ہوتی تو ہم گنہگاروں کو جنّت کی اُمید نہ ہوتی، اور یہ آس جو ہم لگائے بیٹھے ہیں محض اس کے فضل و کرم پر مبنی ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کبیرہ گناہ کرنے والوں کو بھی اپنے فضل سے بہشت میں جگہ دے دیتا ہے۔

پھر فرمایا۔ اپنی عبادت پر فخر نہ کرو۔ جس آدمی کو خدا کی رحمت اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، اس کی تمام بُرائیاں نیکیوں سے بدل جاتی ہیں۔ بندہ نے عرض کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قربِ حق زہد و عبادت پر موقوف نہیں، پس ہم کس لیے عبادت کریں؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ عبادت از روئے عقل ضروری ہے، اس کے ادا کرنے میں غفلت نہ کرنی چاہیئے، اور اُس کی عنایت تو اُس کا فضل ہے، جس پر چاہے کرے۔

بعد ازاں، شرف الدین نامی ایک شخص نے عرض کیا، دعا فرمائیں تاکہ مجھے عبادت کا ذوق حاصل ہو۔ فرمایا۔ سالک کا مقصود عبادتِ دوامی ہے اور حصولِ ذوق تو اس کے فضل کے علاوہ ممکن نہیں۔ ہو سکتا ہے کوئی آدمی اپنی کوشش کے باوجود منزلِ مقصود کو نہ پہنچے۔

بعد ازاں، غلام حسین قریشی نے عرض کیا، مجھے اشغال واذکار میں حضورِ قلب حاصل نہیں ہوتا، کوئی ایسا عمل فرمائیں فرمائیں جس سے ذوقِ عبادت حاصل ہو۔ فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ دن رات یادِ حق میں جان گدازی کرے۔ خواہ حضورِ دل حاصل ہو یا نہ ہو، کیونکہ عشق کے راستے میں طلب شرط ہے، پھر یہ شعر پڑھا ؎

گر نشاید بدوست راہ بردن شرطِ یاری است در طلب مردن

ترجمہ:۔ راستہ اگر دوست تک نہ لے جائے تو پھر بھی دوستی کا یہ تقاضا ہے کہ طالبِ صادق اپنی جان تلاش وجستجو میں صرف کر ڈالے۔

پھر فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ حسبِ مقدور عبادت میں کوشش کرے، دل کی حالت بدلنے والا وہ خود ہے جس طرح چاہے گا کرے گا۔

ضمناً مولوی غلام حسین قریشی نے یہ حدیث شریف پڑھی۔

القلب بین اصبعین من اصابع الرحمٰن (انسان کا) دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت خواجہ تونسوی کی خدمت میں ایک مرید نے عرض کیا کہ مجھے عبادت سے کوئی سرور حاصل نہیں ہوتا اور میں اس مغز خوری سے تنگ آچکا ہوں۔ فرمایا اوراد واذکار جانسوزی کے لیے ہی ہوتے ہیں نہ کہ آرامِ جان کے لیے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کو اپنی زندگی یادِ الٰہی میں گذارنی چاہیئے، زندگی عبادت کے لیے ہے، نفسانی خواہشات کے لیے نہیں ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

مجلس ۱۸

اخلاص اور ریا

ہفتہ کے دن قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی معظم الدین صاحب مرولوی، مولوی غلام محمد گجراتی، سیّد صالح شاہ سلطان پوری، غلام فرید بھروکھ اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریکِ مجلس تھے۔ اخلاص کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ سالک کو چاہیئے جو عمل بھی کرے خدا کی رضا کے لیے کرے، حدیث شریف میں مذکور ہے:۔

خالص الاعمال الذی تعلمه لله لا تحب ان یحمد علیه احد

اپنے اعمال کو اللہ کے لیے اس طرح خالص کر دے کہ ان پر کسی کا تعریف کرنا تجھے اچھا نہ لگے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ جب مومن صدق و اخلاص سے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اپنی خاص مہربانی کے ساتھ اس کی مدد کرتا ہے۔

بعد ازاں، ریا کی مذمت کا ذکر چھیڑا، سیّد اکرام شاہ نے عرض کیا کہ ایک دن میں جمعہ پڑھنے جامع مسجد میں گیا، واعظ ممبر پر بیٹھ کر پہلے تو صوفیائے کرام کے اوصاف بیان کرتا رہا پھر بعض اہلِ مجلس کی رعایتِ خاطر کے لیے صوفیاء کے خلاف تقریر کرنے لگا، حتیٰ کہ ان کے درمیان تنازعہ پیدا ہو گیا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اس زمانے کے اکثر واعظوں کا یہی طریقہ ہے کہ ریاکاری سے وعظ کرتے ہیں اور حق کو چھپا دیتے ہیں۔

مجلس ۱۹

محاسبہ اور مراقبہ

اتوار کی رات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی سلطان محمد ناڑوی، سیّد احمد شاہ ٹھلوی، صاحب زادہ شجاع الدین صاحب اور دوسرے یارانِ طریقت بھی حاضرِ خدمت تھے۔ محاسبے کے موضوع پر گفتگو شروع ہوئی۔ سیّد نیتھے شاہ نے عرض کیا بری خصلتوں سے کس طرح بچا جا سکتا ہے؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ سوتے وقت محاسبہ کرے کہ صبح سے اس وقت تک میں نے کون کون سے نیک کام اور کون کون سے بُرے کام کئے ہیں؟ اگر نیکی بڑھ جائے تو الحمد للہ کہے اور اگر بدی بڑھ جائے تو استغفار پڑھے، تاکہ قیامت کے دن اسے آسانی رہے۔ کتاب عین العلم میں مذکور ہے:۔

مرابطة النفس بالمحاسبة فی آخر النہار وفی آخر کل وقت وساعة وھو الینظر الی الفکر بعد العمل من الحسنات والسیئات۔ فورہ حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا وھواثر۔ من عمر (رض)

دن کے آخری حصے میں یا ہر ساعت کے آخری حصّے میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہا کرو، محاسبہ یہ ہے کہ اچھے یا بُرے اعمال کے بعد ان کا جائزہ لیا جائے۔ عمر فاروق رضؓ کا ایک قول ہے کہ۔ "اپنے نفس کا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ خود تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

قرآنِ پاک میں آیا ہے:۔

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، ہر شخص کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے؟

بعد ازاں، مراقبے پر گفتگو شروع ہوئی۔ میں نے مولوی معظم الدین صاحب مرولوی کی وساطت سے عرض کیا کہ آپ مراقبے کی ترکیب ارشاد فرمائیں، تاکہ ماسوا اللہ کے خطرات سے بچ کر عشقِ حقیقی تک رسائی حاصل ہو۔ خواجہ شمس العارفین نے تمام حاضرین کو رخصت کیا اور صرف بندہ کو اپنے پاس بٹھا کر پوچھا، تم کونسا وظیفہ پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا تہجد، اشراق اور اوّابین کے نفل، قرآنِ پاک کی منزل، دلائل الخیرات، درودِ مستغاث، کبریتِ احمر، اسبوع شریف، پاسِ انفاس، وقوفِ قلبی اور دوسرے وظائف جو آپ نے ارشاد فرمائے تھے، پڑھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ مراقبہ اللہ ناظری واللہ معی کرنا چاہیئے۔ جب اللہ ناظری کیا جائے تو یقین جاننا چاہیئے کہ خدا مجھے تمام حالات میں لکھنے، پڑھنے، کھانے، دیکھنے، سننے میں دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے۔

الم یعلم بان اللہ یریٰ — کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

اور اسی طرح مراقبہ اللہ معی میں سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ تمام حالات میں میرے ساتھ ہے، قرآنِ پاک میں مذکور ہے۔

وھو معکم این ما کنتم — اور تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔

مجلس ۲۰

توکّل اور صبر

پیر کے دن قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ سیّد احمد بھٹیلوی، امام بخش نذر بردار اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریکِ مجلس تھے۔ توکّل کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ اپنے آپ میں لازمی طور پر توکّل کی عادت پیدا کرے، چنانچہ خود باری تعالےٰ نے تاکید فرمائی ہے۔

وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین — اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم صاحبِ ایمان ہو۔

اور اسی طرح حدیث شریف میں مذکور ہے :۔

من سرہ ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ — جو شخص عام لوگوں سے قوی تر ہونے پر خوشی محسوس کرے اُسے چاہیئے کہ اللہ پر بھروسہ کرے۔

ضمناً بندہ نے دریافت کیا۔ توکّل کی کتنی قسمیں ہیں ؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ توکّل کی تین قسمیں ہیں :۔ ۱۔ یہ کہ انسان جس کام میں بھی مشغول ہو اس کا حاصل مِن جانب اللہ جانے اور اس کام پر بھروسہ نہ کرے، بقولِ رومی ؎

گر توکّل می کنی بر کار کن — کسب کن، پس تکیہ بر جبّار کن

ترجمہ :۔ توکّل یہ نہیں کہ تم ترکِ اسباب کر کے عاجز اور بے دست و پا ہو کر ایک کونے میں ٹھک کر بیٹھ جاؤ، بلکہ صحیح اسلامی توکّل یہ ہے کہ میدانِ عمل میں آؤ، معیشی ضروریات کی تسکین کے لیے کوئی دھندا اختیار کرو اور پھر ذاتِ باری پر پورا پورا بھروسہ رکھو کہ ہم جو کوشش بھی کریں اس کا نتیجہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ توکّل کی یہ قسم شریعتِ محمدیؐ کا مظہر ہے۔

۲۔ توکّل کی دوسری قسم یہ ہے کہ دل کو تمام ظاہری اور باطنی تعلقات سے منقطع کر کے حق تعالےٰ کی طرف متوجہ اور مشغول کیا جائے، حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ مل کر مقامِ وصال کی لذّتوں

سے محظوظ ہو، بقولِ سعدی ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی
چو پیوندہا بگسلی، واصلی

ترجمہ :- وصالِ یار تک پہنچنے کے لیے ہم نے لاکھوں جتن کئے اور بالآخر ثابت یہ ہوا کہ علائقِ دنیوی، اس مسلک میں، راستے کی رکاوٹ اور بے حاصلی کا باعث ہیں، اگر تم ان دنیوی رشتے ناطوں اور طرح طرح کی دلچسپیوں کے پھندے کو یکسر کاٹ کر، دل کو صرف یادِ دوست کے لیے مخصوص کرلو، تو پھر تم چشم زدن سے کہیں پہلے مقامِ وصال پر فائز و کامران ہو چکے ہوگے۔

توکل کی یہ قسم طریقت سے تعلق رکھتی ہے۔

۳۔ توکل کی تیسری قسم یہ ہے کہ انسان اپنی ہستیٔ موہوم کو اس طرح محو کردے کہ سوائے ذاتِ باری تعالےٰ کے کوئی چیز باقی نہ رہے، ہر جگہ اور ہر حالت میں صرف وہی رہے۔ توکّل کی یہ قسم حقیقت سے تعلق رکھتی ہے۔

بعد ازاں، مولوی سراج الدین نے عرض کیا کہ اس سے پہلے میں کھیتی باڑی کرتا تھا، اب ضعفِ بدن اور منافع نہ ملنے کی وجہ سے میں نے اس پیشے کو چھوڑ دیا ہے، کوئی چیز ارشاد فرمائیں، جس سے میرے کنبے کی معیشت کی کوئی صورت نکل آئے۔ فرمایا۔ صوفیوں کی کاشتکاری اہلِ دنیا سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اہلِ دنیا مال اور غلّہ حاصل کرنے کے لیے کھیتی باڑی کرتے ہیں، لیکن صوفیائے کرام اپنے آپ کو ملامت کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے ذہن میں یہ بات رہے کہ یہ بھی اہلِ دنیا میں سے ہیں۔

پھر خواجہ محمد باراں، خلیفہ خواجہ تونسوی کا ذکر کیا۔ کہ وہ بھی کھیتی باڑی کرتے تھے، لیکن غلّہ کبھی بھی اپنے گھر نہ لائے۔

بعد ازاں، کسی شخص نے عرض کیا، دعا فرمائیں کہ نوکری کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، کیونکہ میں اپنے کنبے کے خرچ سے تنگ ہوں۔ فرمایا۔ اکثر لوگ اپنے دماغ میں نوکری کی محبت رکھتے ہیں اور اسے اپنی روزی کا وسیلہ سمجھتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ خدا نے انھیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کی روزی اس نے خود اپنے ذمّہ لی ہے، قرآنِ پاک میں

مذکور ہے :۔

ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا ہ زمین پر چلنے پھرنے والی کوئی چیز ایسی نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔

بعد ازاں، سید مہتاب شاہ خلخالی نے عرض کیا، کہ اس سے پہلے میں نوکری کا خواہشمند تھا، لیکن اب جو کچھ آپ فرمائیں، میں اسی طرح کروں گا۔ فرمایا۔ اگر شرعی شرائط کے مطابق کھیتی باڑی کرو اور اس میں وظائف بھی قضا نہ کرو تو یہ بہتر ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ کی آنکھ میں درد ہوا، انھوں نے خدا تعالےٰ سے مناجات کی کہ اے خدا میری آنکھ کی صحت کے لیے کوئی چیز ارشاد فرما، حکم ہوا اے موسےٰ فلاں بوٹی استعمال کرو، انھوں نے حسبِ حکم وہ بوٹی استعمال کی لیکن فائدہ نہ ہوا، انھوں نے پھر عرض کیا۔ اے خدا میں تیرا حکم بجالایا لیکن صحت بحال نہیں ہوئی، حکم ہوا کسی طبیب سے اپنی بیماری کا علاج پوچھو۔ موسےٰؑ نے کہا اے خدا میں تو تیرے سوا کسی کو طبیب نہیں سمجھتا، حکم ہوا جو کچھ تم نے کہا ٹھیک ہے، لیکن یہ دنیا عالمِ اسباب ہے، جو آدمی اسباب کا وسیلہ اختیار کرتا ہے، میں اپنے قانون کے مطابق اس کا کام کر دیتا ہوں۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے کسی طبیب سے دوا لی اور خدا نے انھیں صحت بخشی۔

بعد ازاں، قاضی سید احمد خوشابی نے عرض کیا، میرا ایک دوست دِق میں گرفتار ہے، دعا فرمائیں خدا اسے صحت بخشے۔ فرمایا۔ اس قسم کے امراض بہت کم صحت پذیر ہوتے ہیں، لیکن اگر خدا شافی الامراض ہے تو وہ اپنے فضل و کرم سے صحت بخشے گا، کسی بزرگ نے ان امراض کے لاعلاج ہونے کے متعلق کہا ہے ؎

تپ دِقِ جوان و فالجِ پیر
گر افلاطوں بیاید، نیست تدبیر

بعد ازاں، کچھ وقت کے لیے خوش طبعی کی باتیں ہونے لگیں۔ مسماۃ بانو نے جو آپ کی روٹی لاتی تھی، عرض کیا کہ سید محمد سعید لاہوری آیا ہے اور کہتا ہے کہ آپ مذکورہ تذکرہ پھر سے بیان کریں تاکہ میں اسے لکھ لوں۔ آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا۔ موضع کھڈ میں تین آدمی رہتے

تھے جن کے نام قبولؔ ، اختیارؔ اور پناہؔ تھے۔ ایک دن تین عورتیں آپس میں دل لگی کر رہی تھیں، ایک عورت نے دوسری سے کہا۔ "تمہارا پڑھاپڑھایا قبول ہو"۔ دوسری نے کہا۔ "تمہارا اختیار ہے"۔ تیسری نے کہا۔ "خدا تجھے پناہ دے"۔ ان میں سے ہر ایک کا اشارہ مذکورہ تین اشخاص کی طرف تھا۔ ایک دوسرے کو وہ شوہری نسبت سے خطاب کر رہی تھیں۔

بعدازاں، تبسم کرتے ہوئے فرمایا۔ دو آدمی یہاں آئے، میں نے ان سے پوچھا تمہارا نام اور ذات کیا ہے؟ انہوں نے کہا ذات سیّد ہے اور ہمارا نام جھوٹے شاہ اور سنڈھے شاہ ہے۔ میں نے تعجّب سے کہا سبحان اللہ ذات کیسی ہے اور نام کیسے ہیں!

پھر فرمایا۔ ایک دھوبی آیا، میں نے اس سے نام پوچھا، اس نے کہا میرا نام شاہجہان ہے، یہ بھی تعجّب انگیز ہے کہ ذات دھوبی اور نام شاہجہان۔

ضمناً، مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا، میں نے بھی ایک آدمی دیکھا جو پاؤں سے لنگڑا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے تھے اور سخت آشفتہ حال تھا، میں نے اس سے نام پوچھا۔ اس نے کہا میرا نام سلطان سکندر ہے، مجھے اس سے تعجب ہوا کہ کیا ہی عمدہ مناسبت ہے؟ اس سے تمام اہلِ مجلس ہنس پڑے۔

بعدازاں، بندہ نے عرض کیا، معاش کے لیے کوئی کام تجویز فرمائیں۔ جس سے حلال روزی میسّر آئے۔ فرمایا۔ کسبِ معاش تو رسولِ خدا کی سُنّت ہے، لیکن توکّل صوفیاء کے نزدیک فرض ہے۔ کیونکہ خدا نے توکّل کی تاکید فرمائی ہے:-

وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین — اللہ ہی پر توکّل کیا کرو، اگر تم صاحبِ ایمان ہو۔

پس سالک کو چاہیئے کہ ہر حالت میں متوکّل علی اللہ رہے، اور اپنی روزی کا انحصار اپنے پیشے پر نہ سمجھے۔

بعدازاں، خواجہ حمید الدین ناگوری کے توکّل کا ذکر چھڑا، فرمایا۔ خواجہ صاحب توکّل

اور زہد میں حدِ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے پورے گھر میں ایک چادر کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا۔ جب وہ نماز کے لیے مسجد میں جاتے تو ان کی بیوی غلّہ دان میں بیٹھتی اور وہ اپنے بدن پر چادر لپیٹ کر نماز پڑھتے اور جماعت کے بعد دُعا کا انتظار کیے بغیر جلدی گھر لوٹ آتے، پھر اپنی بیوی کو، نماز پڑھنے کے لیے، وہی چادر دیتے اور خود غلّہ دان میں جا بیٹھتے۔ ایک دن بادشاہِ وقت نے دریافت کیا کہ آپ دُعا کا انتظار کیوں نہیں کرتے، لوگوں نے آپ کی خانگی حالت بیان کی۔ بادشاہ نے آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اگر منظور فرمائیں تو میں کچھ رقم ماہانہ وظیفہ مقرر کر دوں۔ خواجہ صاحب نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا، بیوی نے کہا اگر آپ یہ وظیفہ قبول کر لیں گے تو متوکّلین کی فہرست سے آپ کا نام کاٹ دیا جائے گا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ جب تک مرید صبر و توکّل و یقین پیدا کرنے کے ساتھ دل کو ماسوا اللہ سے منقطع نہ کر لے تو اس کی نماز خدا کے حضور کیسے منظور ہو؟ پھر یہ شعر پڑھا:

برزباں تسبیح و در دل گاؤ و خر　　　　ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر؟

ترجمہ:۔ زبان پر تو اللہ اللہ کا ورد جاری ہے اور دل میں بیلوں اور گدھوں کا تصوّر منڈلا رہا ہے، ایسی تسبیح کا کیا خاک اثر ہو؟

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں' ۱۔ توکّل ۲۔ تحمّل ۳۔ صبر۔ اور انہی سے وہ قرب کے مرتبے تک پہنچتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ صبر کا مرتبہ سخاوت سے اونچا ہے، بھوک کا مرتبہ پیٹ بھر کر کھانے سے بلند ہے، جس مرتبے تک صابر پہنچے ہیں۔ اہلِ سخاوت کو وہاں کی خبر بھی نہیں اور جس مقام پر فاقہ کش پہنچتے ہیں۔ امراء کو وہاں کی بو بھی نہیں پہنچتی۔

بعد ازاں، ایک شخص نے عرض کیا، کہ سلسلۂ صابریہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ فرمایا۔ حضرت فرید الدین گنج شکر کے خلفاء میں سے دو اصحابِ ولایت کے مرتبے میں صاحبِ کمال ہوئے ہیں، ایک حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور دوسرے حضرت مخدوم علی احمد صابرؒ۔ حضرت صابرؒ نے اپنی اکثر عمر ویرانوں میں گذاری اور اشیائے خوردنی کو ترک

کئے رکھا، لیکن افطار کے وقت تھوڑے سے باتھو کے پتے اُبال کر تناول فرما لیتے، اسی سبب سے آپ کا نام صابر پڑ گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بچپن میں آپ کی والدہ آپ کو حضرت گنج شکرؒ کے سُپرد کر گئیں۔ حضرت نے آپ کو لانگری مقرّر کیا۔ حسبِ حکم وہ لنگر تقسیم کرتے لیکن خود کوئی چیز نہ کھاتے، جب مدّتِ دراز کے بعد حضرت گنج شکرؒ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو آپ نے انہیں صابر کا لقب دیا اور پھر آپ اسی نام سے مشہور ہوئے۔

بعد ازاں، حمد و شکر کا موضوع چھڑا۔ فرمایا۔ وہ تمام اوصاف جنہیں زبان ادا کرتی ہے "حمد" کہلاتے ہیں اور وہ تمام افعال جو اعضاء و جوارح سے صادر ہوتے ہیں، شُکر کہلاتے ہیں، ان کی تفصیل سلوک کی کتابوں میں بیان کی گئی ہے۔

مجلس ۲۱

اِحسان و تحمّل اور غصّہ

اتوار کے روز قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی ۔ مولوی سلطان محمد ناڑوی ، غلام محمد درویش ، امام بخش نذر بردار ، سیّد اللہ بخش حاجی پوری اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریکِ مجلس تھے ۔ غصّے کی مذمّت کا موضوع شروع ہوا ۔ کسی شخص نے عرض کیا ، مجھ میں غصّہ بہت زیادہ ہے اور جب میرے اندر غصّے کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے تو میں آپے سے باہر ہو کر کوئی نقصان کر بیٹھتا ہوں ، اور اس کے بعد پشیمان ہوتا ہوں ۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ کہ اب تم بوڑھے ہو چکے ہو ، تمہیں غصّہ کرنا زیب نہیں دیتا ، بلکہ سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو ہر ایک کو فائدہ پہنچاتا ہے ، خوش دل کرتا ہے ، اور مسلمانوں کے نقصان سے پرہیز کرتا ہے ، اور کسی کو رنجیدہ خاطر نہیں کرتا ، اسی میں سعادتِ دارین ہے ، جیسا کہ حدیثِ شریف میں مذکور ہے :۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَ یَدِہٖ — مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں ۔

اسی طرح ایک اور حدیث شریف ہے ۔

خیر الناس من ینفع الناس — اچھا آدمی وہ ہے جس سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچے ۔

بعد ازاں ، اسی موضوع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا واقعہ بیان کیا کہ ایک دن رسولِ خدا نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا مانگو جو جی چاہے ۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنے والد صاحب سے مشورہ کر کے عرض کروں گی ۔ پس انہوں نے اپنے والد گرامی سے مشورہ کیا ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا یہ عرض کرو کہ یا رسول اللہ وہ اسرار جو خدا نے آپ کو معراج کی رات بخشے تھے اور ان کے اظہار سے منع کیا تھا ، ان میں سے ایک راز ارشاد فرمائیں ۔

جب رسولِ خدا نے یہ سُنا تو قدرے متفکّر ہوئے کہ اب کیا کیا جائے، خدا تعالےٰ نے ان اسرار کا اظہار منع کیا ہے اور میں عائشہ رضؓ سے بھی وعدہ کر چکا ہوں کہ جو جی چاہے مانگ لو۔ اسی اثناء میں جبریلؑ آئے اور عرض کیا کہ خدا نے آپؐ کو اختیار دیا ہے۔ آپ بیشک ایک راز بتا دیں۔ رسولِ خدا نے حضرت عائشہ رضؓ کو بتایا کہ اُن رازوں میں سے ایک راز یہ ہے کہ جب کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی کانٹا چبھنے کے برابر کی تکلیف بھی رفع کرے تو خدا اس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے اور جنّت میں اسے اعلیٰ درجہ ملے گا۔

جب یہ خبر صحابۂ کرام کو پہنچی تو وہ خوش ہوئے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے رونا شروع کر دیا۔ حاضرین نے آپ سے اس رونے کی وجہ پوچھی، آپ نے کہا میں اس لیے روتا ہوں کہ جب اتنا معمولی سا کام گناہوں کی معافی اور جنّتی ہونے کا سبب بن سکتا ہے تو ان لوگوں کا حشر کیا ہوگا جو گناہوں میں غرق رہتے ہیں اور دوسروں کو دُکھ پہنچاتے ہیں۔

بعد ازاں، مصیبت اور دُکھ میں تحمّل کے موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ بندہ نے عرض کیا کہ ایک آدمی میرے ساتھ دشمنی رکھتا ہے، میں کیا کروں؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ مصیبت میں تحمّل سے کام لے تاکہ صوفیا کے زُمرے میں اس کا شمار ہو سکے، حدیث شریف میں مذکور ہے :۔

من تحمل ببلاء اللّٰہ و ببلاء الناس فھو صوفی الصافی

جو اللہ تعالےٰ اور انسانوں کی طرف سے آنے والے مصائب کو برداشت کرے وہی سچّا صوفی ہے۔

پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقتِ ما کافری است رنجیدن

ترجمہ :۔ ہم ہر حال میں محبوب کے ساتھ کیئے ہوئے عہد محبّت کو نبھا رہے ہیں، لوگوں کی طرح طرح کی ملامت بھی بڑے صبر و تحمّل سے سُنتے ہیں اور اس پر اپنے آپ

خوش ہی رکھتے ہیں کیونکہ ہمارے مذہب "ہمہ از اوست" میں، حالات کی ناموافق صورتِ حال سے متاثر ہو کر گرفتہ خاطر ہونا عین کفر ہے۔

تفسیرِ حسینی میں لکھا ہے کہ خدا نے پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا کہ یا رسول اللہ مومنوں سے کہہ دو کہ وہ کافروں سے وہی بات کریں جو اچھی ہو، یعنی کافروں کی ایذا کے مقابلے میں سخت بات نہ کریں بلکہ دُعا دیا کریں۔ تبیان میں لکھا ہے کہ کسی بدکیش نے حضرت عمرؓ کو گالی دی، آپ نے بھی جواب میں گالی دینا چاہی تو خدا نے پیغمبرؐ پر یہ آیت نازل کر کے مہربانی اور عفو کی تاکید کی۔

قل لعبادی یقول التی ھی احسن — میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ (مخالفین کی جہالت کے مقابلے میں) وہی بات کہیں جو بہتر ہو۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا، کہ لوگ میرے ساتھ دشمنی کرتے ہیں، ان کے ضرر کا توڑ ارشاد فرمائیں۔ فرمایا۔ مومنوں کے ساتھ دشمنوں کی عداوت زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے، چنانچہ کافر اور منافق رسولِ خدا سے بھی بے حد عداوت کرتے تھے۔ اسی طرح بہت سے حاسدوں اور بدخواہوں نے اولیائے کرام سے بھی دشمنی کی ہے، لہٰذا درویش کو چاہیئے کہ جب کوئی ایذا اور مصیبت آپڑے تو صبر و تحمّل سے کام لے۔

بعد ازاں، اسی موضوع پر ایک واقعہ بیان کیا کہ —— چند رند پاکپتن شریف آئے۔ انہوں نے مولانا فخر الدینؒ کا چرچا سُنا کہ مرتبۂ توحید میں وہ صاحبِ کمال ہیں۔ ان میں سے ایک رند نے اپنے سردار رند سے پوچھا اگر اجازت ہو تو میں ان کا امتحان کروں۔ پس وہ رند خنزیر کا ایک بچہ لے کر بازار میں بیٹھ گیا۔ جب مولانا اس بازار سے گذرے تو رند نے کہا۔ اے ملّا میری طرف آ۔ مولانا صاحب کا ایک درویش اس کی طرف گیا۔ اس نے کہا تمہارے ساتھ مجھے کچھ کام نہیں۔ میں نے اس ملّا کو بُلایا ہے۔ پھر مولانا اس کے پاس گئے۔ رند نے کہا۔ اس رومال کو ہاتھ میں پکڑ کر بھنگ کا پانی صاف کرو۔ جب مولانا نے رومال ہاتھ میں لیا۔ تو اس نے کہا کہ تم کبھی لوگوں کی مجلس میں نہیں بیٹھے۔

تمہیں تو رومال پکڑنا بھی نہیں آتا۔ پھر اس نے کہا تمہارا نام کیا ہے۔ آپ نے کہا۔ فخر۔
وہ ہنس پڑا اور اس نے کہا۔ اس خنزیر کا نام بھی فخر ہے۔ پھر اس نے کہا حقہ تیار کرو۔
آپ نے حقہ تیار کر دیا۔ اس نے کہا اسے پیئو۔ آپ نے تعمیل کی اور پھر حقہ اسے واپس دے
کر روانہ ہوئے۔ جب وہ رند اپنے سردار کے پاس پہنچا اور اس نے مولانا صاحب کی کیفیت
بیان کی تو سردار رند نے کہا۔ وہ خوب رند ہیں۔ جس طرح سُنا تھا انہیں ویسا ہی پایا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مولانا فخر الدینؒ اپنے چند درویشوں کے ہمراہ ایک تالاب کے کنارے
سے گزرے اور دیکھا چند ہندو وہاں غُسل کرتے ہیں اور برہمنوں کو کچھ نقدی دیتے ہیں،
لیکن ایک بوڑھا برہمن نہانے کا سامان لے کر مایوسانہ صورت بنائے بیٹھا تھا۔ مولانا نے
اپنے درویشوں سے فرمایا، اگر مجھ پر ناراض نہ ہو تو میں اس برہمن کو خوش کر دوں۔ درویشوں
نے کہا۔ ہماری کیا مجال ہے کہ آپ کے کام پر ناخوش ہوں۔ پس مولانا اپنا لباس ہندوؤں
کی طرح بنا کر اس کے پاس گئے اور کہا۔ میں نہانے کے لیے آیا ہوں۔ وہ برہمن خوش
ہو گیا اور اس نے اپنے طریقے کے مطابق مولانا کو غُسل کرایا۔ مولانا نے اسے پانچ روپے
دیئے اور بڑی معذرت کی کہ فی الحال اس قلیل معاوضے ہی کو کافی سمجھو۔ برہمن بڑا خوش
ہوا اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ غُسل کی اتنی بڑی اُجرت تو مجھے آج تک کبھی نہیں ملی
تھی جتنی اس شخص نے دی ہے۔ مولانا نے اپنے مکان پر آکر تجدیدِ غُسل کر کے اپنا پاکیزہ لباس
پہنا۔ دوسرے دن پھر اسی برہمن کے پاس جا کر غُسل کیا اور اسے دس روپے دیئے، تیسرے
دن پندرہ روپے دے کر غُسل کیا۔ جب واپس آنے لگے تو برہمن بھی دبے پاؤں ان کے
پیچھے پیچھے ہو لیا۔ مولانا تجدیدِ غسل کر کے مسجد میں جا بیٹھے تو وہ برہمن بھی آپ کی خدمت میں حاضر
ہوا اور عرض کیا۔ مجھے دینِ محمدیؐ سکھاؤ۔ پس مولانا صاحب نے اس برہمن اور اس کے
متعلقین کو مسلمان کیا اور اسے اپنا خلیفہ بنا لیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن مولانا فخر الدین پالکی میں بیٹھ کر بازار سے گزر رہے تھے
ایک ہندو بچے نے انتہائی محبّت کے ساتھ تھوڑی سی مٹھائی آپ کو دی اور کہا آپ اسے
کھائیں گے تو میں بہت خوش ہوں گا۔ اتفاق سے رمضان کا مہینہ تھا، مولانا نے تھوڑی

سی مٹھائی کھالی، چند بازاری آدمی اور بعض مرید بھی بے اعتقاد ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ آپ نے شرعی روزہ کس لیے توڑا؟ مولانا نے فرمایا۔ روزہ توڑنے کے تین کفاروں میں سے کوئی ایک ادا کرنا پڑتا ہے، یا غلام کو آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ساٹھ روزے پے درپے رکھنا۔ میں ان تینوں کفاروں کو ادا کرتا ہوں۔ درویشوں نے پوچھا۔ آپ کے اس فعل میں کیا حکمت تھی؟ فرمایا ایک دل دُکھانے سے روزے کا کفّارہ آسان ہے۔

بعد ازاں، ماہِ صفر کا ذکر شروع ہوا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ماہِ صفر میں ہزارہا بلائیں نازل ہوتی ہیں، اس لیے جب صفر کا مہینہ آئے تو اس کی آفتوں سے خدا کی پناہ مانگو اور عافیت طلب کرو اور صدقہ دو۔

پھر فرمایا۔ رسولِ خدا صفر کے مہینے میں بیمار ہوئے اور اسی مہینے کے آخری بدھ کو خدا نے آپ کو صحت دی۔ رسولِ خدا نے فرمایا:۔

من بشرنی بخروج الصفر — جو مجھے ماہِ صفر سے نکلنے کی خوشخبری سُنائے

فقد بشرته بدخول الجنته — میں اُسے جنّت میں داخل ہونے کی خوشخبری سُناتا ہوں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک مرتبہ صفر کے مہینے میں، خواجہ تونسوی کی خدمت میں بندہ فقیر، فاضل شاہ اور چند دوسرے دوست حاضرِ خدمت تھے۔ خواجہ تونسوی نے یہی حدیث پڑھی: — "من بشرنی بخروج الصفر فقد بشرته بدخول الجنته"۔ چنانچہ جب صفر کا مہینہ ختم ہو گیا تو میں اور بعض دوسرے دوستوں نے مل کر ربیع الاوّل کا چاند دیکھنے کی کوشش کی تو اتفاقاً میں نے تمام دوستوں سے پہلے چاند دیکھ لیا، میرے بعد فاضل شاہ اور پھر دوسرے لوگوں نے دیکھا۔ فاضل شاہ دوڑا کہ میں تمام لوگوں سے پہلے خواجہ تونسوی کی خدمت میں چاند کی اطلاع کروں، میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑ کر اس کی قمیص پکڑ لی، حتیٰ کہ وہ پھٹ گئی۔ لیکن خواجہ صاحب کے پاس وہ مجھ سے پہلے پہنچ گیا، لیکن ابھی وہ کچھ کہہ نہ پایا تھا کہ میں بھی پہنچ گیا، معاً حاجی بختا بول اٹھا، چاند ہو گیا ہے۔ خواجہ صاحب نے پوچھا۔ پہلے کس نے دیکھا ہے؟ حاجی موصوف نے

میری طرف اشارہ کیا، پس آپ نے مجھ پر بے حد شفقت فرمائی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حلم کو علم پر مقدم رکھنا چاہیئے۔ میاں اسماعیل نے عرض کیا۔ اکثر لوگ مولوی غلام رسول چاوے والا کے وعظ پر خوش نہیں ہوتے۔ کیونکہ وعظ کے دوران وہ غضبناک ہوکر نازیبا باتیں کرنے لگتا ہے، فرمایا۔ عالم کو چاہیئے کہ جب وعظ نصیحت کرے تو حلم اختیار کرے کیونکہ حلم کے بغیر علم درختِ بے ثمر اور نانِ بے نمک ہے۔

بعد ازاں، سیّد فضل شاہ نے عرض کیا، فلاں آدمی آپ کے بارے میں نامناسب باتیں کرتا ہے اور آپ اس کے ساتھ بڑی مہربانی فرماتے ہیں۔ فرمایا۔ ہر آدمی اپنی فطرت کے مطابق کام کرتا ہے، اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

ہر یکے بر خلقتِ خود می تند
مہ فشاند نور سگ عوعو کند

ترجمہ:۔ ہر چیز اپنی فطرت اور اصلیت کے مطابق کام کرنے پر طبعاً مجبور ہے۔ چاند اپنی نورانی کرنیں بکھیرتا رہتا ہے، اور کتّا چاند کے عمل پر ناخوش ہوکر بھونکتا رہتا ہے۔

مجلس ۲۲

سخاوت مہمان نوازی اور اعراسِ خواجگان

پیر کی رات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ سیّد صالح شاہ سلطان پوری، غلام محمد درویش پوٹھوہاری، امام بخش نذر بردار اور دوسرے دوست بھی شریکِ مجلس تھے۔ سخاوت کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ سخاوت اور ایثار میں فرق ہے۔ سخاوت یہ ہے کہ اپنے بال بچوں کے کھانے اور پہننے اور دوسری ضروریات سے بچی ہوئی چیز کو خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ ایثار یہ ہے کہ مفلسی کے باوجود اپنی ہر چیز خدا کی راہ میں قربان کر دی جائے اور اپنے نفس کو محروم رکھا جائے۔

ضمناً، آپ نے یہ آیت پڑھی :۔

یؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصہ — وہ تنگدستی کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔

پھر، یہ شعر پڑھا ؎

بہ ایثار مرداں سبق بردہ اند — زِ شب زندہ داراں کہ دل مُردہ اند

ترجمہ :۔ بے دریغ ایثار کرنے والے لوگ اُن لوگوں سے بہت آگے بڑھ جاتے ہیں جو ایثار تو نہیں کرتے لیکن راتوں کو جاگ جاگ کر اپنے مُردہ دل کو بیدار کرنے کے لیے طرح طرح کی عبادتوں میں لگے رہتے ہیں۔

بعد ازاں، مولوی نور احمد چنیوٹیؒ نے عرض کیا کہ حضرت مولانا و مرشدنا امام علی شاہؒ فرماتے تھے۔ جو شخص نماز اور دوسری عبادتوں کا تارک ہو، اس پر ہمارے لنگر کا کھانا حرام ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ حضرت خواجہ تونسوی، تمام مظاہر میں ظہورِ ذات کا

مشاہدہ کرتے ہوئے، ہر ایک کی خدمت کرتے تھے، چنانچہ چند ہندو بھی علمِ انشاء وغیرہ پڑھنے کے لیے لنگر میں رہتے تھے اور حضرت خواجہ تونسوی نے ان کا وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ ایک رند بھی آپ کی خدمت میں رہتا تھا۔ دو روپے ماہوار اس کا وظیفہ مقرر تھا، اسی طرح بہت سے درویش بھی آپ کے وظیفوں پر گزر بسر کرتے تھے۔

بعدازاں، فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ اگر اس کی کوئی گمشدہ چیز دستیاب ہو جائے۔ تو اسے خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالے تاکہ وہ اس کی نحوست سے محفوظ رہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ ایک صوفی کے پاس ایک اونٹ تھا۔ ایک دن چوری ہو گیا لیکن کچھ مدت کے بعد وہ مل گیا، مگر اسے گھر میں رکھنے سے اتنی نحوست پھیلی کہ صوفی کے دل سے نورِ عرفان رخصت ہو گیا۔

بعدازاں، روٹی دینے کے فضائل پر گفتگو شروع ہوئی۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ایک دن سید اکرام شاہ نے مجھ سے اپنے سفر کا حال بیان کیا کہ ایک دن میں ایک درویش کے ساتھ سیال شریف آرہا تھا۔ جب ہم بھیرہ میں مولوی احمد دین صاحب بگوی کی مسجد میں پہنچے تو وہاں کے درویشوں نے کہا۔ یہاں سے چلے جاؤ اور فلاں مسجد میں رات گزارو تاکہ تم بھوکے نہ مرو۔ میرے درویش نے کہا۔ اگر تمہارے پاس روٹی کی توفیق نہیں تو تم نے یہ "وہاب گڑھ" کیوں تعمیر کر رکھا ہے؟

بعدازاں، فرمایا۔ خواجہ تونسوی کا ایک مرید صوفی فتح محمد مجھ سے ملا اور اس نے کہا کہ میں مولوی سرفراز کو خواجہ تونسوی کا خلیفہ تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ روٹی دینا خواجگانِ چشت کا خاصہ ہے اور وہ اس عمل کا تارک ہے۔ میں نے کہا۔ وہ عجیب آدمی ہے حالانکہ جو خلافت سے سرفراز ہوتا ہے، اس کا دستر خوان تو کشادہ ہی رہتا ہے۔

بعدازاں، نور مصطفٰے قریشی نے عرض کیا، میرے پاس بہت سے مہمان آتے ہیں، دعا فرمائیں کہ ان کی مناسب خدمت مجھ سے ہوتی رہے۔ فرمایا۔ مہمان دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو انسان کے ذاتی مہمان، دوسرے خدائی مہمان۔ ذاتی مہمانوں کا کوئی اعتبار نہیں، لیکن خدائی مہمان جب کسی کے پاس آتے ہیں تو موجبِ خیر و برکت بن کر آتے ہیں۔

بعدازاں، ملکہ زبیدہ کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ ایک دن ملکہ زبیدہ نے خواب دیکھا کہ روئے زمین کے لوگ میرے ساتھ جماع کر رہے ہیں۔ اس نے خواب کی تعبیر کے لیے ایک کنیز حضرت امامِ اعظم کی خدمت میں بھیجی اور ہدایت کی کہ امام صاحب کو بتانا کہ یہ خواب میں نے خود دیکھا ہے۔ کنیز نے اسی طرح کہا۔ امام صاحب نے فرمایا تو اس قسم کے خواب کے لائق نہیں۔ پھر کنیز نے کہا کہ یہ خواب ملکہ زبیدہ نے دیکھا ہے۔ امام صاحب نے تعبیر یہ بتائی کہ زبیدہ سے کوئی ایسا کام ہوگا جس سے اکثر لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔ اس سے زبیدہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر حرمین شریفین کے درمیان نہر جاری کرائی جائے تو زہے نصیب۔ پس اس کے بعد اس نے مجوزہ منصوبے کی تکمیل کی اور نہر جاری کی، جس کا ابھی تک فیض جاری ہے، انسان اور حیوان تمام اس سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

بعدازاں، ایک شخص نے مویشیوں کی وباء کے لیے دافع پوچھا، فرمایا۔ دفعِ بلا کے لیے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

الصدقۃ قطفی غضب الرّب — صدقہ و خیرات سے اللہ کا غضب ختم ہو جاتا ہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ ایک دن شہر مکہ معظمہ میں آگ لگ گئی۔ اس پر قابو پانے کی تمام کوششیں بیسود گئیں اور آگ برابر پھیلتی گئی۔ لوگ خوفزدہ ہو کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے اور اپنا ہراس بیان کیا۔ آپ نے کہا۔ صدقہ دو۔ انھوں نے کہا ہم نے بہتیرے صدقے دیئے ہیں مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا صدقہ ریا کی وجہ سے قبول نہیں ہوا، اب پھر خلوصِ نیّت سے صدقہ دو۔ انہوں نے تعمیل کی اور آگ پر فوراً قابو پالیا گیا۔

بعدازاں، فرمایا۔ ایک مرتبہ میں اپنے مطالعہ کی کتابیں اور کچھ نذرانہ لے کر خواجہ تونسوی کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ موضع ماڑی میں مجھے رات آگئی، وہاں میرا سامان اور نذرانے کی رقم چوری ہوگئی۔ میرے ساتھی نے کہا۔ یا اللہ یہ چیزیں ہم تیرے لیے ہی لائے تھے۔ تو نے لینے میں سبقت کیوں کی؟ میں نے کہا جو شخص اپنے

ہاتھ سے صدقہ کرے اسے قیامت کے دن دس گنا اور جس کا مال چوری ہو جائے اُسے دو سو گُنا ملے گا۔

بعدازاں، کُتے کی وفاداری کا ذکر آیا، احمد دین درویش نے عرض کیا کہ صاحب زادہ محمد دین صاحب کے کہنے کے مطابق میں نے لنگر کی مُرغیوں اور کبوتروں کی حفاظت کے لیے ایک کتّا پال رکھا تھا۔ جو کچھ مدّت کے بعد ہم نے ملک خدا بخش کو دے دیا، دو تین دن تو ان کے پاس بندھا رہا، جب انھوں نے کھولا تو فوراً دریا عبور کر کے یہاں آ گیا اور ابھی تک یہیں ہے۔ آپ نے پوچھا۔ کونسا ہے؟ اس نے بتایا وہ جو مشرقی کنویں کے پاس بیٹھتا ہے آپ نے فرمایا۔ اچھا ہے، مسجد سے تو دُور ہے، اس کی دیکھ بھال کرنی چاہیئے۔ پھر فرمایا۔ کتّے کو گھر میں نہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا، جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے:۔

لا یدخل الملئکة فی البیت الکلب۔ — جس گھر میں کُتّا ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

بعدازاں، آپ نے خواجہ سگ پرست کی حکایت بیان کی، فرمایا۔ میں نے قصّہ چہار درویش میں پڑھا ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس بیش قیمت جواہر تھے، جو شخص آتا بادشاہ اسے اپنے جواہر دکھاتا، وزیر نے کہا، جناب عالی آپ ہر کسی کو یہ جواہر دکھاتے ہیں، اس میں کونسی عظمت ہے؟ ایسے جواہر تو فلاں سوداگر نے اپنے کُتے کی گردن میں ڈال رکھے ہیں۔ بادشاہ اس کی بات پر رنجیدہ ہوا، اس نے وزیر کو قید کر دیا۔ وزیر کی لڑکی مردانہ لباس پہن کر اس سوداگر کی طرف گئی اور کُتّے کی گردن میں جواہر ڈالنے کی وجہ دریافت کی۔ سوداگر نے کہا۔ یہ کتا میرا وفادار ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں سوداگری کو گیا اور اسے گھر پر ہی چھوڑ گیا، لیکن جب میں جہاز پر سوار ہوا تو میں نے دیکھا کہ کُتّا جہاز کے پیچھے پیچھے آتا ہے، حتیٰ کہ جہاز کے ساتھ وہ بھی کنارے پر پہنچ گیا، پھر میں اور میرے ساتھ چند اور لوگ بھی ایک کنویں میں قید ہوئے، اس وقت میرا کتا ہر روز نزدیک، کے گاؤں سے روٹی کا ٹکڑا لاتا اور کنویں میں پھینک دیتا، جسے میں کھالیتا۔ ایک دن میرے ساتھیوں کے ورثاء آئے اور انھوں

نے کنوئیں میں رسہ ڈال کر انھیں نکالا، ساتھ مجھے بھی نکال لیا گیا۔ میں پھر وہاں سے سوار ہو کر چلا اور یہ کُتّا بھی میرے ساتھ ساتھ رہا۔ میں جہاں بھی گیا اس نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ پس میں نے اس کی وفاداری کے پیشِ نظر یہ دو گوہر اس کی گردن میں ڈال دیئے۔

بعدازاں، اصحابِ کہف کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ جب ظالم بادشاہ دقیانوس کے خوف سے چند نیک نوجوان گھر سے نکل پڑے تو ایک گڈریئے نے ان سے حال دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم خدا کی تلاش میں نکلے ہیں۔ اس نے کہا میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ گڈریئے کا ایک کتا تھا۔ وہ بھی ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ کُتّے کو جتنا روکا گیا وہ ہرگز نہ رُکا اور اپنے آقا کے پیچھے پیچھے آتا رہا۔ خدا تعالیٰ نے اسے زبان دی اور اس نے کہا۔ اے خدا کے دوستو! مجھے اپنے سے الگ نہ کرو کیونکہ میں خدا کے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کی پاسبانی کرتا ہوں۔ کتے کی بات سنتے ہی انہوں نے اسے اپنے ساتھ کر لیا اور آگے چل کر ایک غار میں انہوں نے سکونت اختیار کر لی۔ خدا تعالیٰ اپنے دوستوں کے طفیل اس کتے کو قیامت کے دن انسانی صورت دے کر جنت میں داخل کرے گا۔ بقولِ سعدیؒ ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پے نیکاں گرفت، مردم شُد

ترجمہ:۔ اصحابِ کہف کا کُتّا صرف چند دن نیکوں کی پیروی کرنے کے باعث انسان بن گیا۔

بعدازاں، فرمایا۔ اکثر لوگ کُتّے کی خدمت کرنے پر بخشے گئے۔ پھر فرمایا۔ کسی آدمی نے جنگل میں ایک پیاسا کتّا دیکھا جو پیاس کی شدّت سے مرنے کو تھا۔ اس آدمی کے دل میں رحم آیا، اس نے اپنی ٹوپی کا ڈول بنایا اور رسی کی جگہ اپنی دستار باندھ لی اور کنوئیں سے پانی نکال کر کُتّے کے سامنے رکھ دیا۔ خدا نے اُسی وقت پیغمبرِ وقت کو وحی بھیجی کہ میں نے کُتّے کے طفیل اس آدمی کے تمام گناہ معاف کر دیئے۔

بعدازاں، آپ نے رابعہ بصریہ کی حکایت بیان کی کہ۔ ایک دن انہوں نے جنگل میں پیاسا کُتّا دیکھا، جس پر انہیں رحم آیا، انہوں نے اپنا دوپٹہ یا چادر کنوئیں کے پانی میں

تر کر کے باہر نکالا اور کُتّے کے منہ میں نچوڑ کر اس کی پیاس بُجھائی، جس سے اس کی جان بچ گئی۔ خدا نے اس شفقت کے طفیل مائی صاحبہ کو نہایت اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔

ضمناً، بندہ نے عرض کیا کہ میں حیران ہوں کہ سخی آدمی اگر کبائر مثلاً شراب، جُوا وغیرہ کا بھی مرتکب ہو تو لوگ اسے فاسق نہیں کہتے۔ فرمایا۔ اس لیے کہ سخی خدا کا حبیب ہوتا ہے خواہ وہ فاسق ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔

السخی حبیب اللہ ولو کان فاسق والبخیل عدو اللہ ولو کان زاھد

سخی اللہ کا دوست ہوتا ہے اگرچہ گناہگار ہو اور بخیل اللہ کا دشمن ہوتا ہے اگرچہ عبادت گزار ہو۔

بعد ازاں، اہلِ عرب کی سخاوت اور شجاعت کا ذکر چھڑا۔ بندہ نے عرض کیا، اوصافِ حسنہ میں کونسی قوم دوسری اقوام پر فضیلت رکھتی ہے؟ فرمایا۔ عرب تمام اوصافِ حمیدہ خصوصاً سخاوت اور شجاعت میں سبقت لے گئے۔ پھر آپ نے اس بیان کی تائید میں ایک حکایت سنائی۔ فرمایا۔ ایک مرتبہ یہاں دو تین پٹھان آئے، میں نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی۔

المال والبنون زینت الحیٰوۃ الدنیا۔

مال و دولت اور بیٹے دُنیوی زندگی کی زینت ہیں۔

انھوں نے پشتو میں کہا۔ "نہ مال لرم، نہ زن لرم، نہ غم لرم" یعنی ہم مال و دولت اور زن و فرزند میں سے کسی کا غم نہیں رکھتے۔ پھر ان پٹھانوں نے اہلِ عرب کی سخاوت بیان کی، کہ ایک مرتبہ ہم حج کو گئے، اس سال بے حد قحط سالی تھی، ہم نے بازار سے آدھ سیر چنے کی دال ایک ریال میں لی اور اس سے روٹی تیار کی اور ایک دوست کو دعوت دی۔ اس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا کیونکہ تم نے چیزیں مہنگے داموں لی ہیں، پھر ہم نے خود ہی کھالی اور سفر طے کرتے گئے۔ شام کو ہم ایک عرب کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ جب صبح ہوئی تو اس نے ہمارے سامنے کھانا چُن دیا، حالانکہ اس کے بچے اور بیوی فاقہ کشی کی وجہ سے چلّا رہے تھے۔ لیکن اس نے ان کی رعایت نہ کی۔

بعدازاں فرمایا۔ عربوں کی مہمان نوازی کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان کے گھر کوئی مہمان آتا ہے تو جو کچھ انہیں مل سکے مہمان کے لیے تیار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر انھیں اونٹ کے سوا کچھ نہ ملے تو اونٹ ہی کو صرف ایک آدمی کے لیے ذبح کر دیتے ہیں۔

بعدازاں، امامین کریمین کی سخاوت کا بیان شروع ہوا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ اور عبداللہ بن جعفر حج کو جا رہے تھے۔ اتفاقاً توشہ بردار اونٹ پیچھے رہ گیا اور بھوک نے غلبہ کر لیا۔ آپ کسی اجنبی کے گھر چلے گئے۔ دیکھا کہ دروازے پر ایک عورت بیٹھی ہے۔ امام پاک نے پوچھا۔ تمہارے پاس کچھ پانی ہوگا؟ اس نے کہا۔ ہاں پانی ہے، آپ سواریوں سے اُتریں اور آرام کریں۔ پس تینوں شہزادے اُتر پڑے اور پانی پی کر آرام کرنے لگے۔ اس عورت کے پاس ایک بکری تھی۔ اس نے دودھ دوھ کر اپنے محترم مہمانوں کو پیش کیا اور پھر ان کی ضیافت کے لیے اسی بکری کو ذبح کر ڈالا۔ تینوں شہزادوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور جب انھیں حقیقتِ حال کا علم ہوا تو انھوں نے خوش ہو کر فرمایا۔ اے صاحبہ اگر تم کبھی مدینہ منوّرہ میں آؤ تو ہمارے ہاں مہمان ٹھہرنا۔ ہم تمہاری اس خدمت کا حق ادا کریں گے۔ ہم دونوں حضرت علی کے بیٹے ہیں اور یہ عبداللہ بن جعفر ہے۔ جب اس عورت کا شوہر آیا تو اس نے پوچھا۔ بکری کہاں ہے؟ عورت نے تمام حال بیان کیا۔ وہ آدمی غضبناک ہوا اور کہنے لگا۔ ہماری روزی اسی کے دودھ پر تھی۔ اب ہم اس ویرانے میں کیا کریں گے؟ عورت نے کہا۔ خدا رزّاق ہے۔ وہ ہر چیز کا بدلہ ادا کر دیتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد اتفاقاً وہ میاں بیوی دونوں مدینے کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ حضرت امام حسنؓ نے اس عورت کو پہچان لیا اور فرمایا۔ اے مہربان ماں مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے کہا میں تو یہاں مسافر ہوں، کسی کو نہیں پہچانتی! امام موصوف نے فرمایا، میں وہی ہوں کہ میرے ساتھ دو اور بھائی بھی تھے اور ہم تمہارے مکان پر گئے تھے اور تم نے بڑی مہربانی سے ہماری مہمانی کیلئے بکری ذبح کر ڈالی تھی۔ اب ہم تیرا حق ادا کریں گے۔ پس آپ ان دونوں کو اپنے گھر لے گئے اور ان کی مہمانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، پھر ایک ہزار بکری اور ایک غلام دے کر انھیں حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے بھی ضیافت کے

کے بعد اتنا ہی صلہ دے کر حضرت عبد اللہ کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے بھی ان کے ساتھ اپنے بھائیوں کے برابر سلوک کیا۔ وہ میاں بیوی تین ہزار بکریاں اور تین غلاموں کے ساتھ بڑی عزّت و حرمت سے رخصت کئے گئے۔

پس اے درویش جان لے کہ یہ سخاوت ہی کا نتیجہ ہے۔ اس عورت نے خلوصِ نیت سے ایک بکری قربان کی تھی اور خدا نے اس کے عوض تین ہزار بکریاں اسے دیں۔ غرض جو نیکی خلوصِ نیت سے کی جائے اس کا صلہ بیشمار ہے۔

بعد ازاں، سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ حضرت گنج شکرؒ نے سلطان المشائخ کو رخصت کرتے وقت ایک ٹکہ عنایت کیا۔ خواجہ صاحب، حضرت مائی صاحبہ سے دعا حاصل کرنے کے لیے گھر کی ڈیوڑھی پر گئے، اندر سے صاحبزادوں کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ خواجہ صاحب نے خادمہ کے ذریعے، بچّوں کے رونے کا سبب پوچھا۔ جواب آیا کہ بچے بھوک کی وجہ سے چلّا رہے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اسی ٹکے کے بھنے ہوئے چنے خرید کر اندر بھیج دیئے، جو انھیں باوا صاحب سے ملا تھا۔ اور خود اجازت لے کر چلے گئے۔ جب حضرت گنج شکرؒ گھر تشریف لائے تو بچے چنے چبا رہے تھے، پوچھا کہاں سے آئے ہیں؟ مائی صاحبہ نے کہا۔ نظام الدین اجازت مانگنے آیا تھا اور اس نے ٹکے کے خرید بھیجے ہیں۔ باوا صاحب نے فرمایا، میں نے دنیا کو گھر سے نکالا تھا نظام الدین اسے پھر موڑ لایا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اسی ایک ٹکے کی برکت سے خاندانِ نظامیہ کے وسیع لنگر اور فتوحات کا سلسلہ آج تک چل رہا ہے۔

پھر فرمایا۔ ایک دن میں تونسہ شریف میں تھا، اتفاقاً اس دن میرے اُستاد حضرت ماموں صاحب کا عرس تھا، میرے پاس معمولی سی نقدی تھی، میں نے اس کا آٹا خرید کر روٹیاں پکائیں اور مرحوم کی قبر پر جا کر درود فاتحہ اور ماحضر کا ثواب ایصال کیا۔ جب میں واپس آنے کے لیے اٹھا تو زمین پر اتنے ہی پیسے پڑے تھے جتنے کا میں نے آٹا خریدا تھا، میں نے پیسے اٹھا کر کہا، سبحان اللہ، یہ مرحوم کے عرس کی برکت ہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ ہمارے مسلک میں، روٹی دینا تمام اعمال پر فضیلت رکھتا ہے۔ اس لیے درویش کو چاہیئے کہ حسبِ توفیق اس بارے میں انتہائی کوشش کرے

بعدازاں، فرمایا۔ مشائخ کے اعراس میں بہت فوائد ہیں۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ ایک متعدی عبادت ہے، حدیث شریف میں ہے :۔

خیر الناس من ینفع الناس — لوگوں میں بہتر وہ ہے جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔

تو گویا اس حدیث کے مطابق عبادت کی تعریف یہ ہے کہ وہ متعدی ہو۔ عرس کی وجہ سے چند مستحق لوگ فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور مشائخ کی روحیں عرس کرنے والے کی مدد کرتی ہیں۔ اکثر اوقات یہ بھی اتفاق ہوا ہے کہ عرس کے دن فاتحہ کے لیے گھر میں کوئی چیز دستیاب نہ ہوئی تو فاتحہ کے وقت صاحبِ عرس کی برکت سے کوئی کھانا وغیرہ آجاتا ہے۔

ضمناً بندہ نے عرض کیا، عرس کے لیے کس قدر کھانا پکانا چاہیئے؟ فرمایا۔ جتنا زیادہ ہوگا، بہتر ہوگا۔ اور اگر زیادہ کی توفیق نہ ہو تو جتنا میسّر آسکے کافی ہے، خواہ اپنی ہی روٹی پر ختم پڑھ کر خود ہی کھا لی جائے تو پھر بھی جائز ہے۔ میں نے ایصالِ ثواب کا طریقہ پوچھا تو فرمایا۔ حضرت رسولِ خدا کی روحِ اقدس کو ثواب پہنچا کر اپنے سلسلے کے مشائخ کی روحوں کو نام لے لے کر ایصال کرنا چاہیئے۔ جب صاحبِ عرس کا نام آئے تو کہنا چاہیئے یا الٰہی اس طعام اور کلام کا ثواب فلاں شیخ، اس کے والدین، اس کی اولاد، اس کے خلفاء اور اس کے مریدوں کی روحوں کو پہنچے۔

بعدازاں، مولوی سراج الدین سکنہ کھڑپہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اعراس کا سلسلہ آنحضرتؐ کے عرس سے شروع کرنا چاہیئے۔

پھر فرمایا۔ آنحضرتؐ کی تاریخِ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک تاریخِ وفات ۲ ربیع الاوّل ہے، بعض کے نزدیک آٹھویں اور بعض کے نزدیک بارھویں تاریخ ہے۔ لیکن پہلا قول سب سے صحیح ہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ ایک دن سلطان المشائخؒ نے خواجہ گنج شکرؒ سے اجازت

طلب کی، آپ نے فرمایا - آج حضرت رسولِ خدا کا عرس ہے ، اور اس دن ربیع الاوّل کی دوسری تاریخ تھی -

بعد ازاں ، فرمایا - آنحضرتؐ کی تاریخِ وفات میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ ۲، ربیع الاوّل کو فوت ہوئے ، ازواجِ مطہرات نو ۹ تھیں ، جن میں سے ہر ایک نے ایک ایک دن آنحضرتؐ کا عرس کیا ، پھر ۱۲، تاریخ کو خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے عرس کیا - اس وجہ سے اکثر لوگ ۱۲، ربیع الاوّل کو آپ کا عرس کرتے ہیں -

بعد ازاں ، غلام محمد درویش نے عرض کیا کہ مسلمان ماہِ صفر کے آخری بدھ کو عید کرتے ہیں ، اس کے متعلق وضاحت فرمائیں - فرمایا - رسولِ خدا ماہِ صفر میں بیمار ہوتے اور اسی مہینے میں آخری بدھ کو آپؐ کی صحت بحال ہوئی ، لہٰذا آپؐ کے متعلقین میں ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی ، اسی وجہ سے مسلمانوں میں اس دن عید منانے کا رواج ہے -

بعد ازاں ، فرمایا - خواجگانِ چشت کے نزدیک سب سے افضل اور انتہائی ضروری عمل روٹی دینا ہے ، جو دوسرے خاندانوں میں اس عظیم الشّان اہتمام کے ساتھ نہیں پایا جاتا -

---

مجلس ۲۳

جہادِ اصغر و جہادِ اکبر

پیر کی رات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ سید صالح شاہ سلطان پوری، غلام محمد درویش پوٹھوہاری، امام بخش نذر بردار اور دوسرے یارانِ طریقت شریکِ مجلس تھے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر۔ ایک صحابیؓ نے رسولِ خداؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر میں کیا فرق ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کفار کے ساتھ جہاد کرنا جہادِ اصغر ہے اور نفس کے ساتھ جہاد کرنا جہادِ اکبر ہے اور فرمایا:-

رجعنا من جہاد الاصغر الیٰ جہاد الاکبر — ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

پھر آپ نے مثنوی رومی کے یہ شعر پڑھے ؎

اے شہاں کشتیم ما خصمِ بروں — ماند زو خصمے بتر در اندروں

قد رجعنا من جہاد الاصغریم — ایں زماں اندر جہادِ اکبریم

سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند — شیر آں را داں کہ خود را بشکند

ترجمہ:- ۱۔ اے شہنشاہو! ہم نے میدانِ جنگ میں تو اپنے دشمن کو مات کر لیا۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ خطرناک دشمن ہمارا نفس ہے اور وہ ابھی تک ہمارے اندر زندہ و سلامت چنگھاڑ رہا ہے۔

۲۔ کفار سے نپٹ لینے کے بعد ہم اپنے نفس سے برسرِ پیکار ہیں، گویا ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پلٹ آئے ہیں۔

۳۔ وہ بھڑوا بھی کوئی شیر کہلانے کا مستحق ہے جو محض چند صفوں کو درہم برہم کر لینا

ہی اپنا کمال سمجھتا ہو؟ شیر تو وہ ہے جو اپنے آپ کو پچھاڑنے پر قادر ہو۔

بعد ازاں، فرمایا۔ جہادِ اصغر بھی وہ بہتر ہے جس میں کوئی مسلمان کسی کافر بادشاہ کو تلقینِ اسلام کرے اور اگر بادشاہ اسے قتل کر ڈالے تو یہ شہادتِ کبریٰ کہلاتی ہے۔

بعد ازاں، آپ نے نواب مظفر ملتانی کا واقعہ بیان کیا کہ جب سنگھوں نے ملتان شہر کا محاصرہ کیا اور محصورین میں سے بہت سے آدمی قتل ہوئے۔ حتیٰ کہ صرف چالیس سپاہی نواب صاحب کے ساتھ رہ گئے، نواب صاحب کو مشیروں نے مشورہ دیا کہ سنگھوں کے ساتھ صلح کر لینا مناسب ہے۔ نواب صاحب اس بات سے بہت زیادہ خشمناک ہوئے اور کہا۔ اے نادانو! تم نہیں سمجھتے کہ پہلے اسی ڈاڑھی کے ساتھ میں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور پھر رسولِ خدا کے آستانے پر بھی اسی ڈاڑھی کے ساتھ مشرف ہوا اور اب اسی ڈاڑھی کے ساتھ کافروں کی تعظیم کرنا میرے لیے کہاں مناسب ہے؟ اس کے بعد نواب صاحب غصّے پر قابو نہ پا سکے، اور اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ ننگی تلوار لے کر سنگھوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ انسان کا نفس ریچھ کی مانند ہے، اور سالک قلندر کی مانند۔ مرید کو چاہیئے کہ وہ بھی اپنے نفس کے خلاف اسی طرح کوشش کرے، جس طرح قلندر ریچھ کے ساتھ گتھم گتھا ہو جاتا ہے، تاکہ خدا اسے نفس کے شر سے محفوظ رکھے۔ صوفیا کے نزدیک ایسی کوشش جہادِ اکبر کہلاتی ہے۔

بعد ازاں، سلطانِ روم کے جہاد کا ذکر چھڑا۔ اسی اثنا میں راجہ عبداللہ خان دراپوری حاضر ہوا، جو جنگ کے لیے استنبول گیا ہوا تھا۔ خواجہ شمس العارفین نے سلطانِ روم کے حالات دریافت کئے۔ راجہ صاحب نے عرض کیا کہ سلطانِ روم کے قوانین سخت گیر تھے، لیکن کچھ عرصے سے بعض سربرآوردہ امرائے روس کے بادشاہ سے سازش پیدا کی ہے، اسی وجہ سے سلطانِ روم کے قوانین کمزور پڑ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ عجیب مسلمانی ہے کہ عیسائی قوم تو ہندوستان سے سلطانِ روم کی امداد کرتی ہے اور اس کے اپنے مسلمان امرا اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

بعدازاں، دریافت فرمایا کہ شہرِ استنبول کا طول عرض کتنا ہے اور اس کے باشندے دینداری میں کیسے ہیں؟ راجہ صاحب نے عرض کیا۔ شہرِ استنبول تقریباً بیس کوس لمبا اور پندرہ کوس چوڑا ہے، اور وہاں کے مرد عورتیں دن رات احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں مشغول ہیں اور اپنے بچوں کو جنگی تربیّت دیتے ہیں تاکہ جنگ کے وقت کام آئیں اور جب جہاد کا وقت آئے تو غیر فوجی بھی اپنی اپنی ملازمت سے نام کٹوا کر فی سبیل اللہ جہاد کریں۔ استنبول میں مسجدیں بھی بیشمار ہیں۔ جامع مسجد سب سے بڑی ہے۔ اس میں تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کی بیک وقت گنجائش ہے۔ اب سے کچھ وقت پہلے یہ مسجد عیسائیوں کی عبادت گاہ تھی، جب اس شہر پر مسلمانوں کا تسلّط ہوا تو انہوں نے اسے جامع مسجد قرار دیا۔

بعدازاں، حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی جنگ کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں جو جنگ ہوئی ہے وہ اجتہاد کی وجہ سے تھی نہ کہ عناد کی وجہ سے۔ حضرت امیر معاویہؓ اگرچہ خطا پر تھے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر مجتہد کا فعل خطا پر ہو تو پھر بھی اسے ایک ثواب مل جاتا ہے، لہٰذا درویش کو چاہیئے کہ ان حضراتؓ کے بارے میں کچھ نہ کہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ ایک دن حضرت امام حسینؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک پر بیٹھے تھے کہ آپؐ نے فرمایا، خلافتِ اسلام تیس سال باقی رہے گی، اس کے بعد خلافت کا قابض ایک صاحبِ اسلام ہوگا۔ چنانچہ جب اس میعاد سے چھ مہینے باقی تھے تو حضرت امام حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو طلب کیا اور خلافت کی باگ ڈور ان کے حوالے کر دی۔ لہٰذا اس حدیث سے حضرت امیر معاویہؓ کا اسلام ثابت ہوا اور رافضیوں کا قول باطل ہوا جو امیر معاویہؓ کے اسلام پر شک کرتے ہیں اور انہیں بُرا بھلا کہتے ہیں۔

پھر آپؒ نے چند ہندی اشعار پڑھے جن سے محبّتِ اہل بیتؓ کی تاکید، سُنّی عقائد کی تائید اور رافضی عقائد کی تردید ہوتی ہے۔

مجلس ۲۴

خواجہ تونسویؒ کا زھد و مجاھدہ

اتوار کی رات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی معظم دین صاحب مرولوی، سید اللہ بخش حاجی پوری، پیر غلام محمد سیال، مہر محمد بخش سمرا اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریکِ مجلس تھے۔ حضرت خواجہ تونسویؒ کے مجاہدات کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ حضرت خواجہ تونسوی نے ڈاڑھی آنے سے پہلے خواجہ مہاروی سے بیعت کر لی، اور عمر کے آخری ایام تک بھوک، پیاس اور بے خوابی کی تکلیف، کہ جسے آپ صوم معنوی کہتے تھے، بڑی خوشی سے برداشت کرتے رہے۔ سردیوں کے موسم میں برہنہ چارپائی پر سوتے اور کبھی کبھار پاؤں کے نیچے جانماز پھیلا لیتے۔ آپ کی چارپائی مزری کے سخت اور کھردرے ریشے سے بُنی ہوتی تھی۔ اکثر اوقات آپ دوزانو بیٹھتے تھے، اسی وجہ سے آپ کی دو تو پنڈلیوں کی جلد جم کر سیاہی مائل ہو گئی تھی، کبھی کبھی آپ چوکڑی مار کر بھی بیٹھتے تھے اور کبھی پاؤں کے بل بیٹھتے، لیکن کسی چیز کے ساتھ کبھی ٹیک نہ لگاتے، کبھی میوے نہ کھاتے لیکن پیلو درخت کا پھل حضرت گنج شکرؒ کی سنّت سمجھ کر کھا لیتے۔ پھر آپ نے یہ مصرعہ پڑھا ؎

واللہ گنج شکر سلیمان تونسویؒ

بعد ازاں، فرمایا۔ آپ تمباکو کی سادہ نسوار بائیں ہاتھ سے استعمال کرتے باوجودیکہ قسم قسم کی اعلےٰ بنارسی اور پشاوری نسوار تحفے کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش ہوتی تھی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت کے آستانے کے درویش مچھر کے کاٹنے سے بہت تنگ آئے ہوئے تھے، لیکن حضرت نے کبھی یہ شکایت نہ کی بلکہ فرماتے کہ میرا خون کڑوا ہے، مجھے مچھر نہیں کاٹتا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ جو شخص عشقِ الٰہی میں مستغرق ہو اسے کسی موذی کی ایذا رسانی کا کیا

ڈر؟ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

طائرِ روحِ من اگر قدس نشیں بود چہ باک
گرچہ شود تنم ہمہ ہمچو قفس چاک چاک

ترجمہ :- میری روح کا طائرِ بلند بال اگر اشتیاقِ محبت میں اڑتے اڑتے حریم ذات کی قدسی فضا میں باریاب ہو جائے تو پھر مجھے اس کا کچھ غم نہیں کہ خواہ میرا جسم، مجاہدہ و ریاضت کے رگڑے کھاتے کھاتے، پنجرے کی تیلیوں کی طرح چاک چاک ہی کیوں نہ ہو جائے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ تونسوی کے اوراد و اذکار بیشمار تھے۔ نماز تہجد، اشراق اور چاشت کے علاوہ بیس رکعت نماز اوّابین شام کی نماز کے بعد پڑھتے تھے اور پھر تمام رات اذکار و اشغال میں گزار دیتے تھے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت تونسویؒ کی خوراک انتہائی سادہ اور مختصر تھی۔ آپ اکثر گرم سادہ روٹی گوشت کے شوربے کے ساتھ کھاتے، جس میں گھی کی بہت معمولی آمیزش ہوتی تھی، آپ کے کھانے کا گوشت ادھ پکا اور ادھ کچرا ہوتا تھا، جسے آپ کے سوا کوئی آدمی نہیں کھا سکتا تھا۔ کھانا کھاتے وقت آپ کا پیالہ پانی سے بھر کر سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ ایک لقمہ آپ تھوڑا سا چباتے اور اس کے بعد پانی کا گھونٹ پیتے، اس طرح کھانا بہت کم مقدار میں کھاتے اور جو کھاتے وہ لطف لیے بغیر کھاتے تھے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ آپ کبھی تنہا کھانا نہ کھاتے، اکثر مولوی محمد امین صاحب کو اپنے ساتھ بٹھاتے، اگر وہ موجود نہ ہوتے تو اپنی صاحب زادی صاحبہ کو شریکِ طعام کرتے۔ ایک دن آپ نے حسبِ عادت صاحب زادی صاحبہ کو طلب کیا، ان کی والدہ نے عرض کیا، غریب نواز اب لڑکی بالغ ہو گئی ہے اور آپ کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتی۔ اسی وقت آپ نے اپنی ہمشیرہ کو بلا کر کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کا رشتہ تیرے بیٹے کے ساتھ کر دیا۔ اس کے بعد اگر آپ کبھی گھر میں کھانا کھاتے تو اپنی پوتی یعنی صاحب زادہ گل محمد صاحب کی صاحبزادی کو ساتھ بٹھاتے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن اپنے درویشوں کے ساتھ مہار شریف جا رہے تھے، یہ

بھی ہمرکاب تھا، اچانک تیز بارش ہونے لگی، قریب ہی ایک گاؤں تھا، تمام دوست اُس میں چلے گئے اور ایک ایک کر کے رہائش کے لیے مختلف گھروں میں بٹ گئے۔ میں صاحبزادہ گل محمد صاحب کے خیمے میں چلا گیا۔ جب چاشت کا وقت ہوا تو خواجہ تونسویؒ نے فرمایا، مولوی محمد امین کو لاؤ کہ میں اس کے ساتھ کھانا کھاؤں۔ صاحب زادہ صاحب نے عرض کیا۔ تمام لوگ بارش کی وجہ سے گاؤں چلے گئے ہیں، یہ ایک حافظِ قرآن ہے! آپ نے فرمایا یہ بھی مولوی ہے۔ اُسے آپ نے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھایا۔ اُس دن سے وہ حافظ بھی مولوی کے نام سے مشہور رہا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اگرچہ آپ کا پیش امام بننے میں مجھے دہشت اور خوف دامنگیر ہوتا تھا۔ لیکن بامرِ مجبوری دو بار آپ کا پیش امام بنا اور دو ہی بار آپ کا مقتدی بننے کا اتفاق ہوا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ کابل اور قندھار وغیرہ سے طرح طرح کے میوے مثلاً پستہ، کشمکش، بادام، انگور وغیرہ آتے رہتے تھے، جنہیں آپ درویشوں میں بانٹ دیتے، لیکن خود ان میں سے کچھ نہ کھاتے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ بوڑھے لوگ ضعف کی وجہ سے اپنی عمر کے آخری حصّے میں ناشتہ یا عصرانہ وغیرہ کھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ خواجہ تونسوی نے کبھی ناشتے کی طرف توجہ نہ کی، لیکن بڑھاپے کی وجہ سے کبھی کبھی منقیٰ کے دو دانے کھا لیتے، ایک دن خادم نے تین دانے پیش کئے، فرمایا آرامِ دل کے لیے دو کافی ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خربوزہ اور تربوزہ کبھی نہ کھاتے۔ جب پیاس غلبہ کرتی تو ایک دو گھونٹ پانی کے پی لیتے۔ آپ کا لباس بھی سادہ اور بے تکلّف ہوتا تھا۔ جس قسم کا کپڑا ہوتا پہن لیتے۔ ایک آدمی نے آپ کے لیے سیاہ رنگ کی شلوار اپنے ذمّے لے رکھی تھی۔ کبھی آپ سبز دھاری والی چادر اور کبھی سُرخ اور زرد دھاری والی لُنگی پہنتے۔ اکثر آپ کا لباس قمیص، سُرخ مغزی والی چار ترکی ٹوپی اور شلوار پر مشتمل ہوتا تھا۔ سردیوں کے لیے باریک دھاری والی لنگی صاحب زادہ غلام نبی صاحب مہاروی نے اپنے ذمّہ لے رکھی تھی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ مہاروی کی ولایت اور بیعت کا وہ چرچا نہیں جو ہمیں خواجہ

تونسویؒ کے ہاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ بلخ، بخارا، ایران، ہرات، ہندوستان اور حرمین شریفین سے بیشمار لوگ اپنی اپنی استعداد کے مطابق حضرت تونسویؒ سے فیضیاب ہوئے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ تونسویؒ کی زیارت سے پہلے میرے دل میں خیال آتا تھا کہ بزرگانِ سلف مثلاً حضرت غوث الاعظمؒ و شیخ بہاء الدینؒ وغیرہ ولایت میں کمال کے درجے کو پہنچے ہیں۔ جب میں بیعت سے مشرّف ہوا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ شاید متقدمین بھی اس مرتبے کو نہ پہنچے ہوں جو خواجہ تونسویؒ کو ملا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ آپ کے تمام اخلاق و عادات اور اقوال و افعال سنّتِ نبویؐ کے مطابق تھے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ تونسویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر آدمی نے دنیا کو بُرا بھلا کہا ہے لیکن جو کچھ مولانا روم نے کہا ہے وہ کسی سے نہیں بن پڑا ؎

اہلِ دُنیا چہ کہین و چہ مہین، لعنۃ اللہ علیھم اجمعین

ترجمہ :۔ دُنیا دار کیا چھوٹے کیا بڑے سب پر خدا کی لعنت ہو!

خواجہ تونسویؒ فرماتے کہ اگر دُنیا کو اس سے بھی زیادہ بُرا کہنے کا کوئی علمی امکان باقی ہوتا تو میں مولانا رومؒ سے بھی زیادہ اسے بُرا کہتا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں کبھی کبھی خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ میں خواجہ صاحب کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا کہ ایک بُوڑھا سفید ریش اور پریشان حال شخص اپنی پیٹھ پر کوئی چیز باندھے خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس کی تعظیم کی۔ جب وہ آدمی چلا گیا تو آپ نے دوستوں کو بتایا کہ یہ آدمی خضرؑ تھا۔

پھر فرمایا۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کی خدمت میں بھی اکثر خضر علیہ السلام آتے تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ مجلس میں تشریف لائے اور ایک صاحبِ وجد صوفی کی پیٹھ پر سے وہ خس و خاشاک جھاڑتے رہے، جو حالتِ وجد میں لگ گئے تھے۔ ایک اور شخص خضر علیہ السلام کی زیارت کا بڑا مشتاق تھا، کسی نے اسے بتایا کہ اگر تم خضرؑ کی زیارت کرنا چاہو تو

خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کی خدمت میں جاؤ تمہارا کام ہو جائے گا۔

بعد ازاں، حضرت محمد علی شاہ لکھنوی کے زہد و اتقا کا ذکر چھڑا۔ مولوی سراج الدین سکنہ کھڑپہ نے واپس جانے کے لیے اجازت طلب کی۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ آج یہیں ٹھہرو۔

پھر فرمایا۔ مرید کو چاہیئے کہ نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں سے پرہیز کرے اور اپنے شیخ کے اوصاف اپنائے۔

پھر فرمایا۔ سیّد محمد علی شاہ لکھنوی بڑے زاہد تھے۔ چھ سال تک اجمیر شریف میں خواجہ معین الدینؒ کی درگاہ پر پانی بھرتے رہے۔ پھر حضرت گنج شکرؒ کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیے پاکپتن آئے۔ اسی سال خواجہ تونسویؒ بھی پاک پتن گئے۔ وہاں شاہ صاحب نے آپ کی خدمت میں اپنا حال بیان کیا۔ خواجہ صاحب نے واپس روانگی کے وقت، سید موصوف کو بھی ساتھ لے لیا۔ راستے میں حضرت نے فرمایا، اے سیّد کوئی ذوق و شوق کی چیز سنا۔ سیّد صاحب نے کوئی چیز شروع کی، اس وقت خواجہ تونسوی پر ذوق و وجد کا زبردست غلبہ تھا، آپ کے زیرِ ران گھوڑی تھی، اس کے تمام بدن سے پسینہ بہنے لگا۔ کتنی دفعہ آپ نے فرمایا۔ یہی شعر پڑھو، شاہ صاحب نے کئی دفعہ وہی شعر پڑھا۔ پھر تونسہ شریف پہنچ گئے۔ یہاں حضرت تونسویؒ نے شاہ صاحب سے پوچھا۔ تمہاری خواہش کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، میری خواہش ہے کہ آپ مجھے بیعت سے مشرف فرمائیں۔ فرمایا، تمہارے وجود میں چند چیزیں بیعت کے منافی ہیں، جب تک تم انھیں دُور نہیں کرو گے منزلِ مقصود تک نہیں پہنچو گے۔ ایک تو یہ کہ تمہیں نوابی منصب حاصل ہے اور جس شخص کو یہ منصب حاصل ہوا اسے دوسرے حقیر نظر آتے ہیں، دوسرا یہ کہ تم قاری بھی ہو اور جو قاری ہو وہ عام طور پر دوسروں کو غلط خوان سمجھتا ہے، تیسرا یہ کہ تمہیں علمی فضیلت بھی حاصل ہے اور جو عالم ہو اسے دوسرے لوگ جاہل دکھائی دیتے ہیں، چوتھا یہ کہ تمہیں اپنے حسب نسب پر بھی فخر ہے کہ سیّد ہو اور جو سیّد ہو وہ کہتا ہے کوئی شخص خواہ کتنا ہی پڑھ لکھ لے سیّد نہیں بن سکتا۔ جب شاہ صاحب نے یہ باتیں سُنیں تو پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگے۔ درویشوں نے انہیں بہت سمجھایا کہ حضرت صاحب یہ باتیں محض تلقین کے لیے فرما رہے ہیں۔ تم ہوشیار ہو کر سُنو۔ سیّد موصوف نے عرض کیا۔ میں تمام مذکورہ

اوصاف کو بالائے طاق رکھ کر کامل ارادت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔
خواجہ تونسوی نے جب شاہ صاحب کو طالبِ صادق پایا تو انھیں بیعت کر لیا اور پھر ان کی استعداد کے مطابق ایک الگ حجرے میں بٹھا کر اوراد و اذکار کی تلقین کر دی، پھر کچھ مدت کے بعد خلافت دے کر روانہ کر دیا۔ اس کے بعد شاہ صاحب ڈیرہ غازی خان چلے گئے اور وہاں شہر کے گلی کوچوں میں گھومتے رہتے، دنیا داروں کی طرف مطلق رجوع نہ کرتے۔ بیسیوں مرتبہ نواب بہادل خان آپ کی زیارت کے لیے آیا لیکن کچھ عرض نہ کر پایا۔ ایک دن لوگوں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ کوچہ و بازار میں اس طرح پھرنے سے کیا فائدہ؟ اگر آپ ایک جگہ مستقل طور پر بیٹھ جائیں تو یہ اچھا ہے۔ شاہ صاحب نے یہ شعر پڑھا؎

ہرگز نہ شوی شیرِ بیابانِ طریقت
تا سگ شدہ در کوچہ و بازار نہ گردی

ضمناً، میں نے عرض کیا اس شعر کا حاصلِ مطلب کیا ہے؟ فرمایا۔ خدا کے حضور عجز و نیاز کا درجہ بلند ہے، خدا کے بندے اپنے آپ کو، اس کے حضور میں، کُتّے سے منسوب کرتے ہیں اور سب سے کمتر سمجھتے ہیں، پھر وہ شیر کے درجے کو پہنچتے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ شیخ کو چاہیئے کہ اپنے مرید کی استعداد کے مطابق اسے اوراد و وظائف کی تلقین کرے، مرید کو چاہیئے کہ صحبتِ غیر سے پرہیز کرے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ درویش کو چاہیئے کہ دن رات عبادتِ الٰہی میں مشغول رہے تاکہ نفس کے مکر و فریب سے بچ جائے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن حضرت گنج شکر کی خدمت میں درویشوں نے عرض کیا کہ آپ کے صاحب زادہ صاحب فاقے کی وجہ سے قریب المرگ ہیں، اگر کوئی چیز عنایت فرمائیں تو ہم انھیں کھلا دیں۔ فرمایا اس وقت کوئی چیز نہیں ہے۔ کسی سے قرض لے لو۔ انھوں نے عرض کیا۔ ہمیں کوئی آدمی قرض نہیں دیتا۔ فرمایا۔ تو پھر کوئی حرج نہیں، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے، تھوڑے وقت کے بعد خبر آئی کہ صاحبزادہ صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ فرمایا اس کی تجہیز و تکفین کر دو۔ درویشوں نے عرض کیا۔ نہ تو کپڑا ہے اور نہ نقدی ہے جس سے ہم کفن

تیار کریں۔ فرمایا میت کے اوپر نیچے گھاس لپیٹ کر دفن کر دو، چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔ سبحان اللہ کاملانِ حق امکان اور اختیار کے باوجود دنیائے دنی کو چھوڑ کر یادِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

بعد ازاں، متقی شخص کا ذکر چھڑا۔ بندہ نے عرض کیا۔ متقی کون ہوتا ہے؟ فرمایا صوفیوں کی اصطلاح میں متقی کے بہت سے معنی ہیں اور اس کے تین مراتب ہیں، ادنیٰ، اعلیٰ اور اوسط۔ ادنیٰ وہ ہے جو دنیا کی تمام چیزوں میں پرہیز کرے اور صرف اتنا کھائے جس سے زندہ رہ سکے۔ اوسط وہ ہے جو کھانے پینے کی تمام چیزوں کی تحقیق کرے کہ آیا یہ حلال ہیں یا حرام اور پھر استعمال کرے۔ اعلےٰ وہ ہے جو تمام ماسواء اللہ کو ترک کر کے پہاڑ کے دامن میں بہتے ہوئے پانی کے کنارے پر بیٹھ جائے اور اپنی خوراک اور پوشاک درختوں کے پتوں سے تیار کرے، پانی چشمے سے پئے اور جب وہ مر جائے تو درندے اور پرندے اسے کھا جائیں۔

ضمناً، مولوی غلام حسین قریشی سکنہ گروٹ نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ نے متقی کے اور اوصاف بھی بیان کئے ہیں:۔

یومنون بالغیب و یقیمو الصلوٰۃ	وہ غیب پر ایمان لاتے، نماز قائم کرتے
ومما رزقنٰھم ینفقون ٥	اور ہماری دی ہوئی نعمتوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔

فرمایا۔ قرآن میں جتنا متقیوں کا ذکر آیا ہے اتنا صلحاء اور شہداء کا بھی نہیں۔

بعد ازاں، مومن کی علامت کا ذکر شروع ہوا۔ فرمایا۔ کہ مومن قلّت، علّت اور ذلّت سے خالی نہیں رہتا۔ جس شخص کو ان تینوں میں سے کوئی عارضہ لاحق ہو وہ کامل الایمان ہے۔

بعد ازاں، چہارگانہ قلّت کا ذکر شروع ہوا۔ فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ چار چیزیں اپنے آپ پر عائد کرے کم کھانا، کم سونا، کم بولنا اور کم آمیزی۔ جو درویش ان اوصاف سے متصف نہیں ہو گا وہ قرب کے مرتبے کو نہیں پا سکے گا۔

بہ کم خوردن، بہ کم گفتن بکن خو   تو کم با خلق بودن، خواب کم جو

ترجمہ:۔ تھوڑا کھانے اور تھوڑا بولنے کو اپنا شعار بنا لے، لوگوں کے ساتھ میل جول کم رکھ

اور نیند بھی تھوڑی کیا کر۔

بعدازاں، کسی شخص نے پوچھا کم بولنے اور خاموش رہنے میں سے کونسی چیز افضل ہے؟ فرمایا۔ علماء کے لیے بولنا اچھا ہے اور درویش کے لیے خاموش رہنا بہتر ہے، کیونکہ قیامت کے دن ہر ایک سے اس کے اعمال کی پُرسش ہوگی، علماء سے علم اور صوفیاء سے پردہ پوشی اور خاموشی کے متعلق پوچھا جائے گا۔

بعدازاں، فرمایا۔ خلوت کی دو قسمیں ہیں، خلوتِ صوری اور خلوتِ معنوی۔ صوری یہ ہے کہ مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، معنوی یہ ہے کہ زن و فرزند اور دوسرے علائقِ دنیوی کے باوجود انسان یادِ الٰہی میں منہمک رہے۔

پھر آپ نے ایک حکایت بیان کی۔ فرمایا۔ ایک دن خواجہ گنج شکرؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے پوتے سے ملاقات کے لیے گئے۔ جب اس غار کے دروازے کے قریب پہنچے۔ جس میں وہ عزلت گزیں تھے تو اندر سے آواز آئی کہ ادھر نہ آؤ، پس آپ نے تعمیل کی۔ پھر تیسرے دن دونوں بزرگوں نے ملاقات کی۔ حضرت گنج شکرؒ نے پوچھا کہ اس دن آپ نے ملاقات سے کیوں منع کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ اس دن مجھ پر ایک ایسی حالت طاری تھی کہ اگر آپ اندر آتے تو جل جاتے۔ پھر باوا صاحب نے ان سے نفس کی حالت پوچھی۔ انہوں نے کہا یہ میرا کٹا ہوا پاؤں جو آپ دیکھتے ہیں شامتِ نفس ہی کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنی عمر کے تیس سال اسی غار میں یادِ الٰہی میں گذار دیئے۔ ایک دن ایک چرواہن اس پہاڑ پر ریوڑ چرا رہی تھی، جب میں نے اس کی آواز سُنی تو چاہا کہ اس سے ملوں۔ جب اس نیّت سے میں نے غار کے باہر قدم رکھا تو غیب سے آواز آئی کہ اے درویش تو ہماری دوستی سے مُنہ موڑ کر نفسانی تقاضوں میں مشغول ہوگیا ہے۔ یہ آواز سُنتے ہی میں غار میں لوٹ آیا، توبہ کی اور وہ پاؤں جو غار سے باہر رکھا تھا بطورِ کفّارہ کاٹ کر پھینک دیا۔ اب تک مجھے پچاس سال گذر چکے ہیں کہ میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوں لیکن نفس کے شَر سے ایمن نہیں۔

بعدازاں، میراں سیّد بھیکہ کا ذکر آیا۔ فرمایا۔ زہد و عبادت میں وہ بے مثل تھے اور توحید کے مرتبے میں بھی صاحبِ کمال تھے۔ ایک دن انہوں نے اپنے مریدوں سے

فرمایا کہ جس وقت بھی میرے کانوں میں عورت کی آواز پڑے اور میرا نفس مشتعل ہو خواہ اس وقت میری عمر اسّی سال ہو تمہیں اپنے وضو والے کوزے توڑ کر صوفیانہ کپڑے اُتار پھینکنے چاہئیں کیونکہ صوفیانہ لباس پہننا اسی وقت زیب دیتا ہے جب انسان کا نفس سرکشی چھوڑ دے۔

بعد ازاں، سلطان باہوؒ کا ذکر آیا۔ مولوی نظام الدین نے عرض کیا کہ سلطان باہوؒ کے خاندان میں سے ایک صاحب زادہ اپنے چند درویشوں کے ساتھ ہمارے گاؤں آیا۔ میں نے اس میں بعض خلاف شرع چیزیں سُن رکھی تھیں۔ چنانچہ میں اس کے پاس گیا اور تنبیہہ کے طور پر سخت کلامی کرنے لگا۔ اس کے درویشوں نے مجھے منع کیا کہ ایسی باتیں اس کے بارے میں نہ کرو، کیا تمہیں اس کے جدِ امجد سلطان باہوؒ سے خوف نہیں آتا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا کہ۔ اکثر لوگ تو سلطانؒ باہو کی ولایت میں بھی شک رکھتے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ میرے زمانے میں ہوتے تو میں انہیں رازِ سبحانی اور اسرارِ یزدانی کی تعلیم دیتا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اس قسم کی بات سلطان باہوؒ سے نہ ہوئی ہوگی اور اگر ہم اسے درست بھی تسلیم کرلیں تو بحالتِ مستی کہہ گئے ہوں گے اور مستوں کے قول و فعل کا کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔

بعد ازاں، فرمایا کہ۔ حضرت گنج شکرؒ کا مرتبہ بہت بلند تھا، سلطان باہوؒ کو ان سے کیا نسبت ؟ باوا صاحب تو خیر درکنار، ان کے فیض یافتہ لوگ بھی سب سے سبقت لے گئے۔

بعد ازاں، اسی موضوع پر فرمایا۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مرید سیّد محمد گیسو درازؒ بارہ سال تک پہاڑوں میں ایک ہی پتھر پر بیٹھے رہے اور استغراق کی وجہ سے انہیں عالمِ حواس کی کچھ خبر نہ تھی۔ آپ کے سر کے بال اس قدر بڑھتے رہے کہ تمام بدن ان میں ڈھنپ گیا۔ ایک طالبِ خدا کو خضر علیہ السلام ملے اور کہا تمہیں خدا کی تلاش ہے تو سیّد محمد گیسو دراز کی خدمت میں جاؤ۔ اس نے تعمیل کی اور حضرت کی خدمت میں جا پہنچا۔ آپ نے سر اُٹھا کر پوچھا، کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا خدا کا راستہ پوچھنے کے لیے حاضرِ خدمت ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ مسکین کو اس کی کیا خبر؟ پھر جب اس نے بہت زاری اور منت سماجت کی تو آپ نے اسے بیعت کیا اور راہِ حقیقت کی تلقین کی۔

بعدازاں، فرمایا۔ حضرت تونسویؒ کے غلاموں کے غلام بھی ولایت کے مرتبے میں صاحبِ کمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ جب آپ کے خلیفہ حضرت محمد باراںؒ اجمیر شریف روانہ ہوئے تو صرف دو چھٹانک میوہ زادِراہ کے طور پر ساتھ لیا اور ایک ساتھی بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ ایک دن راستے میں کسی آدمی نے آواز دی، آپ اس کی طرف گئے، اور آپ کا ساتھی اسی جگہ کھڑا رہا۔ سلام دعا کے بعد آپ نے اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا میں خضر ہوں، اور تمہارا مطلب یہیں حل ہو جائے گا۔ تم خواہ مخواہ سفر کی تکلیف کیوں اٹھاتے ہو؟ محمد باراںؒ صاحب نے فرمایا۔ ہمیں اجمیر ضرور جانا ہے کیونکہ ہمیں اپنے شیخ کا یہی حکم ہے۔ اس کے بعد خضرؑ سے رخصت ہو کر اپنے ساتھی کے پاس آئے اور اجمیر کو روانہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد اجمیر سے واپس گھر کو آئے۔ جب گھر پہنچے تو اس وقت زادِراہ میں سے ایک چھٹانک میوہ بدستور موجود تھا۔ سبحان اللہ! کاملانِ حق تو ایسے ہیں کہ خضر علیہ السلام ان کی خاطر داری کرتے ہیں، اور اتنے طویل سفر میں بس وہ ایک چھٹانک میوہ ہی ان کی خوراک تھی۔

بعدازاں، فرمایا۔ حضرت محمد باراںؒ کا ایک مُرید محمد مراد ایک غار میں گوشہ نشین ہو گیا ایک دن خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا۔ محمد مراد کو غار میں بیٹھے پندرہ سال گزر چکے ہیں۔ حضرت تونسوی نے جواب دیا کہ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ بہت سے حیوان بھی تو پہاڑوں میں رہتے ہیں۔

اے عزیز جان لے کہ اگرچہ صوفیا کے نزدیک گوشہ نشینی کا مرتبہ بہت بلند ہے لیکن حضرت تونسویؒ کے مرتبے کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اگرچہ حضرت سلطان باہُوؒ صاحبِ کمال ہوئے ہیں۔ لیکن انہیں حضرت گنج شکرؒ کے مقامِ عالی کے مقابلے میں دَم مارنے کی کیا مجال ہے کہ جن کا لقب "زہدالانبیاء" مشہور ہے۔

بعدازاں، خواجہ تونسویؒ کا تذکرہ شروع ہوا۔ فرمایا۔ مرتبۂ تجرید میں حضرت تونسویؒ نہایت ہی بلند مقام پر فائز تھے۔ چنانچہ آپ کے آستان پر ہزار آدمی مقیم تھے اور پانچسو کے قریب مہمان ہوتے تھے۔ اتنے کثیر مصارف کے باوجود آپ نے کسبِ معاش کے لیے کوئی ظاہری وسیلہ بھی اختیار نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بے نیازی کی یہ شان تھی کہ

جب آپ مسند پر بیٹھتے تو محض ایک بیگانہ اجنبی کی طرح بیٹھتے تھے اور کسی چیز سے دلچسپی کا مطلق اظہار نہ فرماتے تھے۔

بعد ازاں، حاتم اصم کا ذکر شروع ہوا۔ فرمایا۔ ایک دن حاتم اصم نے قیلولہ سے بیدار ہو کر پوچھا، حالات کی نوعیت کیا ہے؟ کون کون شہید ہوئے اور کون کون جہاد کر رہے ہیں؟ لوگ ان باتوں سے حیران ہوئے کہ ان کے سوتے سوتے جنگ کیسے چھڑ گئی؟

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن میں خواجہ تونسویؒ کے ساتھ کشتی پر سوار ہوا، اس دن سواریوں کا بڑا ہجوم تھا، یہاں تک کہ کشتی کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس کے علاوہ دھوپ بھی انتہائی تیز تھی۔ میں نے عرض کیا کہ سواریوں کی کثرت کی وجہ سے کشتی کو خطرہ درپیش ہے، آپ حکم فرمائیں کہ چند لوگ کشتی سے اُتر آئیں تاکہ کشتی صحیح سلامت دوسرے کنارے جا لگے۔ میری طرف دیکھ کر آپ نے سرِ مبارک جھکا لیا اور مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ عنایت کی نظر تھی یا غضب کی؟ مجھے بڑی ندامت ہوئی کہ میں نے گستاخی کی ہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے آپ پر چھتری کا سایہ کیا، اس کی طرف دیکھ کر آپ نے فرمایا، اسے ہٹا لو۔ اس نے تعمیل کی۔ پھر کسی آدمی نے اسے سمجھایا کہ تم حضرت صاحب پر دوبارہ سایہ کرو۔ اگر آپ منع فرمائیں تو تم کہنا کہ یہاں کھڑے ہونے سے ایک تو میں نے اپنے آپ پر سایہ کیا ہوا ہے اور دوسرے یہ کہ کشتی میں کہیں اور جانے کی جگہ بھی نہیں۔ پس اس نے اسی طرح کیا۔ اب حضرت صاحب خاموش ہو گئے۔ اور آپ نے قدرے آرام کیا۔ پھر اسی وقت کشتی روانہ ہوئی۔ جب کشتی دریا کے درمیان پہنچی تو جھولنے لگی اور لوگوں کو زندگی کی اُمید نہ رہی۔ بلکہ یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے کو الوداع کہنے لگے۔ جب حضرت صاحب بیدار ہوئے تو کشتی کی حالت دریافت کی، میں نے تمام خطرات عرض کر دیئے۔ کشتی خیر و عافیت سے کنارے جا لگی اور تمام لوگ صحیح سلامت ساحل پر اُترے۔ اس وقت مجھے حاتم اصم کا واقعہ یاد آیا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ بزرگوں کو گوناگوں حالات پیش آتے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن منشی غلام حسن ملتانی سے سننے میں آیا کہ حضرت تونسویؒ کے وجودِ مبارک پر جلالی تجلّیات اس قدر برستی تھیں کہ کسی کو آپ کے مدِّمقابل

بیٹھنے کی ہمّت نہ پڑتی تھی، اور محفل میں بیٹھنے والے تمام چھوٹے بڑے لوگ نقش بر دیوار بنے رہتے تھے اور آپ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص لب کشائی نہ کر سکتا تھا، لیکن حضرت کا باطن جمالی تجلیات کا مرکز تھا اور آپ نے بیشمار لوگوں کو دنیوی گورکھ دھندوں سے نکال کر خدا کی راہ پر ڈال دیا۔

بعد ازاں، خواجہ معین الدین اجمیریؒ کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ ملکِ ہندوستان ایک گھناؤنی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب خواجہ معین الدینؒ، رسولِ خداؐ کے حکم کے مطابق ہندوستان تشریف لائے تو آپ نے کفر کی تاریکی کو نورِ اسلام سے بدل دیا اور جگہ جگہ اسلام کی رونق دوبالا ہوئی۔ راجپوتانہ کے مہاراجہ اور خواجہ غریب نواز کے درمیان مخالفت پیدا ہوگئی۔ کئی بار مہاراجہ نے آپ کا مقابلہ کیا لیکن وہ آپ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا، اور بالآخر اس نے تسلیم کیا کہ مجھ میں مقابلے کی ہمّت نہیں، کیونکہ ان کے پاس الوہی طاقت ہے، اگر معاملہ صرف ظاہر پر مبنی ہوتا تو پھر میں جو کچھ چاہتا کر لیتا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ صوفی کو ظاہر شریعت کے مطابق اور باطن طریقت کے مطابق رکھنا چاہیئے۔ اسی موضوع پر خواجہ حافظ شیرازی کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ ایک دن خواجہ حافظ مسجد میں بیٹھے تھے، قریب ہی ایک استاد دیوانِ حافظ پڑھا رہے تھے۔ خواجہ حافظ نے استاد کو مخاطب کر کے کہا۔ آپ توجہ فرمائیں شاید مصنّف اس سے کچھ اور مراد لیتا ہو۔ اُستاد نے پھر تقریر شروع کی، حافظ نے پھر کہا۔ آپ غور نہیں کرتے شاید اس سے مصنّف کی کچھ اور مراد ہو۔ اسی طرح اُستاد نے پانچ تقریریں کیں۔ آخر کار خواجہ حافظ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور کہا۔ میرا گمان ہے کہ خواجہ حافظ آپ ہی ہیں۔ وہ شعر یہ ہے ؎

از خیالِ لطفِ مے مشاطۂ چالاک طبع
در ضمیرِ برگِ گل خوش می کند پنہاں گلاب

پھر فرمایا۔ مَے سے مراد عرفانِ الٰہی ہے، مشاطۂ چالاک طبع سے مراد عارفِ کامل، برگِ گل سے مراد احکامِ شریعت اور گلاب سے مراد حقیقت ہے۔ یعنی جس طرح گلاب کی پنکھڑی میں خوشبو کا عنصر مضمر ہے۔ اسی طرح عارفِ کامل بھی حقیقت کو شریعت کے

لباس میں پوشیدہ رکھتا ہے۔ یعنی اپنے ظاہر کو شریعت سے آراستہ کرتا ہے اور باطن کو حقیقت سے مزیّن کرتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت تونسویؒ اکثر اوقات سماع کے دوران توحید کے موضوع پر ننگ دھڑنگ اشعار سُننے سے پرہیز کرتے اور فرماتے کہ یہ شمشیرِ برہنہ ہے۔ اصلِ سخن تو حافظ شیرازی کی غزل ہے، جو علامتی اسلوب کی بہترین مظہر ہے اور جس میں بات رمز و کنایہ کے صیغوں میں زیادہ مؤثر طور پر بیان ہوئی ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ میرے استاد حضرت مولوی محمد علی صاحب مکھڈی فرماتے۔ اگر محبوب اپنے حُسن کو خود بے پردہ دکھاتا پھرے تو کسی کو اس کے حُسن کے مشاہدے کا ذوق ہی نہ رہے اور اگر حُسن اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے تو ہر آدمی اس کے دیکھنے کا مشتاق رہتا ہے خواہ پردہ دار سیاہ فام ہی کیوں نہ ہو۔ نیز انسان کی یہ فطرت ہے کہ اسے جس چیز سے روکا جائے وہ اسی پر اُبھرتا ہے۔

بعد ازاں، صوفیائے کرام کا ذکر شروع ہوا، فرمایا۔ صوفیائے متقدمین نے مالِ دُنیا کو مشہور حدیث کہ "دنیا مُردار ہے اور اس کا طالب کُتّا ہے" کے تحت کبھی قبول نہ کیا اور اگر کوئی چیز آجاتی تو اسے پھر خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالتے۔ لیکن آج کل کے صوفی مالِ دنیا کو رفیقِ دارین سمجھ کر جمع کرتے ہیں۔

مجلس ۲۵

تکبّر، فنا اور ہستیٔ موہوم

جمعہ کو قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ مولوی سلطان محمود نارٹی والا، غلام محمد درویش پوٹھوہاری، عالم شیر لانگری اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریکِ مجلس تھے۔ تکبّر کے موضوع پر گفتگو شروع ہوئی۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ متکبّر انسان کی عبادت قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ پس تکبّر خدا کی ناراضگی کا موجب ہے اور ایمان کے لیے مُضر ہے۔ تکبّر انسان کو عرفان سے محروم رکھتا ہے اور ذلیل و خوار کرتا ہے۔

ضمناً ابلیس کی حکایت بیان کی کہ۔ ایک دن حضرت موسےٰؑ حسبِ معمول کوہِ طور پر جارہے تھے کہ راستے میں انہیں ایک آدمی ملا جو بیٹھا ہوا گریہ وزاری کررہا تھا۔ حضرت موسےٰؑ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ اس نے کہا ابلیس۔ آپ نے پوچھا تم روتے کس لئے ہو؟ اس نے کہا۔ میں نے کئی لاکھ سال خدا کی عبادت کی لیکن اس نے مجھے اپنی جناب سے ملعون کر کے دھتکار دیا ہے۔ اگر آپ خدا سے میری بخشش کی درخواست کریں تو یہ میرے لیے انتہائی سعادت ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر پہنچے تو انہوں نے خدا کے حضور عرض کیا کہ ابلیسِ لعین جنابِ باری میں بخشش کی درخواست کرتا ہے۔ حق تعالےٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے موسیٰؑ وہ ازلی مردود ہے، لیکن اسے کہو کہ اب بھی اگر وہ حضرت آدمؑ کی قبر کو سجدہ کردے تو میں اسے بخش دوں گا۔ واپسی پر جب موسیٰؑ نے ابلیس کو بخشش کی شرط سنائی تو اس نے کہا۔ اے موسیٰؑ میں نے حضرت آدمؑ کو جیتے جی سجدہ نہ کیا۔ اب اگر میں ان کی قبر کو سجدہ کروں تو میرے لیے باعثِ شرم ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ اس نے زندہ کو چھوڑ کر خاک کو سجدہ کردیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اکثر لوگ اپنے حسب نسب پر فخر کرتے ہیں، گویا قیامت کا انہیں کچھ ڈر نہیں ہوتا اور وہ یہ نہیں جانتے کہ اعمالِ صالحہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ جیسا کہ

حدیث شریف میں مذکور ہے :-

من بطابہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ — جس شخص کا عمل اسے پیچھے ڈال دے اس کا نسب اُسے بڑھا نہیں سکتا۔

پس سالک کو چاہیئے کہ اپنے حسب نسب پر فخر کرنے کی بجائے یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔

ضمناً، بندہ نے عرض کیا کہ اکثر جھوٹے لوگ اپنے آپ کو سیّد قوم سے منسوب کرتے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے ؟ فرمایا۔ رسولِ خدا نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ اس آدمی پر لعنت بھیجتا ہے جو غیر قوم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سیّد بتاتا ہے اور اس شخص پر بھی خدا لعنت بھیجتا ہے جو سیّد ہوتے ہوئے اپنے آپ کو خان بتاتا ہے، پھر یہ حدیث شریف پڑھی :-

لعنۃ اللہ علی الداخلین والخارجین — اپنی قوم و نسب چھوڑ کر دوسری قوم اور نسب اختیار کرنے والوں پر خدا کی لعنت۔

بعد ازاں، رفع ہستیٔ موہوم کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے بندہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ اکثر اوقات مولانا روم کے ان اشعار کو زیرِ مطالعہ رکھے، کیونکہ رفع ہستیٔ موہوم کے لیے یہ بیحد مفید ہیں۔ پھر آپ نے مثنوی سے نَو شعر پڑھ کر سنائے۔

ضمناً، مولوی نور احمد چنیوٹی نے عرض کیا کہ رفع ہستیٔ موہوم کے لیے کوئی چیز ارشاد فرمائیں۔ فرمایا۔ سالک جب تک ماسوا اللہ سے بالاتر ہو کر حقیقتِ حق میں منہمک نہ ہو جائے اس وقت تک ہستیٔ موہوم کی قید سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ پھر آپ نے یہ مصرعہ پڑھا ع

کھیڑا مروِنجے، جھیڑا چُک وِنجے، رانجھا جھنگ سیالاں دی سَیر کرے

بعد ازاں، فرمایا۔ افسوس ہے عمر کا زیادہ حصّہ گزر گیا اور ابھی تک ہم سے سفرِ آخرت کے لیے زادِ راہ بھی تیار نہ ہو سکا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس دار الامتحان سے اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ ساتھ لے کر دوسری دُنیا کو سدھارے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حق تعالےٰ نے شیخ کامل کی صحبت عطا کی تھی، مگر مجھ سے اطاعتِ شیخ

کا حق بھی پورا پورا ادا نہ ہو سکا، اور اکثر لوگ میرے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ خواجہ تونسویؒ نے مجھے دونوں جہانوں کے مراتب بخش دیئے ہیں۔ اگر کوئی گدا کسی کریم کے دروازے پر جائے تو اس میں کیا تعجب ہے کہ وہ ایک لقمہ اس کے آگے پھینک دے۔ یہ بات کرتے کرتے آپ آبدیدہ ہو گئے اور چند احباب پر وجد طاری ہو گیا۔ سبحان اللہ کاملانِ حق کامل اطاعت شیخ اور تکمل فنافی الشیخ کا مرتبہ رکھتے ہوئے بھی یہی کہتے ہیں کہ:-

ماعبدناک حق عبادتک وماعرفناک حق معرفتک — ہم سے نہ تو تیری عبادت کا حق ادا ہوا ہے اور نہ ہم تیری معرفت کما حقہٗ حاصل کر سکے ہیں۔

بعد ازاں، فنائے ہستیٔ موہوم کا ذکر چھڑا۔ بندہ نے عرض کیا کہ عبادت کا مقصد کیا ہے؟ فرمایا۔ عبادت کا مقصد فنا اور فناء الفنا اور بقا باللہ ہے۔ پھر فرمایا۔ فنا کے مختلف مراتب ہیں، چنانچہ رسولِ خداؐ کی فنا دوسرے تمام پیغمبروں کی فنا پر فوقیت رکھتی ہے اسی طرح اولیائے کرام کے مراتبِ فنا بھی آپس میں متفاوت ہیں۔

ضمناً خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی فنا کا ذکر شروع ہوا۔ فرمایا۔ قوالوں نے سماع کی مجلس میں یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

جب قوال پہلا مصرعہ پڑھتے تو آپ جان بحق ہو جاتے، جب دوسرا مصرعہ پڑھتے تو پہلی حالت میں زندہ ہو جاتے۔ یہاں تک کہ کئی بار اسی طرح ہوا۔ جب آپ کی زندگی کی گھڑیاں تمام ہوئیں تو خدا کی قدرت سے قوالوں کے ذہن سے دوسرا مصرعہ اُتر گیا اور وہ پہلے مصرعے کی رٹ لگاتے رہے اور خواجہ صاحب واصل بخدا ہوئے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ہر ولی کو اس کی استعداد کے مطابق فنا حاصل ہوتی ہے۔

پھر فرمایا۔ کسی آدمی نے خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ شیخ سعدیؒ کا ایک شعر ہے ؎

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقتِ مرگ از دست

جس سے پتہ چلتا ہے کہ بُری عادت موت کے علاوہ کسی طاقت سے بدلی نہیں جاسکتی، لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر آدمی بُری خصلتیں چھوڑ کر اچھی خصلتیں اپنا لیتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا ———— موت کی دو قسمیں ہیں، اختیاری اور اضطراری۔ اختیاری یہ ہے کہ انسان اپنے ارادے کے ساتھ شیخِ کامل کی صحبت اختیار کرے اور اوصافِ ذمیمہ کو چھوڑ کر اوصافِ حمیدہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے، شیخ سعدیؒ کے شعر میں موت سے مراد یہی اختیاری موت ہے۔ مرگِ اضطراری محتاجِ تعارف نہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ہر مہینے کا نیا چاند حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کہتا کہ اس ماہ میرے دورانِ گردش میں اس قدر سردی، بارش، بیماری وغیرہ پیدا ہوگی۔ بندہ نے عرض کیا کہ کیا چاند کی شکل و صورت بھی (انسانوں جیسی) ہے؟ فرمایا۔ جب کاملانِ حق کو فنا میں کمال کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو تمام اشیاء ایک معینہ صورت میں ان کے سامنے آتی ہیں، چنانچہ قیامت کے دن ہر انسان کے اچھے اور بُرے افعال معینہ صورت میں پیش آئیں گے۔ پھر فرمایا۔ تمام اشیاء کا معینہ صورت میں مشاہدہ کرنا بھی ضروری نہیں کہ ہر ولی کو حاصل ہو، کیونکہ اولیاء کے مراتب میں بھی بڑا فرق ہے۔ بعض اولیاء ایسے ہوتے ہیں جن کے تمام اوصافِ ذمیمہ اوصافِ حمیدہ سے بدل جاتے ہیں اور بعض اولیاء اس سے بھی بہت آگے یعنی اقوال و افعالِ بشری سے گزر کر فناء الفنا کے اوصاف میں جذب ہو جاتے ہیں۔

بعد ازاں، آپ نے مولوی معظم دین صاحب مرولوی سے درویشوں کی بیماری کا حال دریافت کیا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ سردی کی وجہ سے بیماری زور پکڑ گئی ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ سُورج ان دنوں اس طرح چھُپ گیا ہے کہ گویا پھر کبھی منہ نہیں دکھائے گا، جس سے لوگوں کی بیماریاں دُور ہو سکیں۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

من ز میراثِ پدر یک دلقِ کہنہ یافتم
آں ہم بدزدگہ شب و گہ ابر می گیرد بدوش

ترجمہ:۔ سردی سے بچاؤ کے لیے، مجھے باپ کے ورثے سے یہی ایک پُرانی گدڑی یعنی

سُورج کی ٹکیا ملی تھی اور اسے بھی کبھی رات کا کالا چور چُرا لیتا ہے اور کبھی بادل کندھوں پر کھینچ لے جاتا ہے۔

پھر فرمایا۔ سُورج ایک چشمۂ عام ہے، جب طلوع ہوتا ہے تو مشرق سے مغرب تک تمام مخلوق اس سے مستفید ہوتی ہے۔ پھر یہ حدیث شریف پڑھی۔

الشمس جبۃ المساکین سورج غریبوں کا کوٹ ہے۔

بعد ازاں بندہ نے عرض کیا کہ اس سال تو سردی کی شدّت نے طول پکڑا ہے۔ فرمایا۔ سردی کی شدّت تین چلّوں تک رہتی ہے، پہلا چلّہ بیسویں کاتک سے مگھر کے آخر تک، دوسری چلّہ پہلی پوہ سے دسویں ماہ تک، تیسرا چلّہ بیسویں ماہ سے بیسویں پھاگن تک۔ ان میں سے درمیانی چلّے کی سردی شدید تر ہوتی ہے۔ یہ بھی حق تعالےٰ کا ایک مظہر ہے۔ کبھی وہ سردی میں ظہور کرتا ہے، کبھی گرمی میں، بقول خواجہ اجمیریؒ ؎

اے کہ در ہر مظہرے نوعے ظہورے کردہ ای
در لباسِ جملہ اعیاں تو عیانی کیستی؟

مجلس ۲۶

شیطانی فریب اور نسوانی مجلس

ہفتہ کی رات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی معظم دین صاحب مرولوی، مولوی سلطان محمود ناڑوی، سیّد محمد درویش اور دوسرے یاران طریقت بھی شریکِ مجلس تھے۔ کلاچی کے حافظ سردار نے عرض کیا۔ اہلِ فنا کو شیطان ورغلا سکتا ہے یا نہیں ؟
خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ شیطان نے حضرت آدمؑ اور حوا کو گندم کا دانہ کھلایا اور اس وجہ سے دونوں حضرات کو بہشت سے نکلنا پڑا۔ اس کے بعد حضرت ہابیل اور قابیل میں جھگڑا کھڑا کر دیا۔ حتیٰ کہ قابیل نے حضرت ہابیل کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد نوحؑ کے بیٹوں ہام، سام، یافث کو آپس میں لڑا دیا۔ جب نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ کے کنارے اُتری تو یافث چین اور ماچین کے علاقوں میں چلا گیا۔ وہاں ایک پہاڑ پر اس نے ایک پتھر پر پتھّر مارا جس سے آگ کا شعلہ نکلا اور اس نے شیطان کے بہکانے پر کہا کہ یہ شعلہ میرا خدا ہے۔ پھر اپنے تمام متعلقین کو اس کی پرستش کا حکم دیا اور ابھی تک آتش پرستی کا طریقہ جاری ہے۔

بعد ازاں، حضرت آدمؑ اور مائی حوّا کا قصّہ بیان کیا کہ ـــــ جب حضرت آدمؑ اور حوّا نے زمین پر اُتر کر اپنا ٹھکانا بنایا تو ایک دن شیطان مائی حوّا کے پاس آیا اور اپنا بچّہ وہاں چھوڑ کر خود چلا گیا۔ جب آدمؑ آئے تو انہوں نے پوچھا یہ بچّہ کس کا ہے ؟ حوّا نے کہا ابلیس اپنے بچّے کو میرے پاس چھوڑ گیا ہے۔ آدمؑ نے غضبناک ہو کر اسے مار ڈالا اور زمین میں دفن کر دیا جب ابلیس نے آ کر پوچھا کہ میرا بچہ کہاں ہے ؟ تو حوّا نے کہا۔ آدمؑ نے اسے مار کر دفن کر دیا ہے۔ شیطان نے کہا اے خناس حاضر ہو۔ وہ اسی وقت حاضر ہو گیا۔ شیطان اسے پھر حوّا کے سپرد کر کے چلا آیا۔ آدمؑ دوبارہ آئے تو انہوں نے کہا۔ اسے تم نے اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے ؟ حوّا نے کہا۔ اس میں میرا کچھ دخل نہیں، وہ زبردستی میرے پاس چھوڑ گیا ہے۔

آدمؑ نے اسے ذبح کیا اور ذرّہ ذرّہ کر کے مختلف پہاڑوں پر پھینک دیا۔ جب ابلیس آیا تو اس نے پھر کہا اے خناس حاضر ہو۔ بچہ جھٹ پٹ حاضر ہو گیا۔ شیطان پھر اسے حوّا کے پاس چھوڑ گیا۔ آدمؑ نے پھر اسے دیکھا تو ان کے غصّے کی کوئی انتہا نہ رہی، انہوں نے اسے جلا کر اس کی راکھ کو دریا میں پھینک دیا۔ ابلیس نے پھر آواز دی اے خناس حاضر ہو، وہ پھر حاضر ہو گیا۔ شیطان اسے حوّا کے حوالے کر کے چلا گیا۔ جب آدمؑ آئے تو انہوں نے کہا۔ اے حوّا میں نے اس بچّے سے پیچھا چھڑانے کے لیے تمام حربے استعمال کئے مگر کوئی بھی کارگر نہ ہوا، اب مجھے ایک تجویز سوجھی ہے کہ اسے دیگچے میں پکا کر ہم کھالیں۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔ جب شیطان نے آکر آواز دی کہ اے خناس حاضر ہو تو اس نے دونوں صاحبان کے اندرون سے جواب دیا۔ میں حاضر ہوں، شیطان نے کہا اسی جگہ رہ کیونکہ میری خواہش بھی یہی تھی۔

ضمناً، فرمایا۔ ہر انسان کے دل کے ساتھ ملہم نامی ایک فرشتہ اور ایک خنّاس لاحق ہوتا ہے۔ فرشتہ نیکی کی ترغیب دیتا ہے اور خنّاس بدی پر اکساتا ہے، چنانچہ قرآنِ پاک میں مذکور ہے:۔

انما یامرکو بالسوء والفحشاء	شیطان تم کو بُرائی اور بے حیائی پر اُکساتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ بلعم باعور نامی ایک شخص نے ولایت کا درجہ حاصل کیا ہوا تھا، لیکن بالآخر وہ شیطان کے ورغلانے پر اس دنیا سے بے ایمان ہو کر گیا۔

بعد ازاں، فرمایا کہ۔ برصیصا کامل ولی اللہ تھا۔ اس نے سات سو کاتب رکھے ہوئے تھے۔ لوحِ محفوظ سے جو حال دریافت کرتا کاتبوں کو بیان کر دیتا اور وہ اسے لکھ لیتے۔ اس نے ستّر برس خدا کی عبادت کی اور شیطان کا بھی اس پر کوئی بس نہ چلتا تھا۔ ایک دن شیطان انسانی صورت بنا کر اس کی عبادت گاہ میں سخت ریاضت میں مشغول نظر آیا، برصیصا اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت اس کا مرید ہو گیا۔ شیطان نے واپسی کے وقت شفائے امراض کے لیے چند کلمے برصیصا کو سکھا دیئے اور خود شہر میں جا کر اس نے ایک شخص کو

آسیب میں ڈال دیا۔ اور پھر طبیب کی صورت میں ظاہر ہو کر اس کے گھر والوں سے کہنے لگا، برصیصا کی دُعا کے علاوہ اس کا مطلق کوئی علاج نہیں۔ پس اس مریض کو برصیصا کی عبادتگاہ میں لایا گیا۔ برصیصا نے وہی دم پھونک دیا جو شیطان اس کو سکھا گیا تھا۔ مریض فوراً درست ہو گیا۔ القصہ شیطان لوگوں کو آسیب میں ڈال ڈال برصیصا کی طرف بھیجتا رہتا اور برصیصا کے دَم سے لوگ فوراً ٹھیک ٹھاک ہو جاتے تھے۔ ایک دن شیطان نے بادشاہ کی لڑکی پر آسیب ڈال دیا، برصیصا نے اسے دَم کیا، لڑکی فوراً بھلی چنگی ہو گئی۔ پھر برصیصا نے شیطان کے اُکسانے پر شہزادی سے زنا کیا اور ملامت و رُسوائی کے خوف سے اسے قتل کر کے اپنے حجرے میں دفن کر دیا۔ اس کے بعد شیطان نے لڑکی کے بھائیوں کو اس امر کی اطلاع کر دی اور انھوں نے برصیصا کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ اس وقت شیطان اپنی وہی پہلی صورت بنا کر ظاہر ہوا اور کہا مجھے سجدہ کرو تاکہ تمہیں رہائی دلاؤں۔ چنانچہ برصیصا نے اسے سجدہ کیا جس سے اس کی عبادتیں ضائع ہو گئیں اور وہ جاودانی نحوست میں گرفتار ہوا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی :۔

اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریٔ منک	شیطان پہلے تو انسان کو کہتا ہے کہ کفر اختیار کر، پس جب انسان کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے تو شیطان کہتا ہے، میرا اس میں کیا دخل ہے؟

بعد ازاں، فرمایا۔ عورتیں شیطان کا جال ہیں، جو گمراہ ہوتا ہے وہ عورتوں کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے :۔

النساء حبائل الشیطان	عورتیں، شیطان کے پھندے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ انسان کی نظر، شیطان کے تیروں میں سے زہر آلودہ تیر ہے۔ حدیث شریف میں مذکور ہے :۔

النظر سہم مسموم من سہام الابلیس	(انسان کی) نظر شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کو عورتوں کی محبت سے پرہیز کرنی چاہیئے کیونکہ عورت پر ہی تمام تعلقات کا دارومدار ہے۔ نیز عورتوں کی محبت پر ناز نہ کرنا چاہیئے کیونکہ چند دنوں کے بعد، اس سے، سوائے پریشانی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، بقول حضرت علی رضؓ

النکاح سرور شھر و غموم دھر و کسر ظھر و لزوم مھر

نکاح مہینے بھر کے لیے تو لذت لیکن عمر بھر کے لیے مصیبت ہے، اس کے علاوہ یہ ایک پشت شکن عارضہ بھی ہے اور حق مہر مزید برآں۔

ضمناً، فرمایا۔ کنوارے لوگ خیال کرتے ہیں کہ عورت کی دورانوں کے درمیان گویا رس سے بھرا شہد کا چھتہ ہے۔ لیکن جب ان کی شادی ہوجاتی ہے تو چلا اُٹھتے ہیں کہ ہرگز نہیں، یہ تو بھڑوں کا چھتہ ہے اور پھر تمام عمر کفِ افسوس ملتے رہتے ہیں۔

بعد ازاں، بندہ کو مخاطب کرکے فرمایا۔ مولوی نورالدین سکنہ للیانی نے تقریباً دس سال تک ہماری خدمت کی، آخر جب عورت کے پھندے میں گرفتار ہوا تو ہم سے دُور جا پڑا اور یہی دُوری خدا سے دُور ہوجانے کا سبب ہے، چنانچہ سعدیؒ نے فرمایا ؎

غمِ فرزند و نان و جامہ و قوت بازت آرد ز سیر در ملکوت

ترجمہ:۔ اولاد کا غم، نان نفقے کا غم، لباس کی فکر اور دوسرے معاشی و معاشرتی مسائل تجھے ملکوتی فضا کی سیر سے موڑ کر واپس زمین پر لائیں گے۔

پھر فرمایا۔ مولوی معظم دین مرولوی عالی ہمت انسان ہیں۔ حافظ قرآن ہونے کے علاوہ علوم متداولہ میں منتہی کی فضیلت رکھتے ہیں، حج اور حرمین شریفین کی زیارت سے فارغ ہوکر اب یادِ الٰہی میں مشغول ہیں اور عورتوں کی محبت آج تک ان کے دل میں پیدا نہیں ہوئی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت تونسوی کی خدمت میں گوہر نامی ایک شخص رہتا تھا۔ اس کے ذمے لنگر کا غلہ صاف کرنا تھا۔ وہ ایک عورت کے ساتھ معاشقہ بھی رکھتا تھا اور روزانہ تھوڑا سا غلہ چُرا کر اپنی محبوبہ کو دیتا اور کہتا کہ میرے ساتھ نکاح کرو۔ وہ کہتی کہ نکاح سے تمہیں

کیا سر و کار تم اپنا مطلب نکالو۔ گوہر کہتا میں زنا تو ہرگز نہیں کروں گا۔ چند سال تک اسی طرح چوری کا غلّہ وہ اپنی محبوبہ کو دیتا رہا۔ آخر کار اس بے وفا عورت نے ایک اور شخص سے نکاح کر لیا۔ گوہر نے حاکم کے ہاں نالش کر دی کہ میں نے نکاح کے وعدے پر فلاں عورت کو ایک سو چالیس روپے کا غلّہ دیا ہے، اب اس نے ایک اور آدمی سے نکاح کر لیا ہے اور میرے روپے واپس نہیں دیتی۔ حاکم نے اس عورت کو عدالت میں بُلا کر روپے لے لیے اور حضرت خواجہ تونسوی کی خدمت میں بھیج دیئے۔ آپ نے گوہر کو بُلا کر فرمایا۔ یہ روپے جو تم نے فلاں عورت کو دیئے تھے لے لو۔ جب اس کا راز فاش ہو گیا تو بے حد شرمندہ ہوا۔ اور بڑی منّت سماجت کی۔ حضرت نے فرمایا۔ تو نہ تو عاشق ہوا اور نہ فاسق ہوا۔ چند برس تک آپ اسے انہیں الفاظ سے خطاب کرتے رہے اور تمام لوگ حیران ہوتے تھے کہ اس میں کیا بھید ہے؟ میں نے کہا فاسق سے مراد وہ آدمی ہے جو اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق کام کرے اور اہل اللہ کے نزدیک یہ چیز بُری ہے خواہ نکاح ہو یا زنا ہو۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اس زمانے میں منکوحہ عورتوں سے مجلس رکھنا بھی زنا کے برابر ہے، کیونکہ طریقت میں نکاح وہ ہے جو محض سنّتِ رسولؐ کی غرض سے ہو۔ جو خواہشِ نفس کی تسکین کے لیے ہو، اہل اللہ کے نزدیک حرام ہے۔ عاشق سے مراد وہ سالک ہے جو تمام تعینات میں خواہ انسان، خواہ حیوان، خواہ پرندے، خواہ وحشی جانور ہوں، محبوبِ حقیقی کا مشاہدہ کرے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ مجرّد رہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو سنّت کے مطابق نکاح کرے اور اس کی نیّت یہ ہو کہ یہ نکاح نیک اولاد پیدا کرنے اور سُنّت کی ادائیگی کی غرض سے ہے، کیونکہ تمام اقوال و افعال کی بُنیاد خلوصِ نیّت پر مبنی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے الاعمال بالنیات۔

ضمناً، مہدی نامی ایک درویش نے عرض کیا، جب میں نے نکاح کی سنّت اختیار نہیں کی تھی تو تمام آدمی مجھے نیک جانتے تھے اور اب جب کہ میں نے یہ سنّت اختیار کی ہے تو لوگ مجھے طعنہ دیتے ہیں کہ باوجود اتنی ریاضت اور عبادت کے آخر تم ایک عورت کے پھندے میں پھنس گئے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اس زمانے کا نکاح زنا کی مانند ہے، کیونکہ اکثر لوگ جو نکاح کرتے ہیں توکل، صبر و رضا اور شکر و قناعت کے مرتبے سے محروم ہوتے ہیں اور نماز روزے اور دوسرے شرعی امور کے بھی تارک ہوتے ہیں، اذکار و اشغال میں سستی کرتے ہیں اور روزی مالِ حرام سے حاصل کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ تونسویؒ کے خلیفہ حضرت محمد علی شاہ صاحب کی بیوی فوت ہو گئی تو انہوں نے دوسرے نکاح کا ارادہ کیا، جب یہ خبر حضرت تونسویؒ کی خدمت میں پہنچی تو انہوں نے فرمایا وہ بھی مرجائے گی۔ تقدیرِ الٰہی سے دوسری بیوی بھی مرگئی، انہوں نے پھر نکاح کا ارادہ کیا، حضرت نے فرمایا یہ بھی مرجائے گی اور یہ بھی فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کون غالب آتا ہے اور کون مغلوب ہوتا ہے؟ جب شاہ صاحب نے یہ سُنا تو نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ نکاح نیک اولاد کی خواہش سے ہونا چاہیئے تاکہ مرنے کے بعد اولاد اپنے والدین کو نیکی سے یاد کرلے اور اس طرح والدین کی نیکی کا سلسلہ باقی رہے۔ اگرچہ نکاح کے بہت سے فوائد ہیں لیکن سالک کو چاہیئے کہ اپنی جوانی کے زمانے میں آخرت کا توشہ تیار کرے کیونکہ اس دن نیک اعمال کے سوا اور کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا؎

تو با خود ببر توشۂ خویشتن　　　　که شفقت نیاید ز فرزند و زن

ترجمہ:۔ قیامت کے لیے زادِ راہ تم خود ہی ساتھ لے چلو، کیونکہ اس دن بیوی بچے تمہاری کوئی ڈھارس نہیں بندھا سکیں گے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت تونسویؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور عورتوں کے درمیان ایک کشمکش جاری ہے، کبھی وہ غالب آکر ہمارے درویشوں کو بھگا لے جاتی ہیں اور کبھی ہم غالب آکر ان کے شوہروں کو پکڑ لیتے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجگانِ چشت میں اکثر حضرات نے ایک یا دو سے زیادہ شادیاں نہیں کیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اولاد تین قسم کی ہوتی ہے، پُتر، سُپتر، کپتر۔ پُتر وہ ہے جو

قول و فعل میں اپنے والدین کے برابر ہو، سپتر وہ جو بڑھ جائے اور کپتر وہ جو کمتر ہو۔

بعد ازاں، فرمایا۔ نکاح بیشک سُنّت ہے، لیکن یہ اس کے لیے سُنّت ہے، جس میں خواہشاتِ نفسانی نہ ہوں، نکاح کو سنّت کہنا سنّت کی توہین تو نہیں ہے، البتہ نکاح کرنے والے کو اپنے آپ پر تعجّب ہونا چاہئے کہ اتنی عمر مجرّد رہنے کے بعد آخر کار وہ عورت کے جال میں آ ہی گیا، کیونکہ خدا کے بندے ماسوا اللہ کی طرف رغبت نہیں رکھتے۔

بعد ازاں، ایک درویش کو فرمایا۔ تو نے بھی کسی عورت سے نکاح کیا ہے؟ اس نے کہا کیا ہے لیکن وہ کم عمر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ سانپ کا زہر خواہ تھوڑا ہو خواہ زیادہ دونوں صورتوں میں معاملہ برابر ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اے درویش بی بی حوّا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا، اسی لیے عورت سیدھی نہیں ہوتی۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

زن از پہلوے چپ شد آفریدہ　　کس از چپ راستی ہرگز ندیدہ

پھر فرمایا۔ عورتیں تمام گناہوں کی جڑ ہیں اور خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کا سبب ہیں۔ مجرّد آدمی کو کسی سے کوئی حاجت نہیں ہوتی اس لیے وہ ہر حالت میں یادِ خدا میں مشغول رہ سکتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ نکاح کرنا، مدرس اور قاضی ہونے کی خواہش کرنا تینوں مانعِ وصل ہیں، کیونکہ دل جب تک ماسوا اللہ سے فارغ نہ ہو واصل باللہ نہیں ہو سکتا۔ بقولِ سعدی ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی
چو پیوندھا بگسلی، واصلی

بعد ازاں، مکّار آدمیوں کا تذکرہ شروع ہوا، فرمایا۔ بہت سے لوگ تسخیر کے لیے حُب اور عداوت کے تعویذ لکھتے ہیں اور اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، اور اس کام کو پیشہ بنا کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

ضمناً، ایک شخص نے عرض کیا کہ جب کوئی آدمی بیمار ہو جائے تو مکّار لوگ کہتے ہیں، اسے کسی نے جادو کر دیا ہے، پھر بیمار کے گھر جا کر کسی کونے سے مدفون تعویذ نکال کر دکھا

دیتے ہیں، کیا یہ ٹھیک ہے یا نہیں ؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ اگر کسی آدمی پر جادو یا تعویذ کا اثر ہو تو اس میں کیا تعجّب ہے ؟ لیکن یہ جو بعض مکار آدمی مدفون تعویذ نکال کر دکھا دیتے ہیں محض جھوٹ ہے ، کیونکہ ان کا طریقہ یہی ہے کہ تعویذ کے چند ٹکڑے ایک چیتھڑے میں لپیٹ کر اپنی مٹھی میں رکھتے ہیں اور جھوٹی باتیں بنانے کے بعد کہتے ہیں کہ فلاں کونے میں چند تعویذ دفن کئے گئے ہیں ۔ جب اس کونے سے کچھ نہ نکلے تو کہتے ہیں دوسرا کونہ کھودو ، اسے کھودنے کے دوران وہ تعویذ جو انہوں نے مٹھی میں رکھا ہوتا ہے ، چالاکی سے مٹی میں چھپا دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ دیکھو یہاں تعویذ دفن کئے گئے تھے ۔

بعد ازاں ، فرمایا ۔ اکثر مکار لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی کی کوئی چیز گُم ہو جائے تو ہم چور کا پتہ بتا سکتے ہیں ، چنانچہ گھر والوں سے چالاکی سے وہ پوچھ لیتے ہیں کہ کس آدمی پر انہیں چوری کا شک ہے ؟ جب انہیں حالات بتا دیئے جائیں تو ایک خاص چیز سے اس آدمی کا نام اپنی ہتھیلی پر لکھ لیتے ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتا ، لیکن جب اس پر سیاہی ملتے ہیں تو مخفی حروف روشن ہو جاتے ہیں ، پھر کہتے ہیں چور کا نام خود بخود لکھا گیا ہے اور اسی کو چور مشہور کر دیتے ہیں

بعد ازاں ، فرمایا ۔ بعض مکّار لوگ پیسے پر سیماب مل کر رات کے وقت فاحشہ عورتوں کے گھر جاتے ہیں اور وہ انہیں دے کر زنا کرتے ہیں ۔ جب سُورج نکلتا ہے تو وہ عورتیں اس سکّے کو دیکھ کر کفِ افسوس ملتی ہیں ۔ کیونکہ وہ پیسے کو روپیہ سمجھ کر لے بیٹھتی ہیں ۔

ضمناً ، بندہ نے عرض کیا وہ تمام برائیاں جو بُرے لوگ کرتے ہیں ۔ کون سے اسم کا مظہر ہیں ؟ فرمایا ۔ تمام افعالِ ذمیمہ اسم مضل کا مظہر ہیں ، پھر یہ آیت پڑھی :-

واللہ خیر الماکرین — بہ تقاضائے ادب ترجمہ نہیں کیا گیا

پس سالک کو چاہیئے کہ دنیا کی تمام اشیاء کو آئینہ سمجھ کر اس میں محبوبِ حقیقی کے چہرے کا مشاہدہ کرے ۔

مجلس ۶۷

ماضی اور حال کے ملامتیوں میں فرق

ہفتہ کے روز قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی نورالدین، مہر محمد بخش، غلام محمد درویش، غلام احمد اور دوسرے احباب بھی حاضرِ خدمت تھے۔ بندہ نے عرض کیا۔ ثابت شاہ نامی ایک مشہور و معروف فقیر میرے راستے میں کوٹ نکیوالہ میں سکونت رکھتا ہے۔ ایک دن میں نے اس کے پاس جا کر حالات کا جائزہ لیا۔ اس کا چہرہ خلافِ شرع تھا، لبوں کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے لیکن بظاہر وہ صوفیانہ لباس اور رندانہ طرزِ گفتگو رکھتا تھا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ایک شخص کا نام احمد یار تھا۔ ایک دن اس نے میرے پاس آکر کہا کہ میں نے ایک نظم تصنیف کی ہے، پھر اس نے وہ نظم سنائی، تمام اشعار میں مجھے یہ شعر پسند آیا ؎

صدی چڑھی سی تیرھویں نا کجھ ادب آداب!
ہُن مست فقیر اکھاوندے جیہڑے پیون بھنگ شراب

بعد ازاں، فرمایا۔ ملامتیوں کا ایک خاص فرقہ ہے، یہ لوگ تمام مشروعات کو ترک کر دیتے ہیں اور اگرچہ ان میں بظاہر بعض امور خلافِ شرع نظر آتے ہیں لیکن ان کا باطن نورِ عرفان سے روشن ہوتا ہے۔

ضمناً فرمایا۔ چونکہ ان میں آتشِ عشق روشن ہوتی ہے، اس لیے انہیں ندامت اور ملامت سے کوئی عار نہیں ہوتا، پھر یہ آیت پڑھی ؎

لا یخافون لومۃ لائم — نکتہ چین کی ملامت سے وہ نہیں ڈرتے۔

بعد ازاں، فرمایا کہ —— خواجہ حافظ شیرازی ہر روز ایک زہرہ جبین اور شراب کی صراحی کے ساتھ بازار سے گزرتے تھے۔ لوگ ان پر بدظنی کرتے کہ یہ فقیر خلافِ شرع ہے۔ جب حافظ کا انتقال ہوا تو علماء نے ان کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار ان کی بیوی سے ان کے نجی

حالات معلوم کئے گیے تو پتہ چلا کہ خواجہ حافظ دن رات اوراد و اذکار میں مشغول رہتے تھے، پھر علماء نے دیوانِ حافظ سے نمازِ جنازہ کے متعلق تفاول کیا تو یہ فال نکلی ؎

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ
کہ گرچہ غرقِ گناہ است می رود بہ بہشت

یہ فال دیکھتے ہی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

بعد ازاں، فرمایا کہ ——— خواجہ حسن بصری کی یہ خصوصیت تھی کہ کسی کے حق میں بدگمانی نہیں کرتے تھے۔ ایک دن آپ دریا کے کنارے پر گئے تو دیکھا کہ ایک بزرگ ایک ماہ جبین اور شراب کی صراحی لیے ہوئے بیٹھا ہے۔ خواجہ حسن بصری کو اس پر بدگمانی ہوئی۔ اسی اثنا میں دریا میں دو آدمی غرق ہوتے نظر آئے، اس بزرگ نے خواجہ صاحب کو اشارہ کیا کہ ان میں ایک کو تم پکڑو اور دوسرے کو میں پکڑتا ہوں، چنانچہ ایک آدمی کو اس نے اپنی کرامت سے سلامت نکال لیا اور دوسرا غرق ہوگیا۔ پھر بزرگ نے خواجہ صاحب کو طعنہ دیا کہ تم اپنی اسی بزرگی پر ناز کرتے ہو؟ اور پھر آپ کی بدگمانی رفع کرنے کے لیے اس نے بتایا کہ یہ عورت میری ماں ہے اور اس صراحی میں پینے کا پانی ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ بعض قلندر شریعت کے خلاف ہوتے ہیں اور لوگوں کے حق میں ان کی دعائیں اور بد دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو صاحبِ کرامت مشہور کرتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ جب اس قسم کے لوگ کوئی ریاضت کر بیٹھتے ہیں تو خدا تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ یہ لوگ بھی ہمارے دروازے پر بیٹھنے والے کتّے ہیں، ان کی عبادتوں کے عوض انہیں بھی ایک ہڈی پھینک دو، یعنی ان کی عبادت کا ثمرہ یہی ہوتا ہے کہ ان کی دُعا اور بد دعا قبول ہوتی ہے۔

بعد ازاں، بندہ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے دریافت فرمایا۔ ثابت شاہ فقیر کا علاقہ تمہارے راستے میں پڑتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ جنابِ عالی! پھر آپ نے پوچھا، اس کے طور طریقے کیسے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے رات وہیں گزاری، میرے پاس کچھ میٹھی روٹی تھی، میں نے اسی پر گزارا کیا۔ اس نے کہا اگر آج میرے پاس روٹی ہوتی

تو میں تمہیں دیتا۔

ضمناً، فرمایا۔ سالک کو قلندروں کی صحبت سے پرہیز کرنی چاہیے تاکہ وہ ان کی کشش اور جذبے سے محفوظ رہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ دہلی میں ایک قلندر گاڑی پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ اس کا جسم بالکل ننگا تھا، صرف عضوِ مخصوص پر کپڑے کا ایک چیتھڑا باندھے ہوئے تھا۔ اس قلندر نے خواجہ تونسویؒ کے خلیفہ حضرت مولوی محمد حیات صاحب کو کشش کیا۔ مولوی صاحب نے اسی وقت اس کے پاس جا کر پوچھا تمہاری حاجت کیا ہے؟ اس نے کہا میری کوئی حاجت نہیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا فدا حسین، پھر اس سے پوچھا تمہارے مرشد کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا محمد حنیف۔ میں نے کہا یہ سالکوں کا نام ہے اور وہ قلندر تھا۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ شاید وہ ابتدائی ایام میں سالک رہا ہو اور پھر قلندر بن گیا ہو۔ اسی موضع پر فرمایا۔ بو علی قلندر ابتدائی حالت میں مولوی شرف الدین کے نام سے مشہور تھے، جب وہ شرابِ عشق سے سرشار ہوئے تو بو علی قلندر کے نام سے مشہور ہوئے۔ بندہ نے عرض کیا بو علی قلندرؒ سلوک میں کس سے نسبت رکھتے تھے؟ فرمایا۔ اکثر قلندر آپ کو حبیب عجمی سے منسوب کرتے ہیں، لیکن یہ قول صحیح نہیں، کیونکہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قلندر صاحب نے حضرت امام موسیٰ کاظم سے باطنی فیض حاصل کیا اور انہیں سے بیعت بھی کی تھی۔

ضمناً، بندہ نے عرض کیا کہ سالک اور مجذوب میں کیا فرق ہے؟ فرمایا۔ "سالک مجذوب" وہ ہوتا ہے جو ابتدا میں سلوک کے راستے پر چلا ہو اور آخر میں مجذوب ہو گیا ہو۔ "مجذوب سالک" وہ ہے جو ابتدا میں غلبۂ عشق کی وجہ سے مجذوب ہو گیا ہو اور اس کے بعد سلوک میں مشغول ہوا ہو۔ بندہ نے پھر عرض کیا کہ ایک دن میں نے فقیر ثابت شاہ کے ہاں رات گزاری اور کسی کو نماز پڑھتے نہ دیکھا، میں نے دل میں کہا یہ عجیب فقیری ہے! ان لوگوں میں تو ذرہ بھر بھی اسلام کی بو نہیں۔ ان لوگوں کے پیشوا فقیر ثابت شاہ نے کہا فقر کا دارومدار نفس کی مخالفت پر ہے، ظاہری نماز پڑھنا، مونچھیں کترنا اور ظاہری علم حاصل کرنا بے فائدہ ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ نفس کی ایسی مخالفت جو سنتِ رسولؐ سے

متصادم ہو مردود ہے، بقولِ سعدیؒ ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائی بر مصطفےٰؐ

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ ہر کام میں قرآن و حدیث کی پیروی کرے تاکہ منزلِ مقصود کو پہنچے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اکثر جاہل لوگ کھانا ترک کر دیتے ہیں اور ایک کروٹ پر سوتے ہیں حتیٰ کہ ان کا ایک پہلو بے حس ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ملامتیہ فرقے سے منسوب کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ملامتیہ فرقہ اہل اللہ کا فرقہ ہے اور اگرچہ ان لوگوں کے ظاہری امور بعض اوقات شریعت سے متصادم نظر آتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ شریعت کا مقصودِ عین ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشادِ ربّانی ہے:-

لایخافون لومۃ لائم   نکتہ چین کی ملامت سے وہ نہیں ڈرتے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ماضی کے قلندر واقعی شریعت کے مطابق ہوتے تھے اور آج کل کے قلندر شریعت کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت ایک الگ چیز ہے اور طریقت الگ ہے حالانکہ اُن کو اِن دونوں میں سے کسی چیز کی کچھ خبر نہیں۔ بندہ نے عرض کیا کہ میں نے ایک رند سے سُنا کہ جب تک نمازِ حقیقی یعنی وصالِ دوست حاصل نہ ہو تو اس وضو اور ظاہری نماز سے کیا فائدہ؟ فرمایا۔ حقیقی نماز کے حصول کے گمان میں وہ ظاہری نماز سے بھی محروم رہتے ہیں جو نمازِ حقیقی کی اصل بنیاد ہے اور یہ نہیں جانتے کہ خدا نے ظاہری نماز حکماً فرض کی ہے۔ پس جب کوئی آدمی شرعی آداب و شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز پڑھتا ہے تو یقیناً اسے بتدریج نمازِ حقیقی کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ بندہ نے پھر عرض کیا کہ ایک دن میں نے فقیر ثابت شاہ سے ملاقات کی تو خواجہ تونسوی کا ذکر چھڑا۔ میں نے کہا خواجہ تونسوی اپنے زمانے میں شیخِ کامل و اکمل تھے۔ اس نے کہا خیر، وہ ایسے آدمی تھے جو علماء و فضلا کو اپنی بیعت میں لاتے تھے۔ میں نے کہا جو شخص علماء کو تلقین کرے کیا وہ مردِ کامل نہیں ہوتا؟ اس نے کہا خیر فقر کچھ اور ہی چیز ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ علمائے دین خدا کے شیر ہوتے ہیں۔ ان

کے گلے میں محبتِ الٰہی کی زنجیر ڈالنا مَردوں ہی کا کام ہے۔

پھر فرمایا۔ جس وقت حافظ محمد جمال ملتانی، خواجہ مہاروی کی خدمت میں پہنچے تو حضرت مہاروی اپنے شہر کے باہر نہر کے کنارے پر بیٹھے تھے۔ آپ نے حافظ صاحب سے پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے اور کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے کہا میں ایک ملتانی درویش ہوں اور ایک عورت سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر وہ غالب آگئی تو تمہیں کھینچ لے جائے گی اور اگر میں غالب آگیا تو تمہیں اس سے رہائی دلا دوں گا۔ اس وقت جا کر ہماری مسجد میں بیٹھو، میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ جب حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی اپنے مکان پر تشریف لائے اور حافظ صاحب کو طلب کیا اور فرمایا تم نے اس وقت اپنے آپ کو کیوں ظاہر نہ کیا؟ انہوں نے کہا۔ میں ڈر گیا تھا کیونکہ بعض فقراء علماء کو حقیر جانتے ہیں۔ لہٰذا میں نے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ جو علماء کو حقیر جانتے ہیں ہم ان میں سے نہیں ہیں بلکہ ہم علماء کو نائب رسولؐ اور فقراء کا صرّاف سمجھتے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک رند یہاں آیا اور اس نے اپنی ڈاڑھی ترشوا ڈالی۔ ایک آدمی نے اس سے کہا تم نے ڈاڑھی کیوں ترشوائی؟ اس نے کہا کیا تمہارا خدا ڈاڑھی رکھتا ہے؟ میں نے کہا ہمارے پیغمبرؐ نے ڈاڑھی رکھی ہے۔ اس نے کہا یہ تمام اس کا مظہر ہے، میں نے کہا مظہر کے تو ہم بھی قائل ہیں مگر یہ کہاں جائز ہے کہ ہم مظہر سے اپنے آپ کو منسوب کریں اور کھلم کھلا خلافِ شرع کرتے پھریں۔ پھر میں نے کہا آیت فاتبعونی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ پس وہ لاجواب ہو گیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ پاکپتن میں خواجہ فریدالدین گنجشکرؒ کی خدمت میں ایک قلندر آیا۔ اور تغاری میں بھنگ کوٹنے لگا۔ حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا۔ اے نالائق تو ان منہیات میں کیوں مشغول ہو گیا ہے؟ اس نے آپ کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھا اور پھر تغاری کو اٹھاتے ہوئے کہا کس آدمی کو ماروں۔ آپ نے فرمایا اسی دیوار پر دے مارو۔ جب اس نے تغاری دیوار پر دے ماری تو تمام دیوار مسمار ہو گئی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک جوگی حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اگر

تم کوئی کرامت رکھتے ہو تو مجھے دکھاؤ۔ باوا صاحب ہوا میں اُڑنے لگے اور اپنے مکان کے گرد اگرد چکر کاٹ کر پھر اپنے مصلے پر اُتر آئے۔ پھر جوگی بھی ہوا میں اُڑنے لگا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا چکر بھی کاٹو، اس نے کہا یہ ممکن نہیں، پس وہ شرمسار ہو کر عاجز رہ گیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اس قسم کی جو تاثیر ان لوگوں سے ظاہر ہوتی ہے وہ ان کی عبادت کا ثمرہ ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کسی کی عبادت کو ضائع نہیں کرتا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ظاہراً طور پر قلندروں کے اقوال و افعال صوفیا کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن در حقیقت وہ صوفیا کے مقدس طریقے کے خلاف ہوتے ہیں۔ چنانچہ صوفیا رقتِ قلب کے لیے کوشش کرتے ہیں اور قلندر قساوتِ قلب کے لیے۔ صوفیا ہرن کی کھال سے مصلے تیار کرتے ہیں تاکہ رقت پیدا ہو اور قلندر شیر اور بھیڑیئے کی کھال سے مصلیٰ تیار کرتے ہیں تاکہ قساوتِ قلب حاصل ہو۔ صوفیا تسبیح کے دانے زیتون کی لکڑی سے بناتے ہیں اور قلندر اپنے ہاتھ میں لوہے یا کچ کا حلقہ ڈالتے ہیں۔ صوفیا غلبۂ عشق سے رقص کرتے ہیں اور قلندر شیطان کے بہکانے پر سنکھ بجا کر ناچتے ہیں۔ صوفیا شب بیداری سے آنکھیں سُرخ کر لیتے ہیں اور قلندر بھنگ پی کر سُرخ کرتے ہیں۔ صوفیا مشائخ کے یوم وفات کو عرس کا نام دیتے ہیں اور قلندر اسے میلہ کہتے ہیں۔ صوفیا تاریخ کا شمار سنِ قمری کے حساب سے کرتے ہیں اور قلندر شمسی حساب سے صوفیا اپنے پیروں کا سلسلہ رسولِ خدا سے شروع کرتے ہیں اور قلندر اپنے مرشد سے، اور شجرے میں یوں کہتے ہیں فلاں دیکھنے والا فلاں کا اور فلاں دیکھنے والا فلاں کا، اور اسی ترتیب سے آنحضرتؐ تک پہنچتے ہیں۔ صوفیا اپنے دستر خوان کو لنگر یا مائدہ کہتے ہیں اور قلندر اسے بھنڈارا کہتے ہیں، اسی طرح ان دونوں طبقوں کے تمام افعال میں تضاد پایا جاتا ہے۔

مجلس ۲۸

روافض

ایک دن حاضرِ خدمت ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ نظام الدین گجراتی، محمد حیات درویش وغیرہ موجود تھے۔ شیعہ مذہب کا ذکر چھڑا۔ بندہ نے عرض کیا لاہور میں اکثر کشمیری لوگ شیعہ مذہب اختیار کر چکے ہیں۔ فرمایا۔ بلخ کے سنّی اپنے مذہب میں اس قدر افراط سے کام لیتے ہیں کہ خارجی فرقے کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں، اس طرح کشمیر کے شیعہ بھی اپنے مذہب میں اس قدر کٹڑ ہو جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ کفر و ضلالت کی دلدل میں جا پھنستے ہیں۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

در جہاں اند ایں دو کس بے پیر
سُنّیٔ بلخ و شیعۂ کشمیر

ترجمہ:۔ دنیا میں صرف دو بے مرشدی قومیں ہیں۔ ایک بلخ کے سُنّی اور دوسرے کشمیر کے شیعہ۔

ضمناً، بندہ نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں مذہب شیعہ نہایت پاکیزہ مذہب ہے کیونکہ شیعہ لوگ امامین کے نام پر مال و جان کی قربانی دیتے ہیں۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اہل ضلالت کا عمل خدا کے ہاں قابلِ قبول نہیں، کیونکہ اعمال کی بنیاد اسلام پر ہے۔ بندہ نے پوچھا۔ شیعہ مذہب کی ابتداء کب سے ہوئی ہے؟ فرمایا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد شیعہ مذہب پیدا ہوا ہے۔ ایک دن آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے علیؓ میرے بعد ایک فرقہ پیدا ہو گا جو تیرے اور دوسرے صحابہ کے حق میں افراط و تفریط سے کام لے گا۔ تمہیں اس فرقے کو جان سے مارنا چاہیئے۔

بعد ازاں، مسماۃ بانو نے عرض کیا کہ فلاں عورت خرگوش کا گوشت نہیں کھاتی۔

فرمایا۔ اگر وہ تقوے کی نیت سے نہیں کھاتی تو بہتر ہے ورنہ وہ رافضی فقہ کی پیرو شمار ہوگی۔ پھر فرمایا۔ ایک بزرگ تھا جو خرگوش کا گوشت نہیں کھاتا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ یہ پرہیز کس لیے ہے؟ بزرگ نے کہا جس چیز کو بزرگانِ دین میں سے ایک نے بھی حرام قرار دیا ہو اس سے اجتناب بہتر ہے، چنانچہ خرگوش کی حُرمت کے بارے میں امام جعفر صادق رح نے فتوٰی دیا ہے اس لیے میں نہیں کھاتا۔ بندہ نے عرض کیا۔ بعض سادات حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں اچھا عقیدہ نہیں رکھتے اور انھیں حضرت علیؓ کے دشمنوں میں شمار کرتے ہیں۔ فرمایا ——— جب تک تمام صحابہ کرام کے بارے میں اعتقاد دُرست نہ ہو اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوتا۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ اہلِ جنت مزیّن تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ میرے ساتھ طلحہ اور زبیر بہشت کے تختوں میں آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ تینوں حضرات میں کوئی عداوت نہ تھی کیونکہ اگر کسی قسم کی مخالفت ہوتی تو حضرت علی انہیں اس طرح اپنے ساتھ شریکِ مرتبہ ظاہر نہ کرتے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ جب اہلِ اسلام کے دونوں فرقوں میں جنگ چھڑ گئی تو طلحہؓ اور زبیرؓ نے امیر معاویہؓ کے ساتھ مل کر حضرت علیؓ کے خلاف لڑائی کی۔ حضرت علیؓ کے لشکریوں میں سے ایک آدمی نے حضرت زبیرؓ کا سر کاٹ کر حضرت علیؓ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ صد افسوس تُو نے کتنا بُرا کیا، میں تو اسے قطعاً دشمن نہیں سمجھتا تھا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک مرتبہ امام محمد باقر سے پوچھا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا میں انھیں اپنا دوست سمجھتا ہوں اور خلیفۂ وقت تسلیم کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا آپ یہ باتیں تقیہ کے طور پر کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا اگر میں تقیہ کرتا تو سلطانِ وقت کو بھی نیک کہہ دیتا جو دین کا مخالف ہے۔

بعد ازاں، احمد خان بلوچ کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ ابتداء میں وہ شیعہ مذہب میں بڑا متشدد تھا اور خواجہ تونسوی کے کمالات سے مُنکر تھا۔ ایک دن وہ خواجہ تونسوی کی خدمت میں آیا، اسی صحبت میں اس کے دل سے باطل اعتقاد رفع ہوگیا اور کامل الیقین

اور خالص ارادت کے ساتھ آپ سے بیعت کا متمنی ہوا، آپ خاموش رہے۔ دوسرے دن اس نے پھر عرض کیا، خواجہ صاحب نے فرمایا۔ قبلت۔ تیسرے دن پھر اس نے نہایت عاجزی کے ساتھ بیعت کی خواہش ظاہر کی، جب آپ نے سمجھا کہ وہ فاسد عقیدے سے باز آگیا ہے تو اسے بیعت کر لیا۔ اور اس کی استعداد کے مطابق اسے اوراد و اذکار کی تلقین کی۔ اس کے بعد وہ خواجہ تونسوی کی مسجد میں مولوی کھنڈی صاحب کی خدمت میں آیا۔ مولوی صاحب نے اس سے حالات پوچھے۔ اس نے کہا۔ اس سے پہلے میں شیعہ مذہب رکھتا تھا اور ایک شیعہ پیر سے بیعت بھی کر رکھی تھی۔ اب خواجہ صاحب کی توجہ سے میں نے باطل مذہب سے توبہ کر لی ہے اور ان سے بیعت کر لی ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا ہوشیار ہو جاؤ، پہلے پیر سے تم نے جو اوراد و اذکار سیکھے ہیں چھوڑ دو اور خواجہ صاحب کے بتائے ہوئے وظائف میں انہماک پیدا کرو۔ اسے یہ بات ناگوار گزری اور اس نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک بزرگ نے مجھے قرآن کی چند سورتوں اور بعض دوسرے اوراد کی تلقین کی ہے، اگر فرمائیں تو میں پڑھتا رہوں۔ آپ نے فرمایا پڑھتے رہو۔ اس نے کہا مولوی صاحب کھنڈی کہتے ہیں کہ پہلے اوراد کو چھوڑ کر اپنے شیخ کے اوراد پر استقامت پیدا کرو۔ خواجہ صاحب نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں، کیونکہ مشائخِ طریقت کا یہی دستور ہے۔ پس اس نے حسب الارشاد سابقہ وظائف چھوڑ کر خواجہ صاحب کے وظائف پر استقامت پیدا کی۔

بعد ازاں، فرمایا —— ان دنوں میں بھی تونسہ شریف میں مقیم تھا۔ خانِ مذکور سے میں نے رافضی مذہب کے حالات دریافت کئے اور کہا کہ متعجب ہوں کہ پٹھان قوم میں بھی شیعہ مذہب داخل ہو رہا ہے۔ اس نے کہا آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ میرے باپ دادا افغان تھے، ان میں سے ایک نے بلوچ عورت سے نکاح کر لیا تھا، عورت چونکہ رافضی تھی اس لیے اس کی محبت میں شوہر بھی شیعہ ہو گیا اور چونکہ ہماری دو پشتیں شیعہ مذہب ہی میں گزریں، اس لیے میں تو اپنے آبائی مذہب کو صراطِ مستقیم سمجھے ہوئے تھا۔ الحمد للہ خواجہ صاحب کے وسیلے سے مجھے نورِ ایمان حاصل ہو گیا

بعدازاں، فرمایا۔ رافضی اور غیر مقلد فرقہ اپنے اقوال و افعال کو نص اور حدیث کے مطابق خیال کرتے ہیں لیکن ان کا خیال باطل ہے کیونکہ یہ دونوں فرقے اجماع اور مذہب کے منکر ہیں۔

بعدازاں، فرمایا۔ رافضی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ خلافت کا خیال دل میں پوشیدہ رکھتے تھے جسے وہ دشمنوں کی عداوت کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ پس ان کے گمان کے مطابق حضرت علیؓ کی شجاعت میں نقص وارد ہوتا ہے۔ دوسرے فرقے کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کا باہمی جہاد محض خلافت طلبی کا نتیجہ تھا۔ سبحان اللہ! وہ عقل کے اندھے یہ نہیں جانتے کہ اولیاء ان کے دروازے کی خاکبوسی کرتے ہیں اور اولیاء دُنیا کو مُردار سمجھ کر اس سے پرہیز کرتے ہیں اور حضرت علیؓ جو اہلِ دین کے مقتداء اور اہلِ یقین کے پیشوا ہیں، اس مُردار کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے کیونکر جنگ اختیار کی ہوگی۔

بعدازاں، فرمایا ـــــ شیعہ فرقے کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ ایسے شیر اور بہادر مرد کے متعلق توہین آمیز کلمات استعمال کرتے ہیں کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا، جسے دوسرے یاروں نے بزورِ قوت چھین لیا۔

پھر فرمایا۔ جھوٹوں کے باپوں پر لعنت ہو۔ سیّد اللہ بخش نے تبسم کرتے ہوئے پوچھا، جھوٹوں کے باپوں پر آپ کیوں لعنت بھیجتے ہیں؟ فرمایا ـــ جھوٹوں کا باپ بھی جھوٹا ہوتا ہے۔ بندہ نے عرض کیا نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے پر اس قاعدے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ فرمایا ـــ یہ استثنائی صورت ہے۔ النادر کالمعدوم ورنہ یہ قاعدہ ہے کہ عام طور پر اولاد اپنے والدین کے مذہب پر ہوتی ہے۔

بعدازاں فرمایا۔ لکھنؤ کا ایک نواب شیعہ تھا۔ ایک دن کسی آدمی نے اس کے حضور میں عرض کیا کہ میں نے خواب میں ایک لشکرِ جرّار کو آتے ہوئے دیکھا، کسی آدمی سے میں نے اس لشکر کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا یہ حضرت امام حسینؓ کا لشکر ہے۔ اور اس کے پیچھے ایک چھوٹا سا لشکر اور آرہا ہے میں نے پوچھا وہ لشکر کس کا ہے؟ اس نے

کہا وہ حضرت علیؓ کا ہے اور اس کے پیچھے ایک آدمی چند لوگوں کے ساتھ آرہا ہے، میں نے کہا وہ کون ہے؟ اس نے کہا وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کے پیچھے ایک خستہ حال آدمی ایک مریل سا ٹٹو پکڑے آرہا ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا یہ خدا تعالےٰ ہے۔ جب نواب صاحب نے یہ خواب سُنا تو غضبناک ہو کر کہنے لگے اے نادان کائنات کے پروردگار کو تُو نے اتنا خسیس سمجھ لیا ہے؟ اس نے کہا یہ نادانی اور عقیدے کی کمزوری تو آپ میں ہے نہ کہ مجھ میں، کیونکہ آپ رسولِ خدا، خلفائے اربعہ اور دوسرے صحابہؓ کرام کے بارے میں افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں۔ نواب صاحب شرمندہ رہ گئے۔

بعدازاں، فرمایا ــــ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں جو نزاع ہوا وہ از روئے اجتہاد تھا نہ کہ از روئے عناد۔ اگرچہ غلطی امیر معاویہؓ ہی کی طرف سے تھی، لیکن فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مجتہد کا فعل اگر خطا پر ہو تو جب بھی اسے ایک ثواب مل جاتا ہے۔

بعدازاں، یزید کی لعنت کا مسئلہ چھڑا۔ خواجہ شمس العارفینؒ نے فرمایا۔ یزید پر لعنت بھیجنے میں ائمہ دین میں اختلافِ رائے ہے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جو شخص رسولِ خدا اور آپؐ کی آل کو دُکھ پہنچاتا ہے اور بے تعظیمی کرتا ہے، ملعون ہے۔ امام اعظمؒ کا قول ہے کہ اگرچہ امامین کی شان میں یزید کے اقوال و افعال حد سے متجاوز تھے لیکن یہ تمام باتیں کبیرہ گناہ کی مد میں آتی ہیں اور کبائر کا مرتکب ملعون نہیں ہوتا، دوسرا یہ کہ اگر کوئی شخص کافر ہو تو اسے بھی لعنت بھیجنی جائز نہیں، کیونکہ یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید اس کا خاتمہ بالایمان ہوا ہو۔

مجلس ۲۹

علم جفر و نجوم

اتوار کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ سید جلال شاہ رشوی، سید فضل شاہ اور دوسرے یارانِ طریقت شریکِ مجلس تھے۔ نجوم کا موضوع چھڑا۔ خواجہ شمس العارفینؒ نے فرمایا۔ جب حضرت امیرالمومنین عمر فاروقؓ اپنے کارواں کے ساتھ شام کو روانہ ہوئے تو ایک منجم نے عرض کیا آپ کو راستے میں چند تکلیفیں پیش آئیں گی۔ جب آپ نے چند منزلیں طے کرلیں تو نجومی کے کہنے کے مطابق تکلیفیں پیش آئیں۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو اس منجم نے کہا اگر امیرالمومنین اپنے لیے ایک منجم مقرر کرلیتے تو اس قدر تکلیف نہ اٹھاتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اگر رسولِ خداؐ نے اپنے لیے کوئی منجم مقرر کیا ہوتا تو میں بھی کرلیتا۔ پھر آپ نے یہ حدیث شریف پڑھی:۔

لوکان لمحمّد منجم لکان لنا منجما۔ اگر آنحضرتؐ کا کوئی نجومی ہوتا تو ہم بھی اپنے لیے نجومی مقرر کرلیتے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ جب شاہِ ہند نے توران پر لشکر کشی کا ارادہ ظاہر کیا تو نجومیوں نے کہا کہ ہمیں علمِ نجوم کی مدد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا بادشاہ توران میں مرجائے گا اور اس کا شہزادہ کامران ہوگا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شہزادہ مرگیا اور بادشاہ نے توران پر چڑھائی کی اور اسے فتح کرکے دارالخلافے کو لوٹا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ فالِ بد میں نیک تاویل کرنی چاہیئے۔ چنانچہ نواب سعد اللہ خان رامپوری نے خواب دیکھا کہ میں ایک انگریز سے کشتی کررہا ہوں اور اس نے مجھے چت کرلیا ہے۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس نے اپنے وزیروں کو طلب کیا اور انھیں اپنا خواب بیان کیا اور کہا کہ میں نے خود ہی اس کی تعبیر بھی نکال لی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں انگریز

کے نیچے گر پڑا تو میں گویا زمین کا مالک ہو گیا۔ لہٰذا مجھے یقین ہے کہ فتح مجھ ہی کو حاصل ہوگی چنانچہ نواب نے انگریزوں پر لشکر کشی کی اور خدا نے اس کے عقیدے کے مطابق اس کو فتح دی۔

بعد ازاں، علم جفر کا موضوع چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ نقشِ صد در صد کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ایرانی بادشاہ جس کا نام ضحاک تھا۔ ضحاک کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس کے مادر زاد دانت تھے اور تھوڑی مدّت میں ہی وہ ایران کے تخت پر قابض ہو گیا۔ اس کے کندھوں سے دو خوفناک اژدہے پیدا ہو گئے، جو ہمیشہ اسے سخت اذیّت میں مُبتلا رکھتے تھے اور ایک آدمی ان سانپوں کے لیے روزمرہ بطور غذا مقرر تھا۔ حتیٰ کہ اس طرح بہت سے لوگ ان سانپوں کی غذا بن گئے۔ اسی خوف سے بہت سے لوگ ملک چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ کاوا نامی ایک لوہار علمِ جفر کا ماہر تھا۔ وہ چند آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر غار میں بیٹھ گیا، اور اس نے شاہِ فریدون کو کہا کہ اگر تم ضحاک کے خلاف لڑنے پر تیار ہو جاؤ تو میں تمہیں مدد دوں گا۔ الغرض فریدون نے جنگ کی تیاری کی اور جب دونوں میں مقابلہ ٹھن گیا تو کاوا نے دھونکنی کے چمڑے پر نقش صد در صد لکھا اور اسے جھنڈے کے ساتھ جوڑ دیا۔ ضحاک نے اپنی پوری قوت کے ساتھ دفاع کیا لیکن وہ فریدوں کے بڑھتے ہوئے لشکر کو نہ روک سکا، بالآخر فریدوں نے اس نقش کی برکت سے ضحاک پر فتح پائی۔ فریدوں کے بعد پشت بہ پشت وہ جھنڈا اسکندرِ اعظم تک پہنچا اور سکندر سے نوشیرواں عادل اور پھر یزدجرد کے ہاتھ آیا۔ یزدجرد تک پہنچتے پہنچتے وہ جھنڈا بہت قیمتی ہو گیا تھا کیونکہ درمیانی عرصے میں ہر بادشاہ اسے لعل و جواہر سے آراستہ کرتا رہا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب اسلامی لشکر کی ایرانیوں سے جنگ چھڑی تو ایرانیوں نے اپنا متبرک جھنڈا میدان میں گاڑ دیا۔ اسلامی لشکر میں حضرت علیؓ بھی تھے، انھوں نے نقش صد در صد میں ایک خانے کا اضافہ کر کے اسلامی جھنڈے پر باندھ دیا اور اس کی برکت سے اسلامی فوج کو فتح حاصل ہوئی اور مسلمانوں نے ایرانیوں کے روایتی جھنڈے کو بھی قبضے میں لے لیا۔

ضمناً، بندہ نے عرض کیا کہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے تمام بزرگوں کے نام آنحضرت سے لے کر آپ کے اسم مبارک تک، مع اسم ذات "اللہ" کے، ابجد کے حساب سے جمع کر کے میں نے نقشِ مخمس تیار کیا ہے۔ خواجہ شمس العارفینؒ نے فرمایا۔ تم جفر کا قاعدہ جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا نقشِ مربع، مسدس اور صد در صد وغیرہ لکھنے کا طریقہ میں نے اپنے والد صاحب سے سیکھا تھا۔ پھر آپ نے میرے تیار کردہ نقش کا مطالعہ کیا اور چند لوگوں کو اس کے لکھنے کی اجازت دی، وہ نقش یہ ہے :۔

۲۴۷۲	۲۴۷۹	۲۴۵۶	۲۴۶۳	۲۴۷۰
۲۴۷۸	۲۴۶۰	۲۴۶۲	۲۴۶۹	۲۴۷۱
۲۴۵۹	۲۴۶۱	۲۴۶۸	۲۴۷۵	۲۴۷۷
۲۴۶۵	۲۴۶۷	۲۴۷۴	۲۴۷۶	۲۴۵۸
۲۴۶۶	۲۴۷۳	۲۴۸۰	۲۴۵۷	۲۴۶۴

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا کہ اکثر لوگ اپنی حاجتوں کے لیے تعویذ مانگتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کچھ ارشاد فرمائیں۔ فرمایا ـــــ تعویذ لکھنے کے لیے دو ضروری شرطیں ہیں، اکلِ حلال اور صدقِ مقال۔ جب تم میں یہ دونوں چیزیں موجود ہوں تو جو جی چاہے لکھو، پھر آپ نے کتاب مرقع اور کشکول عنایت کر کے مجھے ان کے استعمال کی اجازت بخشی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن حضرت گنج شکر، دورانِ سفر، آرام کرنے کے لیے ایک دہقانی آدمی کے گھر چلے گئے۔ اس نے عرض کیا میری بیوی دردِ زہ میں مُبتلا ہے، اگر ممکن ہو تو آپ کوئی تدبیر کریں۔ حضرت نے اسے یہ شعر لکھ کر دیا ؎

مرا جا شد، خرم را نیز جا شد زنِ دہقاں بزاید یا نزاید

لفظ زاید لکھتے ہی اس کی بیوی کا حمل وضع ہوگیا۔

پھر فرمایا۔ ایک آدمی، شیر شاہ نامی، ملتان کے گرد و نواح میں سکونت رکھتا تھا۔

اگر اس کے پاس کوئی حاجت مند آجاتا تو وہ یہ عبارت لکھ کر اسے دیتا:۔

کانہہ پھلڑی ساون آئی

جس سے مقصد حاصل ہو جاتا کرتا تھا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک عالم نے حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ رفع حاجت کے لیے کوئی وظیفہ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا یا حی یاقی پڑھا کر۔ اس عالم نے صحیح کر کے یا حی یا قیوم پڑھنا شروع کیا۔ کچھ مدت کے بعد اس نے حضرت گنج شکرؒ سے شکایت کی کہ میرا مقصد حاصل نہیں ہوا۔ فرمایا تم صحیح پڑھتے ہو یا ہم غلط پڑھتے ہیں۔ اگر اسی طریقے کے مطابق پڑھو گے تو تمہارا کام بن جائے گا۔ جب اس عالم نے دوبارہ حسب الارشاد یا حی یاقی پڑھنا شروع کیا تو اس کا کام ہو گیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ تاثیر زبان میں ہوتی ہے نہ کہ کاغذ میں۔ تعویذ تو فقط بسم اللہ ہی کافی ہے۔ جس کام کے لیے چاہو لکھو۔

بعد ازاں، عملیات کا ذکر شروع ہوا۔ خواجہ شمس العارفینؒ نے فرمایا۔ حضرت مہاروی کے خلیفے بہت سے ورد مثلاً حزب البحر، حرز یمانی وغیرہ پڑھتے تھے۔ لیکن ہمارے حضرت تونسوی سوائے درود مستغاث، دلائل الخیرات اور قرآن شریف کے دوسرے اوراد بہت کم پڑھتے تھے۔ اور اپنا زیادہ وقت مراقبے میں گزارتے تھے اور اگر کوئی عامل حضرت تونسویؒ کے پاس آتا تو آپ درویشوں کو حکم دیتے کہ اس شیطان کو یہاں سے نکال دو تاکہ ہم اس کی نحوست سے محفوظ رہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سورت یٰسین کا ایک عامل حضرت تونسویؒ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا میں سورت یٰسین کے عمل کی برکت سے چور کو پکڑ لیتا ہوں۔ اتفاقاً ان دنوں وہاں ایک آدمی کا مال چوری ہوا تھا۔ اس نے عامل کو کہا کہ میرے لیے عمل کرو۔ عامل نے حسب قاعدہ عمل کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ ایک مرتبہ وہی عامل مجھے موضع مکھڈ شریف میں ملا۔ میں نے اسے کہا اپنے عمل کا کوئی کرشمہ دکھاؤ۔ اس نے کہا اسی دن سے، خواجہ تونسوی کی توجہ سے، میرا عمل مسلوب التاثیر ہو گیا ہے، اس لیے میں نے توبہ کر لی۔

بعدازاں، فرمایا۔ ایک دفعہ خواجہ تونسوی حضرت شاہ محمد غوث کا ذکر کر رہے تھے اور ان کی تحسین فرما رہے تھے۔ مجھے اس سے تعجب ہوا کہ اس سے پہلے تو آپ عاملوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور آج عاملوں کے پیشوا کی تحسین کر رہے ہیں۔ میں نے یہ راز اپنے دل میں رکھا۔ ایک دن میں شاہ محمد غوث کی تصنیف جواہرِ خمسہ کا مطالعہ کر رہا تھا جس میں عدو کا ایک عمل میری نظر سے گذرا، جس کا طریقۂ زکات بھی لکھا تھا کہ اس قسم کا حجرہ، فلاں وقت اور فلاں غذا اور علیٰ ہذا القیاس اس قسم کی شرطیں بیان کی گئی تھیں جو عام آدمی کے لیے ممکن نہ تھیں۔ اس لیے مجھے خیال آیا کہ جب ایسے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اتنی مشقّت ضروری ہے تو قربِ حق تعالیٰ کے لیے کس قدر محنت اور ریاضت کرنی پڑتی ہوگی۔ پس میں نے سمجھ لیا کہ شاید شاہ محمد غوث کی یہ بات خواجہ تونسوی کو پسند آئی ہوگی۔

بعدازاں، فرمایا۔ ایک دن بادشاہِ وقت نے اپنے وزیر سے کہا کہ میں شاہ محمد غوث سے ڈرتا ہوں، کوئی ایسی تدبیر ہو کہ مجھے اس کا خوف نہ رہے۔ وزیر نے کہا مصلحت اسی میں ہے کہ ہم اسے کہیں کہ وہ یہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے۔ اگر وہ فقیر ہوگا تو چلا جائے گا اور اگر عامل ہوگا تو نہیں جائے گا۔ چنانچہ اس منصوبے کے تحت شاہ محمد غوث کو ترکِ سکونت کا حکم ہوا۔ حکم سنتے ہی اس نے اپنے ارادت مندوں کے ساتھ کوچ کیا۔ جب بادشاہ نے اس کے ساز و سامان اور کثیر ارادت مندوں کو دیکھا تو اس کا خوف اور بڑھ گیا۔ اس نے کہا مجھے اب یہ ڈر ہے کہ شاید شاہ محمد غوث میرے مخالف ہو کر مجھے کوئی نقصان پہنچائے لہٰذا اس نے فوج کشی کی۔ فریقین میں مقابلہ شروع ہوا۔ حتیٰ کہ شاہ محمد غوث کی جماعت کے تمام آدمی مارے گئے تو ایک خادم نے کہا آپ کا فلاں بھائی، فلاں بھتیجی، فلاں بھانجا اور فلاں فلاں درویش اور خادم مارے گئے، تو اس خبر پر بھی اس نے کچھ نہ کہا۔ یہاں تک کہ شاہی فوج نے مکمل غلبہ پا کر اس کی مستورات کا تعاقب شروع کیا، اس کی لڑکی کے کانوں میں قیمتی جواہر سے مرصّع آویزے لٹک رہے تھے۔ شاہی فوج کے ایک سپاہی نے ان آویزوں کی خاطر لڑکی کے دونوں کان کاٹ کر باپ کے سامنے گرا دیئے اور یہ آویزے چھین لیے۔ یہ حالت دیکھتے ہی شاہ محمد غوث کا رنگ دگرگوں ہوا اور اس نے شاہی لشکر

کی طرف منہ کر کے صرف اتنا کہا - اقتل یا مریخ اور آناً فاناً میں تمام لشکریوں کے سرتن سے جُدا ہو گئے - اس کے بعد بارہ سال تک ایک غار میں بیٹھ کر اس گناہ کے لیے استغفار پڑھتا رہا -

بعد ازاں، فرمایا - گوالیر کے راجہ نے شاہ محمد غوث کے نام چند جاگیریں مقرر کر رکھی تھیں - ایک دن راجہ مذکور نے شاہ صاحب کی قبر پہ ایک قیمتی غلاف چڑھایا - ایک مجاور نے وہ غلاف ایک فاحشہ عورت کو ازار بند بنانے کے لیے دے دیا - جب راجہ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو اس نے غصّے میں آ کر وہ جاگیریں ضبط کر لیں -

بعد ازاں، فرمایا - لوگوں کی زیادہ آمد و رفت کی وجہ سے اشتغال کا وقت نہیں ملتا - اکثر لوگ عملیات کے طالب ہوتے ہیں -

ضمناً، مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ بہت سے لوگ شرعی امور سے مُنہ موڑ کر دنیا کے گرداب میں غرق ہو جاتے ہیں، اور پھر مولوی صاحب نے شیخ عطارؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

اے روئے در کشیدہ بہ بازار آمدہ
خلقے بایں طلسم گرفتار آمدہ

پھر مولوی صاحب نے کہا کہ مولانا جامی نے اس شعر کی خوب تشریح کی ہے -

بعد ازاں، خواجہ شمس العارفین نے فرمایا - شیخ بہاء الدین ولد بلخ شہر میں سکونت رکھتے تھے - ایک مرتبہ وہ بلخ سے نکل کر نیشاپور پہنچے اور اپنے بیٹے جلال الدین کو شیخ عطارؒ کی خدمت میں حاضر کیا - انھوں نے جلال الدین کے حق میں دعا کی اور اپنی مثنوی اسرار نامہ انھیں بطور تحفہ دی - اس کے بعد جب وہ بغداد میں پہنچے تو شیخ بہاء الدین نقشبند کو اطلاع ہوئی، وہ انہیں اپنے گھر لے گئے اور بذاتِ خود حضرت بہاء الدین ولد کے پاؤں مبارک دُھلائے -

پھر فرمایا - مولانا رومؒ نے بھی شیخ عطار کے متعلق لکھا ہے ؎

عقلِ ھر عطار کاگہ شد ازاو　　　طبلہ ہا را ریخت اندر آب جو

ترجمہ: ایک فریدالدین عطار ہی کیا بلکہ جس عطار نے بھی ذوقِ معرفت کا لٹکا لیا، اس نے اپنے مرتبان بہتی ندی میں انڈیل دیئے اور راہِ سلوک اختیار کی۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا کہ ایک عامل نے مجھے قصیدہ غوثیہ کی تلقین کی ہے، مجھے کس طرح کرنا چاہیئے؟ فرمایا۔ حضرت تونسوی عملیات سے منع فرمایا کرتے تھے، اگر شوقیہ قصیدہ پڑھ لیا جائے تو کوئی حرج بھی نہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ عملیات میں اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ کیونکہ عملیات وصول الی الحق میں مانع ہوتے ہیں اور مقصودِ اصلی یہ ہے کہ کوئی وقت بھی یادِ الٰہی سے خالی نہ گزرے، کیونکہ اسی میں سعادتِ دارین ہے، چنانچہ حکیم خاقانی کہتا ہے ؎

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملکِ سلیمانی

ترجمہ:۔ خاقانی کے تیس سالہ مجاہدہ و ریاضت کے تجربات کا نچوڑ یہ ہے کہ ذکرِ خدا میں ایک گھڑی گزارنا ملکِ سلیمان سے کہیں زیادہ باارزش ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن عبدالحکیم نامی ایک عامل خواجہ تونسوی کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اگر اجازت ہو تو میں اپنے عملیات میں سے کسی چیز کا مظاہرہ کروں۔ فرمایا۔ جو چاہو کرو۔ اس عامل نے ایک نقش لکھ کر اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے نیچے دبایا، اسی وقت ایک آدمی اپنے کندھوں پر لنگی رکھے ہوئے حاضر ہو گیا اور کہنے لگا اگر کھانے کی طلب ہو تو میں ابھی تیار کرتا ہوں۔ عامل نے کہا جاؤ مجھے کوئی طلب نہیں۔ ابھی وہ آدمی گھر نہ پہنچا ہو گا کہ عامل نے پھر وہی عمل کیا، وہ آدمی فوراً حاضر ہو گیا اور اس نے کہا اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیں۔ عامل نے کہا شکریہ مجھے کوئی کام نہیں۔ وہ شخص گھر کی طرف چلا گیا۔ تیسری بار پھر عامل نے وہی عمل کیا، وہ آدمی پھر حاضر کیا اور اس نے ترشروئی سے لنگی عامل کے آگے پھینک دی اور خود چلا گیا۔ عامل نے خواجہ تونسوی کو عرض کیا کہ یہ میرے عمل کی تاثیر ہے۔ آپ نے فرمایا، اگر تمہارے پاس

عملیات کی کوئی کتاب ہے تو ذرا دکھاؤ۔ اس نے بہت خوش ہو کر ایک کتاب پیش کی۔ آپ نے کتاب کو پارہ پارہ کر دیا اور ایک درویش کو کہا کہ اسے دریا میں پھینک آؤ تا کہ اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ پھر آپ نے عبدالحکیم کی طرف متوجہ ہو کر کہا ان عملیات سے توبہ کرو اور عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو جاؤ، اپنی چند روزہ زندگی کو بُرے عملیات میں ضائع نہ کرو۔ پس اس نے توبہ کی اور آپ سے بیعت کر کے یادِ الٰہی میں مشغول ہو گیا۔

بعد ازاں، حقے کی مذمت کا ذکر چھڑا۔ کسی شخص نے پوچھا کہ حقہ پینے کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا۔ بعض علماء نے اسے مکروہ لکھا ہے اور بعض نے مباح لکھا ہے، اکثر صُلحائے متقدمین اور متاخرین نے بھی اس سے اجتناب کیا ہے۔

پھر فرمایا۔ جس طرح حقے کی نے اندر سے سیاہ ہوتی ہے، اسی طرح حقہ نوش کا اندرون بھی دھویں سے سیاہ ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا۔ نمازی کو حقے سے بہت پرہیز کرنی چاہیئے، کیونکہ اس کی بدبو کی وجہ سے عبادت کی لذّت جاتی رہتی ہے اور فرشتے بھی اس سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ رسولِ خدا نے صحابہ کو فرمایا کہ لہسن اور پیاز کھا کر میری مسجد میں نہ آیا کرو کیونکہ بعض اوقات مجھے جبریلؑ سے واسطہ پڑتا ہے۔ حقے کی بدبو بھی لہسن اور پیاز کی بدبو سے کسی طرح کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ بعض علما حقہ پینے کو بدعت قرار دیتے ہیں اور بعض اسے مکروہ تحریمہ کا درجہ دیتے ہیں، لیکن میرے خیال میں حقہ برائیوں کی جڑ ہے، کیونکہ آدمی جس قدر حقہ پیتا ہے اسی قدر یادِ حق سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کے منہ سے مستقل طور پر بدبو آتی رہتی ہے، اس سے اوراد و اذکار کا ذوق بھی سلب ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے متقی لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ حقے کے نیچے پر کپڑے کی پٹیاں لپیٹی جاتی ہیں، جو حقے کے پانی سے تر رہتی ہیں، حقہ نوش ان پٹیوں پر ہاتھ ملتے ہیں اور پھر اسی حالت میں اپنے کپڑوں پر ہاتھ لگاتے ہیں اور پھر انہی کپڑوں سے نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، تو یہ نماز کس طرح صحیح ہوئی؟ اسی طرح، جہاں حقہ ہوتا ہے وہاں اکثر جاہل لوگ جمع ہو کر خرافات

اور ہزلیات میں وقت ضائع کرتے ہیں۔

بعدازاں، فرمایا۔ مولوی غلام رسول گروٹی کا یہ معمول تھا کہ جس جگہ حقہ ہوتا وہاں حقے کو کئی مرتبہ سلام کرتے اور کہتے اے خبیث خدا کے لیے مجھ سے دُور ہی رہ! ایک دن میں ان سے ملا اور پوچھا کیا وجہ ہے کہ آپ حقے سے اس قدر نفرت کرتے ہیں؟ کہنے لگے تمام گناہوں کا امام حقہ ہے۔ جہاں حقہ ہو وہاں پوست کا بھی احتمال ہوتا ہے اور جب یہ دونوں جمع ہوں تو بھنگ اور افیون کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ جب یہ تینوں جمع ہو جائیں تو شراب اور کباب کا بھی گمان ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حقہ گناہوں کے بھنور میں جکڑ دیتا ہے اور حقہ نوش کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ گناہوں کی سیاہی رفتہ رفتہ دل پر غلبہ کر لیتی ہے اور نورِ ایمان زائل ہو جاتا ہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ چنیوٹ میں ایک عالم حقہ پیتا تھا اور اکثر علماء سے حقے کے بارے میں بحث کرتا اور غالب آجاتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن وہ موضع شیخ جلیل میں شیخ غوث محمد کے مکان پر ٹھہرا ہوا تھا۔ شیخ صاحب حقے سے نفرت کرتے تھے۔ اس عالم نے اپنے خادم کو کہا حقہ تازہ تیار کر لاؤ۔ خادم حقہ تیار کر کے لایا۔ جب عالم نے کش لگایا تو حقے سے غلغل کی آواز نہ آئی۔ عالم نے تجدید کا حکم دیا۔ خادم نے تعمیل کی۔ لیکن دوسری مرتبہ بھی غلغل کی آواز پیدا نہ ہوئی۔ عالم نے کہا میں حقے ہی کے متعلق بحث کرنے آیا تھا، لیکن کیا کروں شیخ صاحب نے اپنی کرامت سے حقے کی آواز ہی بند کر دی ہے۔ البتہ اگر وہ علمی بحث کرتے تو میں بھی کوئی بات کہتا۔ کھانے کے وقت جب عالم کے سامنے دستر خوان چُنا گیا تو عالم نے ہاتھ دھونے کے لیے پانی طلب کیا۔ شیخ صاحب نے کہا یہی حقے کا پانی کافی ہے۔ عالم اس بات سے بہت شرمسار ہوا اور اس نے حقہ کشی سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔

بعدازاں، فرمایا۔ جھنگ اور اس کے مضافات میں تمام لوگ خواہ سیال ہوں، خواہ سیّد، شیعہ مذہب رکھتے ہیں، لیکن ان کا قاضی سیّد اہل سنّت ہے اور یہ عجیب لطیفہ ہے کہ قاضی کا مذہب اور ہے اور عوام کا مذہب اور ہے۔ اس کے بعد آپ نے چند ہندی اشعار پڑھے۔

مجلس ۳۰

صحبتِ غیر، نوکری پیشہ اور شامتِ اعمال

ہفتہ کی رات کو قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی سلطان محمود ناڑدی، سید احمد ٹھیلوی، صاحب زادہ شجاع الدین صاحب، احمد دین درویش اور دوسرے یارانِ طریقت شریکِ مجلس تھے۔ مخالفینِ شریعت کے متعلق باتیں ہونے لگیں۔ کسی شخص نے عرض کیا کہ ایک سیہد ہندو نے مجھے کہا کہ اگر تو ہماری صحبت میں رہے تو تجھے خدا کا عرفان حاصل ہو جائے گا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اس قسم کے آدمی کے پاس نہ جانا چاہیئے، بلکہ مسلمانوں میں بھی اگر کسی کو بھنگ یا پوست پیتے ہوئے یا دوسرے غیر مشروعات میں مشغول پاؤ تو اس کے پاس قطعاً نہ جاؤ۔

بعد ازاں، ایک شخص نے عرض کیا، دنیا داروں کی مجلس میں بیٹھنے والا شخص کیا ہے؟ فرمایا۔ خواجہ تونسوی فرماتے تھے کہ جو شخص اہلِ دنیا کی مجلس میں بیٹھتا ہے، یادِ حق سے غافل ہو جاتا ہے، اور قیامت کے دن بھی انہیں کے ساتھ زندہ کیا جائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے:

یحشر المرءِ علیٰ دین خلیلہ (قیامت میں) انسان اپنے دوست کے دین پر اُٹھے گا

بعد ازاں، مخالف مذہب کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ مسماۃ بانو نے عرض کیا سیّد حیدر شاہ جلالپوری اپنے صاحب زادے کی نسبت فلاں خاندان میں کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ اس قابل نہیں۔ فرمایا۔ اگر وہ اس قابل نہیں تو پھر شاہ صاحب کیوں نسبت کرتے ہیں، انہیں پرہیز کرنی چاہیئے، کیونکہ دین کے مخالفوں کے ساتھ رشتہ کرنا نقصان کا موجب ہوتا ہے۔

بعد ازاں فرمایا۔ غیر مسلم لوگوں کی ملازمت کرنا دین میں نقصان کا موجب ہوتا ہے بلکہ مسلمانوں کی ملازمت سے بھی حتی الوسع پرہیز کرنی چاہیئے، کیونکہ اس میں بھی ایک نقصان یہ ہے کہ اپنا اختیار دوسرے کے قبضے میں چلا جاتا ہے۔ پس اس وجہ سے انسان حق تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔

بعد ازاں فرمایا۔ ڈیرہ اسماعیل خان کا حاکم عادل اور منصف مزاج تھا۔ اس نے غلام قادر نامی ایک عالم کو اپنے علاقے کا حاکم مقرر کیا اور حکم دیا کہ تمام احکام شریعت کے مطابق نافذ کئے جائیں، اور زمین کا لگان بھی شرعی طریقے کے مطابق وصول کیا جائے۔ حاکم غلام قادر چونکہ تیز طبیعت تھا، اس لیے اس نے رعیت پر ظلم کرنا شروع کیا۔ جب امیر مذکور کو اس کا علم ہوا تو اس نے اسے معزول کر کے ایک اور نیک خصلت اور صاحب دین شخص کو منصوب کیا۔ جب اس نیک بخت عالم کی موت کا وقت آیا تو اس نے کہا میرا نام ملازمت کے رجسٹر سے خارج کردو۔

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اگرچہ وہ حاکم عادل اور اسلام دوست تھا لیکن پھر بھی اس عالم نے اس کی ملازمت سے اپنا نام کٹوا لیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اکثر لوگ حظِ نفس کے لیے ملازمت ترک نہیں کرتے اور کہتے ہیں اگر ہم نوکری نہ کریں تو کہاں سے کھائیں۔ اور خدا تعالیٰ پر توکل نہیں کرتے جو تمام مخلوقات کا رزاق ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک محکمے کا سربراہ حج کو گیا۔ جب واپس آیا تو پھر ملازمت میں مشغول ہو گیا۔ ایک دن وہ مجھ سے ملا۔ میں نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ تم نے حج بھی کر لیا ہے اور پھر بھی کفار کی نوکری کرتے ہو۔ اس نے کہا اگر میں نوکری نہ کروں تو کہاں سے کھاؤں؟ میں نے کہا جو لوگ نوکری نہیں کرتے وہ کہاں سے کھاتے ہیں؟

بعد ازاں، فرمایا۔ جب ملتان میں سردار کھڑک سنگھ اور نواب مظفر خاں کے درمیان جنگ شروع ہوئی تو فریقین کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ نواب صاحب کے ساتھ صرف چالیس جانباز سپاہی رہ گئے اور بعض امراء نے نواب صاحب کو مشورہ دیا کہ سردار

کھڑک سنگھ شہر کے دروازوں پر قابض ہو چکا ہے، اگر آپ اس کا استقبال کریں تو ہماری جان محفوظ رہے گی۔ نواب صاحب نے اپنی ڈاڑھی کو منہ میں چبا کر کہا تمہاری ناقص عقل پر افسوس ہے، میں نے اسی ڈاڑھی کے ساتھ رسول خدا کے روضے پر جھاڑو دی ہے۔ اب اگر میں اسی ڈاڑھی کو ایک کافر کے سامنے جھکا دوں تو کل قیامت کے دن رسولِ خدا کو کیا جواب دوں گا۔

پھر فرمایا کہ۔ وہ نواب صاحب قرآن کے حافظ اور حاجی حرمین تھے، ان کے دل میں شہادت کا شوق تھا، خدا نے وہ بھی پورا کر دیا۔

بعدازاں قبلہ، قاضی فیض احمد نے عرض کیا میرا یہ ساتھی ملازمت کا بڑا شوق رکھتا ہے، اسے بارہا منع کیا ہے لیکن وہ باز نہیں آتا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ مسلمان آدمی کو چاہیئے کہ ملازمت سے پرہیز کرے، اور اگر ملازمت کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ ہو تو پھر اہل اسلام کی ملازمت کرے۔

بعدازاں، بندہ نے عرض کیا کہ کوئی نصیحت فرمائیں جو کام آئے۔ فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ صلحاء کی صحبت حاصل کرے اور بروں کی صحبت سے بچے۔ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

الصحبت تاثر — صحبت اثر کرتی ہے

اگر صالح افراد کی صحبت میسر نہ آسکے تو پھر کتب سلوک و توحید مثلاً احیاء العلوم کیمیائے سعادت، مثنوی رومی وغیرہ میں انہماک پیدا کرنا چاہیئے۔ ورنہ تنہائی اختیار کرنی چاہیئے اور جاہل کی صحبت سے سخت پرہیز کرنی چاہیئے کیوں کہ جاہل کی صحبت زہر قاتل ہے

بعدازاں، گناہ کی شامت کا موضوع چھڑا۔ فرمایا۔ گناہ گاروں کے گناہوں کا وبال نیکوکاروں پر بھی پڑتا ہے۔ چنانچہ ایک بادشاہ کی ملکہ نے حج کا ارادہ ظاہر کیا۔ بادشاہ نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو عرض کیا کہ میری بیوی حج کا ارادہ رکھتی ہے۔ اگر آپ اپنا کوئی معتبر درویش اس کے ساتھ روانہ کر دیں تو یہ بہتر ہے۔ شیخ نے اپنے ایک صادق الاعتقاد کو روانہ کیا۔ جب شہزادی نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی تو اس کے دل میں درویش

کی محبت پیدا ہوگئی اور رفتہ رفتہ وہ بے اختیار ہوگئی، جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو اس نے درویش کو قتل کرا دیا۔ اور ایک تلوار اور دیناروں سے بھرا ہوا طشت شیخ کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ کرم فرما کر اس درویش کا خون معاف کر دیں۔ ورنہ یہ طشت اس کے خون کے عوض قبول فرمائیں اور اس تلوار سے میرا سر تن سے جدا کر دیں۔ شیخ نے فرمایا اس ایک درویش کے بدلے میں کتنے ہی کامل لوگ شہید ہوں گے۔ اس کے بعد ترکستان سے ہلاکو خان بے شمار لشکرِ جرار لے کر آ پہنچا اور اس کے ہاتھوں کئی بادشاہ، کئی اولیاء اور بے شمار عوام الناس نے موت کا گھونٹ پیا۔ اس کے بعد ہلاکو خان نیشاپور میں پہنچا اور اس نے شیخ فریدالدین عطار سے کہا اگر امن چاہتے ہو تو شہر سے نکل جاؤ۔ شیخ عطار نے فرمایا یہ کوئی مردانگی نہیں کہ میں اپنے مریدوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچا لوں۔ لہٰذا جنگ شروع ہوگئی اور شیخ عطار شہید ہوگئے۔ اس کے بعد ہلاکو ہندوستان کی طرف بڑھا۔ کسی جگہ ایک کامل مردِ خدا رہتا تھا۔ اس نے ہلاکو کے آنے کی خبر سنی تو زمین سے کہا اگر تو مجھے جگہ دے تو میں اس کے قتل سے محفوظ رہوں۔ زمین پھٹ گئی، وہ بزرگ اس گڑھے میں بیٹھ رہا۔ جب لشکر قریب پہنچا تو بزرگ کے دل میں خیال آیا میں دیکھوں کہ اہل باطن میں سے کون آدمی ہلاکو کے لشکر کا پاسبان ہے۔ جب اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو حضرت خضر علیہ السلام علم بلند کئے ہوئے لشکر کے آگے آگے آ رہے تھے۔ اس بزرگ نے پوچھا آپ ہی اس لشکر کے سپہ سالار ہیں؟ خضرؑ نے کہا میں تو کیا سپہ سالار وہ ہیں جو تقدیرِ الٰہی سے بھاگ کر زمین سے پناہ ڈھونڈتے ہیں؟ بزرگ نے یہ سنا تو گڑھے سے نکل آیا اور ہلاکو کے لشکریوں نے اسے شہید کر دیا۔

بعد ازاں فرمایا۔ سلطان رُوم ہلاکو کی اولاد میں سے ہے اور استنبول پر قبضہ کرنے سے پہلے شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ جب اس نے ۸۰۰ھ میں استنبول کو فتح کیا، تو اس نے رومیوں کے عبادت خانے کو جامع مسجد بنا دیا اور اسلامی احکام جاری کئے اور باقی حصہ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

بعد ازاں، امساکِ باراں کا ذکر آیا۔ مولوی معظم دین صاحب مَرُولَوِی نے عرض کیا، دُعا فرمائیں کہ بارانِ رحمت نازل ہو۔ فرمایا۔ میں تو دن رات دُعائے خیر مانگتا

رہتا ہوں، لیکن گناہوں کی شامت کی وجہ سے تمام مخلوق تنگی میں گرفتار ہے۔

بعد ازاں، مولوی معظم دین صاحب مرولوی کو فرمایا۔ محمد بخش، جو ہمارا رشتہ دار ہے، مویشیوں کے لیے چارہ مانگتا ہے۔ اسے چارہ دے دیں۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا

تونگر خود آں لقمہ چوں می خورد ؟

چو بیند کہ درویش خوں می خورد !

ترجمہ :۔ امیر آدمی کو اس وقت روٹی کا لقمہ کھانا کیسے جائز ہے ؟ جب وہ دیکھے کہ فقیر لوگ خون کے گھونٹ پی رہے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ دنیا کے لیے تنگی اور فراخی لوگوں کے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جب وہ فارغ البالی کے وقت روٹی کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں تو اس وجہ سے قحط نازل ہوتا ہے۔ اور جب یادِ حق میں مشغول ہوتے ہیں اور گریہ و زاری کرتے ہیں تو خدا ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور رزق میں فراخی پیدا کر دیتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ بعض بافندوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ جب وہ فارغ البالی ہوں تو غلے کے متعلق حقارت آمیز الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک بافندہ کسی آدمی سے اپنی اجرت کے عوض گندم لایا۔ جب اس کی بیوی نے غلہ دیکھا تو اس میں سے جو کا ایک دانہ تلاش کر لیا اور شور مچانے لگی کہ میں نے چور پکڑ لیا ہے۔ اس کے خاوند نے کہا اس چور کو سزا دینی چاہیئے۔ میاں بیوی نے جو کے دانے کو ایک باریک دھاگے کے ساتھ باندھ کر سولی پر لٹکایا اور مشہور کیا کہ ہم نے چور کو سزا دی ہے۔ جب یہ خبر حاکمِ وقت سردار کھڑک سنگھ کو پہنچی تو اس نے انہیں بلا کر کہا کہ میری حکومت کے ہوتے ہوئے تم نے کس قانون کے ماتحت چور کو سزا دی ہے ؟ وہ لاجواب تھے، آخر کار بہت سے روپے جرمانہ دے کر انہوں نے جان چھڑائی۔

مجلس ۳۱

دُنیا اور اہلِ دُنیا

منگل کے روز خدمت اقدس میں حاضری نصیب ہوئی۔ مولوی نور احمد چنیوٹیؒ، مولوی نورُ اللہ پینوی اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریک مجلس تھے۔ مذمتِ دُنیا کا موضوع چھڑا۔ ایک ہندو سہد نے خواجہ شمس العارفین سے خیرات مانگی۔ آپ نے اسے کوئی چیز عنایت کی۔ فرمایا۔ زنبور نامی ایک آدمی نے خواجہ تونسوی کی خدمت میں عرض کیا کہ میں کنواں کھدوا رہا ہوں اس کے اخراجات کے لیے ایک سو روپیہ عنایت فرمائیں۔ آپ نے اسے سو روپیہ بخش دیا۔ اس وقت خواجہ تونسوی کے قاضی بھی مجلس میں بیٹھے تھے۔ قاضی صاحب نے کہا آپ کے ہاں ہزاروں مفلس غلام، صوفی اور متقی موجود ہیں، اگر آپ یہ روپے ان میں تقسیم فرماتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ خواجہ تونسوی نے فرمایا اگر مالِ دنیا مجھے عزیز ہوتا تو میں ضرور اپنے عزیزوں کو دیتا۔

بعد ازاں، فرمایا ایک دن حضرت شبلی نے چار ہزار دینار دریا میں پھینک دیے۔ کسی شخص نے آپ سے کہا اگر آپ یہ دینار کسی محتاج کو دیتے تو اچھا ہوتا۔ شبلی نے فرمایا میں وہ مومن نہیں ہوں جو اپنی زحمت کو دوسرے کے سر پر ڈال دے۔

بعد ازاں، اہل دنیا کی مذمت کا موضوع چھڑا۔ فرمایا۔ خواجہ تونسوی فرمایا کرتے تھے کہ دنیا پر خدا کا غضب ہے، انبیا اور اولیا۔ کا بھی دنیا پر غضب ہے۔

مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے ؎

اہل دنیا چہ کہین و چہ مہین

لعنۃ اللہ علیہم اجمعین

خواجہ تونسوی فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کو اس سے بدتر کہنے کی گنجائش اگر رومی نے چھوڑی

ہوتی تو وہ کسر ہم پوری کر دیتے۔

ضمناً، بندہ نے عرض کیا کہ اہل دنیا سے کون سے لوگ مراد ہیں؟ فرمایا۔ وہ لوگ جن کے دل میں دنیا کی محبت غالب آجاتی ہے اور اپنا تمام وقت دنیا جمع کرنے کی دھن میں گزار دیں۔ بقولِ رومی ؎

چیست دنیا؟ از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ترجمہ :۔ خانگی ساز و سامان، نقدی اور بیوی بچوں کا نام دنیا نہیں، بلکہ دنیا کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسان یاد الٰہی سے غافل ہو جائے۔

اسی طرح قرآن پاک میں مذکور ہے۔

یاایھاالذین آمنوا لا تلھکم اموالکم واولادکم عن ذکر اللہ — اے ایمان والو تم کو تمہاری مال و دولت اور اولاد خدا کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔

بعد ازاں فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت گنج شکر نے خواجہ نظام الدین اولیا کو فرمایا کہ آج کی رات مَیں نے خدا کے حضور تمہاری دنیوی ترقی کے لیے مناجات کی ہے۔ خواجہ نظام الدین نے متفکر ہو کر عرض کیا کہ اس دنیائے دَنی سے تو اہل اللہ نے پناہ مانگی ہے، مَیں اس کے شر سے کیسے بچ سکوں گا۔ گنج شکر نے فرمایا دنیا تمہارے ساتھ کچھ نہیں کر سکے گی۔ البتہ تمہیں اپنی دھوتی کو مضبوط رکھنا چاہیئے۔ خواجہ نے عرض کیا، حضور کا فرمان بسر و چشم، مَیں اپنی دھوتی انشاء اللہ، بہشت میں حوروں پر بھی نہیں کھولوں گا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ دنیا نفس الامر میں کوئی بُری چیز نہیں، بلکہ ایک حدیث کی رو سے آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا کے مصارف مختلف النوع ہیں۔ اگر اسے نفسانی خواہشات کے مطابق استعمال کیا جائے تو دنیا سانپ بن جاتی ہے اور اگر اسے رسُول خدا کے حکم کے مطابق استعمال کیا جائے تو سعادت دارین کا موجب بنتی ہے

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرتِ گنج شکر کی دُعا کے بعد، خواجہ نظام الدین اولیا کے مال و متاع اس قدر ترقی ہوئی کہ معاملہ حدِ شمار سے باہر ہے۔ اور وہ مال و دولت اور فتوحات

صلحا ، اور فضلا کے اخراجات کے لیے وقف تھے ۔ خواجہ صاحب کے آستان پر تقریباً چار ہزار علمائے نامدار ، پانچ سو قوال اور کثیر التعداد درویش مقیم تھے ۔

بعد ازاں ، فرمایا ۔ خواجہ نظام الدین اولیاء ، امیر خسرو اور علاؤ الدین حسن کو ہفتے میں ایک بار درویشوں کی طرف بھیجتے اور فرماتے جو درویش لائق ہو اُسے میرے پاس لاؤ ۔ حسب الارشاد دونوں حضرات چھان بین کرتے اور جس درویش کو قابل ترین سمجھتے اس کا نام لکھ کر خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دیتے ۔ خواجہ صاحب بعض درویشوں کو رکھ لیتے اور بعض کو بدل کر ان کی جگہ اور درویش قبول کرتے تھے ۔ اور یہ سلسلہ عمر بھر چلتا رہا ۔

بعد ازاں ، شیخ فریدالدین عطار کا ذکر چھڑا ۔ فرمایا ۔ شیخ فریدالدین عطار ابتدا میں عطر فروشی کرتے تھے ۔ ایک دن ایک خرقہ پوش مجذوب نے دکان پر آکر شیخ عطار سے کہا مجھے اپنے خرقے کے لیے عطر درکار ہے ۔ شیخ عطار نے ہنس کر کہا عطر تو نفیس اور صاحب لباس کے لیے ہوتا ہے نہ کہ پھٹے پرانے چیتھڑوں کے لیے ۔ اس مجذوب نے کہا اس قدر حرص اور دنیوی جکڑ بند کے ہوتے ہوتے تمہاری موت کس طرح واقع ہوگی ۔ شیخ عطار نے کہا تمہارا مرنا بھی تو بظاہر محال نظر آتا ہے ۔ اس بزرگ نے کہا میرا مرنا اور تیرا مرنا برابر نہیں ہے ۔ پھر دونوں کے درمیان بڑی تیز باتیں ہوئیں ۔ بالآخر اس بزرگ نے خرقہ اپنے اُوپر اوڑھ لیا اور شیخ عطار کی دکان کے سامنے یونہی لڑھک پڑا ۔ جب شیخ عطار نے خرقہ اُٹھا کر دیکھا تو اس کی رُوح جسم سے پرواز کر چکی تھی ۔ اس واقعے سے شیخ عطار کی کایا پلٹ گئی ، انہوں نے عطر کی شیشیاں نہر میں پھینک دیں اور خود حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے ۔

بعد ازاں ، آپ نے رومی کا یہ شعر پڑھا ۔

عقلِ ہر عطار کاگہ شد ازاو
طبلہ ہا را ریخت اندر آبجو

بعد ازاں ، سلطان ابراہیم ادھم بلخی کا ذکر شروع ہوا فرمایا ۔ ایک دن سلطان ابراہیم تخت پر بیٹھے ہوتے تھے کہ انہیں بالاخانے سے آواز سنائی دی ۔ سلطان

بالاخانے پر گئے تو وہاں ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر متعجب ہوئے ۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ اور اس جگہ کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا میرا اونٹ گم ہو گیا تھا ۔ یہاں اسے تلاش کر رہا ہوں ۔ سلطان نے کہا عجیب بات ہے اونٹ گم ہوا ہے جنگل میں اور اس کی تلاش شاہی بالاخانے میں کی جارہی ہے ۔ اس شخص نے کہا پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ تم تخت پر بیٹھ کر فقر کا مرتبہ حاصل کرسکو۔

بعد ازاں ، فرمایا ۔ ایک مرتبہ رجال الغیب میں سے ایک آدمی سلطانِ مذکور کی محفل میں گیا ۔ محفل بے حد آراستہ تھی ۔ وہ آدمی پاسبانوں کی نظر بچا کر سلطان صاحب کے سامنے نمودار ہوا اور اس نے کہا مجھے اپنے تخت پر سونے کے لیے جگہ دو ۔ سلطان صاحب نے کہا سلطانی سرائے میں جاؤ ، وہاں ہر قسم کا سامان رہائش مل جائے گا ۔ غیبی شخص نے کہا ، تخت کس کا ہے؟ سلطان نے کہا میرا موروثی حق ہے ۔ اس نے کہا تم سے پہلے کس کا تھا؟ بادشاہ نے کہا میرے والد کا تھا ، اور اس سے پہلے میرا دادا اس پر قابض تھا اور علیٰ ہذا القیاس ۔ تب غیبی شخص نے بادشاہ سے کہا کہ تخت بھی سرائے کی طرح ہے ، جس طرح مہمان ، سرائے میں رات گزار کر چل دیتے ہیں اور ان کی جگہ پر دوسرے مہمان آجاتے ہیں ، اسی طرح تخت پر بھی باری باری لوگ آتے ہیں اور اسے دوسروں کے حوالے کر کے چلے جاتے ہیں ، اس کے بعد وہ آدمی غائب ہو گیا ۔ اس کی باتوں نے سلطان ابراہیم کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ انہوں نے تخت چھوڑ دیا اور دریا کے کنارے پر گوشہ گیر ہو گئے ۔

بعد ازاں ، فرمایا ۔ جب سلطان حج کو روانہ ہوئے تو ہر قدم پر دوگانہ نفل پڑھتے تھے ۔ چودہ سال کے عرصے میں وہ بیت اللہ شریف پہنچے ۔ جب مناسکِ حج سے فارغ ہو کر کوفہ میں حضرت امام اعظم کی خدمت میں آتے تو امام صاحبؒ نے پوچھا علوم ظاہری میں کس قدر دسترس رکھتے ہو ۔ سلطان صاحب نے کہا کہ ایک حدیث کے علاوہ کچھ نہیں جانتا اور وہ یہ ہے ۔

حب الدنیا راس کل خطیئۃ و	دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد اور ترکِ دنیا
ترک الدنیا راس کل عبادۃ	ہر عبادت کی اساس ہے ۔

امام صاحب نے فرمایا یہی حدیث کافی ہے ۔ پھر سلطانِ موصوف کچھ عرصہ کے لیے امام صاحب

کے پاس رہے اور ضروریات کا علم حاصل کیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرتِ امام اعظمؒ کے بیشمار شاگرد تھے، لیکن علم باطنی میں دو شاگرد سلطان ابراہیم اور داؤد طائیؒ کامل تھے اور علم ظاہری میں امام محمدؒ اور امام ابو یوسف کامل تھے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے امام صاحب کو طلب کیا کہ آپ قاضی القضاۃ کا منصب قبول فرمائیں۔ امام صاحب نے فرمایا، اے امیر، میں عجمی ہوں، عربی نہیں ہوں اور عرب سادات میری قضاگری پر مطمئن نہیں ہوں گے۔ خلیفہ نے کہا قضا کا نسب سے کوئی تعلق نہیں، اس کے لیے علم شرط ہے۔ امام صاحب نے فرمایا میں اس منصب کا سزاوار نہیں ہوں، اور میرا کہنا اگر سچ ہے تو میں خود ہی نااہل ہوں اور اگر جھوٹ ہے تو جھوٹے کو مسلمانوں کا قاضی نہیں بننا چاہیئے۔ اور تم مسلمانوں کے خلیفہ ہو تمہیں ہرگز جھوٹے آدمی کو قاضی نہیں مقرر کرنا چاہیئے۔ یہ کہہ کر امام صاحب نے گلو خلاصی کرالی۔ امام صاحب کی وفات کے بعد امام ابو یوسف نے یہ منصب قبول کرلیا۔ جس وقت بھی صاحبین میں کسی مسئلے پر اختلاف ہو جاتا تو وہ حضرت داؤد طائیؒ کی خدمت میں جاتے اور اپنا اختلاف بیان کرتے اگر ابو یوسف کا قول درست ہوتا تو وہ کہتے کہ یہ مسئلہ درست ہے، اور اگر امام محمد کا قول صحیح ہوتا تو کہتے محمد کا قول صحیح ہے، یعنی قضا سے متنفر ہونے کی وجہ سے ابو یوسف کا نام زبان پر نہ لاتے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سلطان ابراہیم کا طریقہ یہ تھا کہ جنگل میں جاکر لکڑیاں چن لاتے اور مکہ معظمہ کے بازار میں بیچ کر نصف قیمت خود رکھ لیتے اور بقیہ نصف قیمت درویشوں میں بانٹ دیتے۔ ایک دن روٹی تیار کرنے میں دیر ہوگئی اور درویش بہت پریشان ہوگئے جب روٹی تیار ہوئی تو خود کچھ نہ کھایا اور تمام کی تمام درویشوں کو دے دی اور ان سے بہت بہت معذرت کی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ حمید الدین ناگوری کمال درجے کے تارک الدنیا تھے۔ آپ کے گھر میں کپڑے کی ایک چادر کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ چادر

اوڑھ کر مسجد کو چلے جاتے اور آپ کی اہلیہ غلہ دان میں اپنا جسم چھپا لیتی۔ خواجہ حمید الدین جماعت کے بعد دُعا بھی انتظار نہ کرتے اور گھر چلے آتے۔ پھر اپنی چادر بیوی کو دیتے جس سے وہ نماز پڑھتی اور خود غلہ دان میں چھُپ جاتے۔ ایک سلطان شمس الدین التمش نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس بزرگ کے پاس دینوی ساز و سامان اور خوراک پوشاک وغیرہ کچھ بھی نہیں تو پھر ان کی گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ لوگوں نے حقیقتِ حال بیان کی تو سلطان نے پیشکش کی کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو میں بیت المال میں سے روزینہ مقرر کر دیتا ہوں اور اگر بیت المال سے لینا پسند نہ ہو تو بنیے سے حسب ضرورت سودا سُلف لیتے رہا کریں۔ خواجہ صاحب نے بیوی سے مشورہ کیا۔ بیوی نے کہا میں گھر کی تلاشی لیتی ہوں اگر کوئی چیز نہ ملی تو پھر جس طرح آپ کی خواہش ہو کریں۔ چنانچہ بیوی نے تمام گھر چھان مارا اور کچھ سُوت مل گیا، جسے انہوں نے خواجہ صاحب کو دیا اور کہا ہم اسے بیچ کر کھانے کا انتظام کرلیں گے۔ بعد میں جو ہو سو ہو۔ پھر اہلیہ نے کہا اگر آپ سلطان کا وظیفہ قبول کرلیں گے تو آپ کا نام متوکلین کی فہرست سے کٹ جائے گا۔ خواجہ حمید الدین کو یہ بات بہت پسند آئی اور انہوں نے سلطان کی پیش کش کو قبول نہ کیا۔ سبحان اللہ کاملانِ حق کا کیا یہی مقام ہے کہ امکان و اختیار کے باوجود ترک کو اختیار کیا۔

بعد ازاں، سلطان شمس الدین التمش کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے نزع کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ مجھے غسل وہ شخص دے جس نے عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں۔ جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو اس نے کہا الحمد للہ خدا نے اس مسکین کو یہ سعادت بخشی ہے کہ میری عصر کی سنتیں کبھی قضا نہیں ہوئیں۔

بعد ازاں، شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ جب شیخ شہاب الدین پیدا ہوئے تو ان کے والد انہیں حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے بچے کو اپنی ران مبارک پر بٹھایا اور اس پر شفقت کی نظر کرتے ہوئے فرمایا۔

أنت آخر المشهورين في العراق — عراق میں آپ سب سے زیادہ مشہور ہوں گے

چنانچہ آپ کے فرمان کے مطابق شیخ شہاب الدین کمال کے درجے کو پہنچے۔ اوران پرفتوحات کا دروازہ اتنا کھلا کہ صبح سے شام تک تقریباً اسی اسی ہزار دینار جمع ہوجاتے اور اسی قدر خرچ ہوجاتے، حتیٰ کہ شام کے وقت ایک درہم بھی نہ بچ رہتا۔

بعدازاں، فرمایا۔ اکثر اہل دنیا اپنی نصف عمر تک دنیا جمع کرنے میں بیحد کوشش کرتے ہیں، جب عمر کے آخری دَور میں اس کوشش کے قابل نہیں رہتے تو اپنی اولاد کو اس کام میں لگا دیتے ہیں۔ یعنی ہر صورت میں ان کا مقصد وحید ماسوا اللہ ہی ہوتا ہے، اورمردان حق دونوں جہانوں سے منہ موڑ کر یادِ حق میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور اپنے دل سے زن و فرزند کی محبت نکال دیتے ہیں، ان کے نزدیک اولاد کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہوتا ہے، اگراولاد ہو تو اسے بھی صراطِ مستقیم کی تلقین کرتے ہیں

بعدازاں، فرمایا۔ طالب صادق کو چاہیئے کہ ترکِ دنیا کے لیے بہت کوشش کرے، کیونکہ دنیا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

اے طالبِ دنیا تو بسے مغروری وے مائلِ عقبےٰ تو یکے مزدوری
وے آنکہ زمیلِ ہر دو عالم دوری تو طالبِ نور بلکہ عین النوری

ترجمہ:۔ اے دنیا کے طلب گار تو دھوکے میں آیا ہوا ہے۔ اے عقبیٰ کے طلبگار تو بھی تو ایک مزدور ہی ہے جو طاعت و عبادت کا عوض جنت سمجھتا ہے، اور اے وہ شخص جو ترکِ ماسوا اللہ پر کاربند ہے تو ہی دراصل طالب مولیٰ ہے اور اسی کے نورؐ کا مظہر ہے۔

بعدازاں، شیخ بہاؤ الدین ملتانی کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ ایک دن خواجہ حمید الدین ناگوری نے شیخ بہاؤ الدین کو خط لکھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ بعض اہلِ سلوک دنیوی مال و املاک کے ہوتے ہوئے بھی روحانیت میں صاحب تصرف ہوتے ہیں؟ شیخ بہاؤ الدین نے اس کا جواب لکھا۔ کچھ مدّت کے بعد خواجہ حمید الدین نے فرمایا کہ میرے سوال کا جواب بذریعہ الہام مجھے دیا گیا ہے کہ اے حمید الدین زہد و تقویٰ ایک الگ چیز ہے اور عشق ایک الگ چیز ہے۔ یعنی عاشق کی نظر دیدار دوست کے علاوہ کسی چیز پر نہیں پڑتی، ہر جگہ اسے

محبوب ہی کا نور نظر آتا ہے۔ لہٰذا اگر ایسے لوگوں کے پاس مال و دولت زیادہ بھی ہو تو ان کے دل میں اس کی محبت پیدا نہیں ہوتی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ بہاؤ الدین کے سات بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ جب آپ کے نزع کا وقت آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو فرمایا کہ ترکے کی تقسیم شریعت کے مطابق دو حصے لڑکے اور ایک حصہ لڑکی کے لیے مقرر ہے، مگر میں تمہیں تلقین کرتا ہوں کہ اپنی بہن کو حصہ اپنے برابر دینا۔ آپ کی وفات کے بعد مدفون مال آٹھ برابر حصوں میں تقسیم کیا گیا اسی اسی ہزار دینار ایک ایک کے حصے میں آئے۔ خواجہ صدر الدین نے جو آپ کا سب سے بڑا لڑکا تھا تمام مال راہِ خدا میں صرف کر دیا۔ لیکن دوسرے صاحبزادوں نے اپنے قبضے میں رکھا۔ جب بادشاہ کو اسی امر کی اطلاع ہوتی تو اس نے تمام صاحبزادوں سے مال چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ جب خواجہ تونسوی نے یہ قصہ سنایا تو فرمایا کہ صاحبزادوں سے مال کا غصب ہونا حضرت بہاؤ الدین کی مرضی کے مطابق تھا۔ کیوں کہ انہیں اپنے نورِ باطن سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ دولت سانپ ہے اور ان کے پاس اس سانپ کا منتر نہیں، لہٰذا وہ اس کے اہل نہیں۔

بعد ازاں، سید اللہ بخش نے شیخ بہاؤالدین کی ایک غزل پڑھی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مخدوم صدر الدین کے صاحبزادے شاہ رکنِ عالم مرتبۂ فقر میں بڑے صاحب کمال تھے جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو انہیں شیخ بہاؤالدین کی پائنتی کی طرف دفن کیا گیا۔ ایک دن شیخ بہاؤ الدین نے اپنے ایک مرید کو خواب میں فرمایا کہ شاہ رکن عالم کو میری پائنتی سے اٹھا لو یا مجھے کسی اور جگہ منتقل کر دو، کیوں کہ اُن کا پائنتی کی طرف ہونا خلافِ ادب ہے۔ دوسرے دن شاہ رکن عالم نے کسی شخص کو خواب میں فرمایا کہ مجھے یہاں سے منتقل کرنے کا ہرگز قصد نہ کریں، مَیں خود بخود یہاں سے منتقل ہو جاؤں گا۔ شاہ رکن عالم وہاں سے نقل کر کے شاہ تغلق کے روضے میں چلے گئے جو انہوں نے اپنے لیے بنوایا تھا اور اس امر کی تصدیق کے

لیے انہوں نے راستے میں اپنا ہاتھ زمین سے باہر نکال لیا، جسے بعض لوگوں نے دیکھا اور وہ جگہ ابھی تک لوگوں کے لیے زیارت گاہ ہے۔

بعد ازاں، کیمیا کی مذمت کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ ایک مرتبہ میں نے خواجہ تونسوی کی زبان سے سنا کہ اہلِ تصوف کے نزدیک کیمیا گری جائز نہیں، کیونکہ کیمیا کے ذریعے سے بنا ہوا سونا سو سال کے بعد دوبارہ اپنی اصلی دھات کی شکل اختیار کر لیتا ہے، لہٰذا اس قسم کا مکر و فریب حرام ہے۔ سب سے اچھا کیمیا ذکر حق تعالیٰ ہے، کیوں کہ تمام کیمیا اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ صوفی کو چاہیئے کہ اپنے ظاہر و باطن کو خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ڈھال لے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اس زمانے میں اکثر لوگ مکر و فریب کو اپنا وتیرہ بنا چکے ہیں، بظاہر تو وہ مومن دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کے باطن میں کفر ہوتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک مرتبہ میں تونسہ شریف کو جا رہا تھا، موضع کپوڈلی میں، مَیں نے ایک آدمی دیکھا جو کتابت کرتا تھا۔ مَیں نے پوچھا تم کتابت کس لیے کرتے ہو؟ اس نے کہا اس سے پہلے میں ایک حاجت کے لیے سلطان باہُوؒ کے روضے میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہاں سے اُٹھا تو میرا تمام سامان چوری ہو چکا تھا لہٰذا مَیں نے چاہا کہ کچھ محنت کر کے اس کی اُجرت سے اپنے لیے کپڑے اور جوتا خریدوں۔ مَیں نے پوچھا تمہیں کبھی سلطان باہُوؒ کی زیارت بھی ہوئی ہے؟ اس نے کہا ہاں، ایک مرتبہ ہوئی ہے، اور آپ فرماتے تھے اے درویش صُبح کے وقت تمہارے پاس ایک ہندو آئے گا اسے علم پڑھاؤ تاکہ تمہاری روزی کا وسیلہ بن جائے جب صُبح ہوئی تو ایک مسلمان میرے پاس آیا، مجھے بڑا تعجب ہوا۔ لیکن مَیں اپنے آپ سے کہتا تھا کوئی تعجب کی بات نہیں ممکن ہے یہی شخص باطن میں ہندو ہو۔ کیوں کہ اولیاء اللہ کی نظر ظاہر کی بجائے لوگوں کے باطن پر ہوتی ہے۔

مجلس ۳۲

تزکیہ و تصفیہ، خواطرِ اربعہ، روح اور موت کی حقیقت

ہفتہ کے روز قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ نیاز درویش، کریم بخش، نومسلم اور دوسرے یارانِ طریقت حاضر تھے۔ تزکیۂ نفس کا موضوع چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ تزکیۂ نفس یہ ہے کہ اوصافِ ذمیمہ مثلاً حبِ جاہ، حبِ مال، بخل، حسد حرص طعام، ریا، کبر اور غصے وغیرہ کو دل سے نکال دیا جائے۔ اور تصفیۂ دل سے مراد یہ ہے کہ اوصافِ حمیدہ مثلاً صبر، توبہ، شکر، زہد، خوف، رجا، حبِ مولا، حبِ خلق اخلاص اور رضا بالقضا سے دل کو منور کیا جائے۔

بعدازاں، فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ تزکیۂ نفس کے لیے بیحد کوشش کرے اور اپنے آپ کو ہر کسی سے کمتر خیال اور حبِ ماسوا اللہ کو دل سے نکال کر اطاعتِ حق تعالیٰ میں مشغول رہے تاکہ وہ ہستی موہوم کی آلائش سے محفوظ رہے اور حسن حقیقی اس کے دل میں پرتو فگن ہو۔

بعدازاں، حافظ امیر نے عرض کیا کہ سید جلال قریشی عرض کرتا ہے کہ بندۂ حقیر کو بھی اپنے سگان دربار سے خیال کرتے ہوئے کبھی کبھی یاد فرمالیا کریں۔ چونکہ اس کے قول و فعل میں تضاد تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو سگ سے تشبیہ نہ دے، بلکہ انسانیت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

بعدازاں، خیالاتِ فاسدہ کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ انسانی خواہشات کی تین قسمیں ہیں، اگر لذیز خوراک، نرم پوشاک، حسینہ کو دیکھنے اور اس سے جماع کرنے کی رغبت ہو تو یہ نفس کی خواہشات ہیں۔ اور اگر حسد، تکبر اور خود پرستی اور اسی قسم کے دوسرے رجحانات ہوں تو یہ شیطانی خواہشات ہیں اور حبِ عبادت، ریاضت، اعمالِ حسنہ

وغیرہ کی طرف میلان ہو تو یہ ملکوتی رجحانات ہیں، لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ نفسانی اور شیطانی خواہشات کو ترک کر کے اوصافِ حمیدہ اختیار کرے۔

بعد ازاں، حاضرینِ مجلس نے الحمد للہ پڑھا کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ آپ کی خدمت میں پہنچ کر ہم نے اوصاف حمیدہ اختیار کیئے اور اذکار الٰہیہ میں مشغول ہوتے خواجہ شمس العارفین نے فرمایا ۔ یہ اوصاف جو تم اپنے آپ میں دیکھتے ہو ۔ محض حضرت تونسوی کا کرم ہے، ورنہ مجھ میں تو کچھ بھی نہیں۔ سبحان اللہ آپ اتنے کمالات کے باوجود کسرِ نفسی کرتے تھے اور فرماتے تھے جس کو بھی حقیقت کا سراغ ملا کسرِ نفسی کی وجہ سے ملا۔

بعد ازاں، مولوی فخر الدین لاہوری نے عرض کیا کہ فاسد خیالات کی وجہ سے نماز اور اوراد و اذکار میں حضور قلب کا سرور حاصل نہیں ہوتا۔ فرمایا ۔ سالک کو چاہیئے کہ اپنے اوراد کے قبول ہونے کے متعلق نہ سوچے ۔ اگرچہ سلوک کا دار و مدار جذبہ قلبی پر ہے۔ لیکن کسی طرح بھی وظیفہ ترک نہیں کرنا چاہیئے، کیوں کہ عاشق کو معشوق کے راستے میں جان تک بھی قربان کرنی پڑتی ہے۔

بعد ازاں، حاجی غلام سرور ملتانی نے عرض کیا کہ خیالاتِ فاسدہ اکثر اوقات وظیفہ پڑھنے کے دوران ہی زور کر آتے ہیں۔ فرمایا ۔ اگر خیالاتِ فاسدہ نہ آتے تو ہر شخص صاحبِ ولایت ہوتا۔

بعد ازاں، فرمایا ۔ سالک کو چاہیئے کہ وظائف اور خاص طور پر مسبعاتِ عشرہ پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرے کہ اے خداوند کریم اپنے کرم سے مجھے خیالاتِ فاسدہ سے نجات بخش (آمین یارب العالمین)۔

بعد ازاں، شاہ خدا بخش سنجری نے عرض کیا کہ جس طرح آپ نے علائق دنیوی کو ترک کر دیا ہے، اسی طرح میرے باطن کو بھی نفسانی خطرات اور شیطانی وسوسوں سے نجات دلا دیں ۔ فرمایا ۔ ہمت سے کام لینا چاہیئے اور رفعِ خطرات کے لیے اسم یا فعال ستر بار پڑھنا چاہیئے ۔ اور استغفار بھی اس سلسلے میں حیرت انگیز تاثیر رکھتا ہے ۔ ساتھ ہی یہ تصوّر بھی رکھنا چاہیئے کہ خدا دیکھتا اور جانتا ہے ۔ جو فعل بھی مجھ سے صادر ہوتا ہے، خدا اسے دیکھتا

اور سمجھتا ہے، پس اس تصوّر کو پختہ کرتے رہنا چاہیئے۔ اس سے سالک اپنے آپ میں ناشائستہ افعال اور فاسد خطرات سے ندامت محسوس کرے گا اور رفتہ رفتہ دائم الحضور ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس ہر فعل میں تصورِ ذات کرنا چاہیئے تاکہ سالک خطرات سے محفوظ رہ سکے۔

بعد ازاں، مولوی معظم دین صاحب مرد لوی نے روئی کے پانچ ٹکڑے آپ کے سامنے رکھ دیے۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کیا ہے؟ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کھیتوں میں کام کرنے والے ملازمین پر جس قدر بھی نگرانی رکھتا ہوں وہ پھر بھی چوری کرنے سے باز نہیں آتے اب انہوں نے فلاں آدمی کی یہ روئی چرالی ہے۔ فرمایا۔ یہ ٹکڑے انہی کو لوٹا دیں اور انہیں نصیحت کریں کہ ایسے فعل سے باز رہیں۔ پھر فرمایا۔ حیرت کی بات ہے کہ خوراک اور پوشاک کی اس قدر فراواں سہولیات کے باوجود بھی وہ ایسے قبیح فعل کے عادی ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اکثر لوگ شامتِ نفس کی وجہ سے گمراہی کے گڑھے میں جا گرے چنانچہ اولیاء اللہ میں سے بلعم باعور، شیخ صنعان اور برصیصا اسی قبیل کے آدمی تھے۔

ضمناً، غلام محمد سیال نے پوچھا کہ شیخ صنعان کا انجام کیا ہوا؟ فرمایا۔ شیخ صنعان اپنے ایک مرید کی دعا سے ایمان لے کر مرا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ بلعم باعور کی مجلس وعظ میں ستر دواتیں تیار رکھی ہوئی تھیں اور ہر دوات پر دس دس کاتب مامور تھے جو اُسی کی زبان سے بیان ہونے والے حقائق و معارفِ الٰہیہ لکھا کرتے تھے۔ لیکن اس قدر معرفت مآب ہونے کے باوجود بھی وہ گمراہ ہو گیا۔ پھر فرمایا۔ مذکورہ تینوں آدمی عورت کی اطاعت کی وجہ سے گمراہ ہوئے، خدا عورتوں کے شر سے محفوظ رکھے۔

بعد ازاں، خواطرِ اربعہ کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ بائیں زانوں پر شیطانی خطرے کا مکان ہے اور دایاں زانوں نفسانی خطرے کا مقام ہے۔ دائیں کندھے پر خطرۂ ملکی کا مقام ہے اور دل کی فضا خطرۂ رحمانی کا مقام ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ پہلے تینوں کی نفی کرے اور خطرۂ رحمانی

پر ذات کا اثبات کرے اور محتاط رہے کہ دل میں جب بھی غصّے یا فریب کا خیال آئے تو یہ شیطانی خطرہ ہے، اس کی نفی کرنی چاہیئے۔ جب اس کا دل نیکی کی طرف مائل ہو تو یہ ملکی ہے اس کی بھی نفی کرنی چاہیئے اور بائیں پستان کے نیچے کے مقام پر خطرۂ رحمانی کا اثبات کرنا چاہیئے تاکہ خدا ہر شر سے محفوظ رکھے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ محبوب حقیقی کے حضور میں پہنچنا بہت مشکل ہے۔ جب تک انسان حرص و بخل سے بالاتر نہ ہو لے محبوب تک رسائی ممکن نہیں۔ جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

گلِ توحید نروید بہ زمینے کہ درا و
خارِ شرک و حسد و کبر و ریا و کین است

ترجمہ:۔ توحید کا پھول ایسی سرزمین میں چٹک کر نہیں مہک سکتا، جو سراسر شرک و حسد، فخر و تکبر اور بغض و ریا کے کانٹوں سے اَٹی پڑی ہے۔

ضمناً، بندہ نے عرض کیا کہ رُوح اور نفس میں کیا فرق ہے؟ فرمایا۔ نفس اور رُوح کی حقیقت ایک ہی ہے۔ لیکن اوصافِ حمیدہ کے اعتبار سے ایک کا نام رُوح اور اوصافِ ذمیمہ کے اعتبار سے دوسرے کا نام نفس ہے۔ اصل میں یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ کسی بزرگ کا قول ہے "نفس اور رُوح و عقل و دل، جملہ یکے است"، کسی کا شعر ہے۔

رُوح و دل اور جسم تینوں ایک چیز
فعل کی نسبت سے ہوان میں تمیز

بعد ازاں، فرمایا۔ ظاہری عقل حق تعالیٰ کی ذات کے سامنے حجاب ہے۔ جب ظاہری عقل ماند پڑ جائے تو باطنی عقل برسرِ عمل ہو جاتی ہے، چنانچہ مجذوبوں کے ہاں ظاہری عقل نہیں ہوتی لیکن ان کا باطن روشن ہوتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ نفس اور رُوح درحقیقت واحد لا صل ہیں، البتہ کبھی اسے نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ اور کبھی رُوح اور دل کے ناموں سے تعبیر کرتے ہیں یہ اسمی اختلاف ان کے وصفی اختلاف کے لحاظ سے ہے۔ ان میں جس قسم کی صفت غالب

ہوا سی قسم کا نام دیا جاتا ہے۔

پھر فرمایا۔ "دل" گوشت کے مخروطی لوتھڑے کا نام نہیں، بلکہ یہ کوئی اور ہی چیز ہے، جسے اہل اللہ بہتر جانتے ہیں۔

بعد ازاں، طبیب غلام علی قریشی نے عرض کیا کہ موت کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا انسان کی رُوح کو موت نہیں آتی، کیوں کہ وہ "عالمِ امر" سے ہے۔ قل الروح من امر ربی اور جب رُوح کل نفس ذائقة الموت کے حکم کے تحت انسان کے فانی وجود سے رخصت ہو جاتی ہے تو اِسے مردہ کہتے ہیں، حالانکہ وہ ایک مکان سے دوسرے مکان کو نقل کرتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینتقلون من دار الیٰ دار — بے شک اولیاء اللہ مرتے نہیں، بلکہ ایک منزل سے دوسری منزل کو منتقل ہو جاتے ہیں

بعد ازاں، فرمایا۔ بعض اہل اللہ نے خُدا سے دُعائیں مانگیں ہیں کہ نزع کے وقت ہمیں بے ہوش کر دینا تاکہ ہم شیطان کے شر سے محفوظ رہیں، کیوں کہ اقوال و افعال کے مواخذے کے لیے سلیم العقل ہونا شرط ہے، جو کچھ بے ہوشی کے عالم میں ہو اس پر مواخذہ نہیں

بعد ازاں، ہندو عقائد کا ذکر آیا۔ فرمایا۔ ہندوؤں کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کی رُوح اپنے سابقہ اعمال کے مطابق کسی اور قالب میں ظہور کرتی ہے۔ پھر فرمایا۔ رُومی کے نظریے کے مطابق عام آدمی ایک بار مرتا ہے اور عارفِ حق کئی بار مرتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مولانا جامی فرماتے ہیں ؎

از خارِ خارِ عشقِ تو در سینہ دارم خار ہا
یکبار میرد ہر کسے بیچارہ جامی بار ہا

ترجمہ:- میرے سینے میں تیرا عشق پے در پے اتنے کانٹے چبھوتا رہتا ہے کہ دوسرے آدمی تو دنیا میں صرف ایک بار مرتے ہیں لیکن جامی کو روزانہ کتنی ہی بار مرنا پڑتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا - اکثر لوگ مولانا جامیؔ کی موت پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ ایک دن جامیؔ کے ایک شاگرد شیخ عبد الغفور پر، جو مسجد میں گوشہ نشین تھے۔ یہی حالت وارد ہوتی کہ ان کے اعضا جدا جدا ہو کر صحن میں منتشر ہو گئے۔ جب صبح کے وقت نمازی مسجد میں آئے تو منتشر اعضا نے خود بخود جمع ہو کر دوبارہ اپنی اصلی صورت اختیار کر لی - لہذا مولانا جامی پر لوگوں کا اعتراض بے مورد ہے۔

بعد ازاں، اہل اللہ کی حیات و ممات کا ذکر آیا - فرمایا - اولیاء اللہ کی موت اس طرح ہوتی ہے جیسے ایک آدمی ایک مکان سے اُٹھ کر دوسرے مکان میں چلا جائے - لہذا جو شخص اولیاء اللہ سے دشمنی رکھتا ہے اپنی نیت کے مطابق رنج و بلا کا شکار ہو جاتا ہے اور جو شخص ان کا معتقد ہوتا ہے سعادت دارین پاتا ہے اور بالکل زندوں کی طرح اولیاء کا فیض جاری رہتا ہے۔

ضمناً، طبیب غلام علی قریشی نے عرض کیا کہ جب اولیاء اللہ کی رُوح نقل کرتی ہے تو کیا ان کے وجود کی طاقت اور قدرت بھی برقرار رہتی ہے؟ فرمایا - چونکہ ان کی موت عام لوگوں کی روزمرہ نقل مکانی کے بالکل مشابہ ہے - اس لیے ان کے تمام کام زندوں کی مانند ہوتے ہیں -

---

مجلس ۳۲

زیارتِ قبور اور استمداد

اتوار کی رات کو مجلس میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ مولوی سلطان محمود ناڑدی، مولوی غلام محمد گجراتی اور دوسرے یارانِ طریقت بھی موجود تھے۔ اہلِ قبور کے فیوض کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ دینی اور دنیوی حاجتیں طلب کرنے کے لیے اہلِ اللہ کی قبور پر جانا جائز ہے، کیوں کہ بیشمار لوگ اولیاء اللہ کی قبور سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اکثر لوگ خواجہ معین الدین اور غوث الاعظم کے مزارِ مقدس کے قریب بیٹھ کر فیض یاب ہوتے ہیں۔

بعدازاں، فرمایا۔ قبروں پر جمعرات، جمعہ اور اتوار کو جانا سُنّت ہے۔ جب آدمی فاتحہ پڑھے تو اپنی پیٹھ قبلے کی طرف کرکے بیٹھے اور کہے السلام علیکم یا اہلِ القبور۔ اس کے بعد مسنون طریقے کے مطابق فاتحہ پڑھے۔ اور اگر دنیوی حاجت رکھتا ہو تو قبر کی پائنتی کی طرف بیٹھے اور کہے اے خداوند کریم اس بزرگ کے طفیل میرا کام آسان کر۔

بعدازاں، فرمایا۔ مرحوم بزرگوں میں شہدا فضیلت رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے وسیلے سے دُعا مانگے تو جلد قبول ہوتی ہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ جب حضرت تونسوی کے صاحب زادے گل محمد صاحب فوت ہوئے تو بہاول خان نے آپ کے مقبرے کی تعمیر کے لیے چالیس معمار اور پانچ سو مزدور روانہ کیے۔ خواجہ تونسوی نے فرمایا روضہ بنانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ کچھ مدت کے بعد یہ روضے مسمار ہو جائیں گے اور اعمال کے سوا کسی اور چیز کا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا۔ معماروں نے نواب بہاول خاں کو صُورتِ حال لکھی کہ حضرت روضے کی تعمیر پر قطعاً آمادہ نہیں۔ اس لیے اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ بہاول خان نے لکھا اگر روضہ منظور نہیں فرماتے تو مسجد کی تعمیر شروع کردو، چنانچہ تھوڑی مدّت میں مسجد تعمیر ہو گئی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ اس معاملہ میں جدوجہد کرے، قبر خواہ جس طرح کی بھی ہو اس کی پروا نہیں۔

بعد ازاں، مولوی معظم دین صاحب مردلوی نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ انتقال کے بعد اولیاء اللہ کا فیض اور بھی کمال کو پہنچ جاتا ہے؟ ۔ فرمایا۔ جب اولیائے اللہ دُنیا سے نقل کرتے ہیں تو وہ بشری اوصاف سے منزہ اور مجرد ہو کر حق تعالیٰ سے واصل ہوتے ہیں لہٰذا ان کی حرکات و سکنات معراجِ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔

پھر فرمایا ۔ اولیاء اللہ کے فیض کا اثر مدّت دراز تک باقی رہتا ہے اور عاملوں کا اثر صرف ان کی زندگی کے دوران تک رہتا ہے۔ یعنی وہ اپنے عرصہ حیات میں ہی لوگوں کو تسخیر کر کے اپنی مرادیں حاصل کر سکتے ہیں

بعد ازاں، فرمایا ۔ موضع اوچھ میں گل نامی ایک رند رہتا تھا وہ اپنے تسخیر کے عمل سے لاہور، ملتان اور پشاور سے بہت سے لوگوں کو کشش کر لیتا تھا ۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی تسخیر کا کچھ اثر باقی نہ رہا اور اس کی تاریخ وفات "رفض کوتح نود (۱۲۰۹ھ)" مشہور ہے ۔

بعد ازاں، اہلِ قبور کی فیض رسانی کا ذکر چھڑا ۔ فرمایا۔ جب حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی، خواجہ معین الدین اجمیری کے روضے کی زیارت کے لیے گئے تو وہاں انہوں نے ایک آدمی دیکھا جو گلے میں رسی ڈال کر کہتا تھا، اے خواجہ خواجگان میں ایک سو روپیہ اور بارہ سالہ دوشیزہ چاہتا ہوں، ورنہ میں مرتا ہوں۔ چند دنوں کے بعد ایک درویش صورت آدمی نے آکر اسے سو روپیہ دیا اور چلا گیا۔ پھر ایک ہندو عورت آئی اور اس نے کہا مجھ سے نکاح کر لو۔ اس نے پوچھا تیری عمر کیا ہے؟ عورت نے کہا ۱۹ سال۔ اس نے کہا میں تمہیں نہیں چاہتا میں نے تو بارہ سالہ دوشیزہ طلب کی تھی۔ چند دنوں بعد ایک عورت آئی اور اس نے کہا میرے ساتھ نکاح کر لے۔ اس نے پوچھا تیری عمر کیا ہے؟ لڑکی نے کہا تیرہ سال، اس نے کہا پھر مجھے تم سے کیا سروکار؟ مَیں نے تو بارہ سالہ لڑکی مانگی ہے۔ الغرض جب حضرت سجادہ نشین تونسوی روانہ

ہوئے تو وہ بھی آپ کے ساتھ ہولیا۔ آپ نے فرمایا تیرا عشق عجیب ہے کہ اب تو میرے ساتھ چل پڑا ہے۔ اس نے کہا میں ہرگز نہ چلتا لیکن ایک کام درپیش ہے اسے مکمل کر کے پھر یہیں آجاؤں گا۔ اور وہی رسی گلے میں ڈال لوں گا۔

پھر فرمایا۔ سبحان اللہ، اہلِ اللہ فیض رسانی میں کمال رکھتے ہیں، جو شخص ان کی خدمت میں جاتا ہے محروم نہیں لوٹتا۔

پھر فرمایا۔ موت کی دو قسمیں ہیں، اختیاری اور اضطراری۔ اختیاری موت یہ ہے کہ سالک اپنے اختیار سے بشریت کو طے کرے اور یہ مرتبہ شیخ کامل کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اضطراری موت محتاجِ تعارف نہیں۔

بعد ازاں، سیال شریف کے تمام چھوٹے بڑے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور معیشتی تنگی کا شکوہ کر کے دعائے خیر کے طالب ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ افسوس ہے دُور دُور سے لوگ یہاں آکر فائدہ حاصل کرتے ہیں اور نماز روزہ اور اوراد و اشغال میں مصروف ہوتے ہیں۔ لیکن تم پر ابھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ ورنہ تم بھی اگر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پنجگانہ اور عبادت میں استقامت پیدا کرتے تو خدا رحم فرماتا اور تمہارا یہ حال نہ ہوتا۔ اگرچہ خدا تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے کسی کی روزی بند نہیں کرتا لیکن شامت اعمال کی وجہ سے ذلت اور قلت نازل کرتا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر نماز پنجگانہ قائم کرو اور مال غیر سے خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، پرہیز کرو اور خالق و مخلوق کے حقوق ادا کرنے کے لیے کمر باندھ لو، تو پھر یقیناً ان نیکیوں کی برکت سے تمہارے دن پھر جائیں گے اور مصیبتیں ٹل جائیں گی۔

بعد ازاں، محمد نعیم مکھڈی کی طرف متوجہ ہو کر اہالیان مکھڈ میں سے ایک شخص کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا آپ کے ساتھیوں میں سے اس وقت کوئی بھی زندہ نہیں ہے، یہ سن کر آپ نے ایک سرد آہ بھری۔

بعد ازاں، فرمایا۔ تین عالم ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔ (۱) عالمِ ارواح، جس کی سکونت اسرافیل علیہ السلام کے کرنا میں ہے، اور اس میں سے ہزار ہا روحیں عورتوں

کے رحموں کی طرف سفر کرتی ہیں۔ (۲) دوسرے اہلِ رحم جو رحم سے عالم شہادت کی طرف سفر کرتے ہیں۔ (۳) تیسرے اہلِ جہان جو دنیا سے برزخ کی طرف سفر کرتے ہیں۔

مجلس ۳۴

بیعت اور غیر سلسلے کے بزرگ سے استفاضہ

جمعہ کے روز قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ سیّد فضل، مولوی احمد یار اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریکِ مجلس تھے۔ بیعت کا موضوع چھڑا۔ مولوی احمد یار نے عرض کیا بیعت کی کتنی قسمیں ہیں؟ فرمایا۔ بیعت کی دو قسمیں ہیں، بیعتِ جہاد اور بیعتِ توبہ۔ بیعت جہاد یہ ہے کہ جس طرح آنحضرتؐ نے جہادِ مکہ کا فیصلہ فرمایا تو مسلمانوں نے ایک درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی اور عہد کیا کہ ہم مرتے دم تک قریش کے ساتھ جنگ کریں گے اور میدان میں پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ اس بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ قرآن میں بھی اسی طرح ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ

یقیناً خدا ایمان والوں سے راضی ہوا، جب کہ درخت کے سائے میں بیٹھ کر انہوں نے آپ سے بیعت کی۔

بیعتِ توبہ یہ ہے کہ رسول خدا نے تمام صحابہ کو بیعت کیا اور ان سے اوامر و نواہی میں اطاعت الٰہی کا وعدہ لیا۔ چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ مجلس میں تشریف فرما تھے اور چند بڑے بڑے صحابی آپ کے گرداگرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے رسول خدا نے انہیں فرمایا:

بایعونی علیٰ ان لا تشرکوا باللہ شیئا

اس شرط پر میرے ساتھ بیعت کرو کہ تم خدا کے ساتھ کسی ایک کو بھی شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔

اسی طرح قرآن میں بھی مذکور ہے:

یاایہا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ شیئا	اے عالیشان پیغمبر جب ایماندار عورتیں آپ کے ہاں اس شرط پر بیعت کرنے حاضر ہوں کہ وہ خدا کے ساتھ کسی ایک کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں۔

ضمناً، بندہ نے عرض کیا کہ بیعت کا مقصد کیا ہے؟ فرمایا۔ بیعت نکاح کے عین مشابہ ہے اور جیسا کہ سوائے کفر کے دوسرے کبائر کا ارتکاب کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا، اسی طرح بیعت بھی کبائر کے ارتکاب سے نہیں ٹوٹتی، لیکن کفر اور عقائد کے فسخ ہونے سے ٹوٹ جاتی ہے۔

بعد ازاں، بیعت کی فضیلت کا موضوع چھڑا۔ فرمایا۔ مشائخ طریقت سے بیعت کرنا نیکیوں کے حصول اور نجات کا ذریعہ ہے، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔

ومن اوفیٰ بما عہد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیما	اور جس نے خدا کے ساتھ وہ بات ایفا کی، جو خدا نے اس کے ذمہ کی ہو، تو عنقریب خدا اسے بہت بڑا اجر دے گا

ضمناً، فرمایا۔ کتاب فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ حضرت معین الدین اجمیری کی عادت تھی کہ ہمسائے کے ہر جنازے پر پہنچتے تھے اور اکثر اوقات میت کے ساتھ قبر پر بھی جاتے اور تدفین کے بعد جب لوگ چلے جاتے تو پھر بھی کچھ وقت کے لیے آپ قبر پر بیٹھے رہتے۔ ایک دن حضرت خواجہ عثمان ہرونی کا ایک مرید فوت ہوگیا۔ خواجہ معین الدین نماز جنازہ پڑھنے کے بعد حسب عادت اس کی قبر پر بیٹھے اور مراقبہ کیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اچانک خواجہ معین الدین دہشت کے عالم میں اپنی جگہ سے گھبرا کر اُٹھے اور آپ کے چہرے مبارک کا رنگ بھی متغیر تھا۔ کچھ وقت کے بعد آپ کی طبیعت بحال ہوئی اور آپ نے فرمایا بیعت بھی عجیب چیز ہے۔ خواجہ قطب الدین نے عرض کیا کہ میں نے عجیب کیفیت دیکھی ہے۔ پہلے آپ کا رنگ متغیر ہوگیا تھا اور پھر کچھ وقت کے بعد بحال ہوگیا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا، جب لوگ اس میت کو دفن کر کے چلے گئے تو

اسے عذاب دینے کے لیے دو فرشتے آتے، وہ اسے عذاب دینا چاہتے تھے کہ اچانک حضرت خواجہ عثمان ہرونی کی صورت سامنے آگئی، آپ ہاتھ میں عصا لیے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا اے فرشتو یہ ہمارے مریدوں میں سے ہے۔ اسے عذاب نہ دو۔ فرشتوں نے کہا آپ کا یہ مرید آپ کے طریقے کے خلاف چلتا تھا۔ آپ نے فرمایا اگرچہ میرے طریقے کے خلاف چلتا تھا لیکن اس نے اپنا ہاتھ فقیر کے دامن پر ڈالا ہوا ہے غیب سے حکم ہوا اے فرشتو اسے چھوڑ دو ہم نے اس کے پیر کے طفیل اس کے گناہ بخش دیئے طریقت کی بیعت ایسے ایسے کٹھن مرحلوں میں کام آتی ہے۔

بعد ازاں، صاحب زادہ محمد دین صاحب نے عرض کیا، جس شخص کو اپنے پیر نے اذن نہ دیا ہو اس سے بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا۔ ناجائز ہے، لیکن اگر آدمی زاہد اور عاشق ہو اور اس کا فیض جاری ہو جائے تو اس میں کچھ تعجب نہیں۔ چنانچہ حضرت احمد جام ابتدا میں بادہ فروش تھے، آخر عمر میں اس شغل سے تائب ہو کر یادِ حق میں مشغول ہوئے اور چھ ہزار اولیائے نامدار انہی کی توجہ سے مرتبۂ ولایت کو پہنچے۔

ضمناً، ایک بوڑھے نے عرض کیا کہ افلاس کے ہاتھوں میں عاجز آچکا ہوں، مجھے بیعت فرمائیں تاکہ اس مصیبت سے رہائی ملے۔ فرمایا۔ بیعت کا مطلب تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ امر و نہی پر استقامت کا عہد ہوتا ہے، حصولِ دُنیا تو اس کا مقصد نہیں۔

بعد ازاں، منصور کی بیعت کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ منصور نے پہلے حضرت جنید بغدادی سے بیعت کی، پھر کسی اور بزرگ سے بیعت کر لی۔ داتا گنج بخش نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ منصور نے اپنے پیر کو عاق کر دیا۔ بندہ نے عرض کیا، شیخ منصور ایک عارف تھے، انہوں نے پیر کو عاق کرنے کا گناہ کیسے کر لیا؟ فرمایا۔ اہلِ اللہ بحرِ بیکنار کی مانند ہیں اور اتھاہ سمندر میں اتنی ناپاکی کا کچھ شمار نہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ بے عقیدہ آدمی کو چاہیئے کہ کسی سے بیعت نہ کرے، اور اگر بیعت کر کے نفس اور شیطان کے بہکانے پر بیعت توڑ ڈالے ایسے شخص کے لیے ترک بہتر ہے۔ اگرچہ وہ اس طرح بے بہرہ رہے گا۔ لیکن بزرگوں کے انکار کی شامت سے تو محفوظ

رہے گا۔

بعد ازاں، خواجہ تونسوی کے بیعت ہونے کا ذکر چھڑا۔ سید اللہ بخش نے عرض کیا کہ خواجہ مہاروی کا معمول تھا کہ آپ اکثر موضع حاجی پور میں آتے جاتے تھے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اس بات میں بھی حکمت تھی۔ ایک مرتبہ خواجہ مہاروی نے خواب دیکھا کہ کوہستان کی طرف سے ایک شہباز اڑتا ہوا آیا ہے اور میرے دام میں پھنس گیا ہے۔ اسی وقت الہام ہوا کہ اس شہباز کی وجہ سے تیری عزت و حرمت میں اضافہ ہوگا لہذا خواجہ مہاروی اس شہباز کو پکڑنے کے لیے اکثر کوٹ مٹھن کی طرف آمد و رفت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ مہاروی موضع اوتح میں آتے ہوتے تھے۔ خواجہ تونسوی اس وقت قاضی محمد عاقل صاحب کے پاس پڑھتے تھے۔ دونوں اُستاد و شاگرد خواجہ مہاروی کی خدمت میں آئے۔ جب خواجہ مہاروی نے حضرت تونسوی کی طرف دیکھا تو انہیں یقین ہوگیا کہ جس شہباز کی مجھے تلاش تھی وہ یہی ہے۔ لہذا آپ نے خواجہ تونسوی کا ہاتھ پکڑ کر حضرت سید جلال بخاری کے روضے میں بیٹھ کر انہیں بیعت کیا۔ اس کے بعد آپ کبھی بھی حاجی پور نہ گئے"۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مالک نامی ایک سوداگر نے خواب میں دیکھا کہ کنعان کے کنوئیں سے ایک سُورج نکلا ہے اور میرے صندوق میں داخل ہوا ہے اور مغرب سے مروارید کا بادل آکر برسنے لگا ہے۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس نے معبر سے تعبیر پوچھی۔ معبر نے بتایا کہ تیری تعبیر بہت اچھی ہے لیکن اجُرت کے بغیر نہیں بتاؤں گا۔ مالک نے چھ دینار اس کے سامنے رکھے، پھر اس نے بتایا کہ ایک بے مثل غلام تیرے ہاتھ آئے گا اور اس کے طفیل تمہیں بے شمار دولت ملے گی۔ مروارید کے بادل کی یہ تعبیر ہے کہ مغرب سے ایک عورت آکر اس غلام کے ہموزن مروارید دے کر غلام کو خرید لے گی۔ مالک نے اس غلام کو حاصل کرنے کے لیے بہت دُور دراز کے سفر کیے۔ ایک دِن چاہِ کنعان کی طرف سے ایک قافلہ آیا اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مالک کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اس کے بعد اس نے سوداگری کا پیشہ چھوڑ دیا اور یوسفؑ کے عوض بلشمار

مال و زر حاصل کیا ۔

بعد ازاں ، فرمایا ۔ ایک دن مولانا فخر الدین کی خدمت میں ایک پٹھان آیا ۔ اس نے کہا میں اس شرط پر آپ سے بیعت کرتا ہوں کہ میں نماز بھی نہیں پڑھوں گا ، روزہ بھی نہیں رکھوں گا ، شراب پیتا ہوں ، زنا کرتا ہوں ، اسے بھی نہیں چھوڑوں گا ۔ مولانا نے فرمایا بایں ہمہ میں تمہیں قبول کرتا ہوں لیکن ایک ہماری شرط تم بھی قبول کرو کہ ہمیشہ باوضو رہو گے ۔ اس نے کہا منظور ہے ۔ چنانچہ مولانا نے اسے بیعت کر لیا ۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شراب خانے کے پاس سے گزر رہا تھا کہ شرابیوں نے اسے خوش آمدید کہا اور سرخ شراب کا جلوہ دکھایا ۔ پٹھان نے کہا اگر میں شراب پیوں گا تو وضو ٹوٹ جائے گا پھر وہ طوائف کے پاس گیا ، اس نے بھی تعظیم کی اور اپنی چارپائی پر بیٹھنے کو کہا ۔ پٹھان نے سوچا اگر میں اس چارپائی پر بیٹھا تو مجھے شہوت آجائے گی جس سے وضو ٹوٹ جائے گا ۔ وہ وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا ۔ راستے میں ایک مسجد تھی جس میں جماعت ہو رہی تھی پٹھان نے خیال کیا کہ وضو تو پہلے سے ہے اگر میں جماعت میں شریک ہو جاؤں تو نماز باجماعت کا ثواب مفت ہاتھ آجائے گا ۔ پس وہ جماعت میں شامل ہو گیا ۔ اس کے بعد اس نے افعالِ قبیحہ چھوڑ دے اور مولانا کی بیعت کی برکت سے اسے سعادت دارین حاصل ہوئی ۔

بعد ازاں ، فرمایا ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی فرماتے ہیں ، ہاتف نے مجھے کئی بار خبر دی ہے کہ قیامت تک حضرت گنج شکر کے تمام مرید جنت میں جائیں گے ۔ بندہ نے عرض کیا کہ میں نے سیر الاولیاء میں پڑھا ہے کہ ایک دن ایک آدمی نے گنج شکر سے کہا کہ ایک دن شیخ بہاؤ الدین نے اعلان کیا کہ جو آدمی میرا چہرہ دیکھ لے گا جنتی ہو جائے گا ۔ یہ بات سن کر خواجہ گنج شکر پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور انہوں نے فرمایا جس نے بھی اس درویش سے بیعت کی یا میری اولاد اور میرے مریدوں سے بیعت کی جنتی ہو جائے گا ۔

بعد ازاں ، بندہ نے عرض کیا ، اہلِ قبور سے بیعت جائز ہے یا نہیں ؟

فرمایا - اہل قبور سے بیعت جائز نہیں ، کیوں کہ اگر اس طرح بیعت جائز ہوتی تو رسُول خُدا کا مزارِ اقدس سب سے افضل ہے -

بعد ازاں ، فرمایا - دینی اور دنیوی حاجتیں طلب کرنے کے لیے اہل اللہ کی قبر پر جانا جائز ہے ، کیوں کہ بہت سے مقاصد انہی کے طفیل حاصل ہوتے ہیں -

بعد ازاں ، غلام احمد نے عرض کیا ، کہ بیک وقت کئی بزرگوں سے بیعت کرنی جائز ہے یا نہیں ؟ فرمایا - جگہ جگہ بیعت کر لینا اہل فقر کے نزدیک منحوس اور ناجائز ہے - لیکن وظیفہ پوچھنا اور فیض حاصل کرنا مستحسن ہے

بعد ازاں ، بندہ نے عرض کیا کہ کسی دوسرے سلسلے کے بزرگ کے پاس جانا کیسا ہے ؟ فرمایا - طالبِ صادق کو چاہیئے کہ اپنے شیخ کا تصور کر کے جائے اور جو کچھ اسے دُوسرے بزرگ سے حاصل ہو سمجھے کہ میرے شیخ کی عظمت اور برکت کی وجہ سے ہے - اور اگر حاصل کچھ نہ ہو تو اس بزرگ کے متعلق بدگمان بھی نہ ہونا چاہیئے ، کیوں کہ اکثر لوگ بزرگوں کے پاس آتے ہیں اور فیضیاب ہوتے ہیں ، لیکن بعض محروم بھی رہتے ہیں - چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق آنحضرت کی خدمت میں پہنچ کر سب سے اعلیٰ رتبے تک پہنچے اور ابوجہل معجزے دیکھنے کے باوجود بھی ایمان کی سعادت سے محروم رہ کر دوزخی بن گیا -

بعد ازاں ، سیّد گلاب شاہ اورنگ آبادی نے عرض کیا کہ بیعت کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟ فرمایا - مرید کو اپنے سامنے بٹھا کر اس کا حال دریافت کرنا چاہیئے ، اور اپنا ہاتھ اس کے دائیں ہاتھ پر رکھ کر سورتِ فاتحہ اور سورت بقر کی پہلی پانچ آیتیں اور آیت شہد اللہ .... تا .... حکیم اور آیت مبایعت عظیما تک اور ایک بار دُرود شریف پڑھ کر اس کے ہاتھ پر دم کر کے ، جسے مُرید اپنے چہرے اور سینے پر ملے - اس کے بعد اس کی استعداد کے مطابق وظیفے کی تلقین کرے - خصوصی بیعت میں مُرید کا ہاتھ پکڑ کر کہنا چاہیئے کہ تُو نے اس عاجز سے بیعت کی اور اس عاجز کے شیخ سے بیعت کی اور رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تم اپنے وجود کو شریعت پر استوار رکھو گے اور اپنی رُوح کو محبتِ الٰہی میں مدہوش رکھو گے -

مجلس ۳۵

شیخ و تصوّرِ شیخ

اتوار کے روز قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ سید احمد پوٹھوہاری، امام بخش نذر بردار اور دوسرے یاران طریقت شریکِ مجلس تھے۔ شیخ کی خصوصیات کا بیان شروع ہوا۔ بندہ نے عرض کیا کہ عام لوگوں کے خیال میں پیر کامل وہ ہے جو اپنے مُرید کو دنیوی مال و متاع سے اتنا نہال کر دے کہ اس کی کوئی حاجت ادھوری نہ رہے فرمایا ـــــ پیر وہ ہے جو اپنے مُرید کو قلبی غنا بخشے اور دنیا کی طرف سے اس کا دل موڑ کر محبت الٰہی میں مشغول کر دے نہ یہ کہ اسے مال و دولت ـــ یہ رہے دنیا تو ایسی مذموم چیز ہے کہ آنحضرتؐ نے اسے مردار قرار دیا ہے اور خدا کے بندوں نے ہمیشہ اس سے پرہیز کی ہے۔ پس اہل دنیا کی رائے اہل اللہ کی رائے کے خلاف ہے۔

بعد ازاں، فرمایا ـــــ لغت میں پیر اسے کہتے ہیں جس کے بال سفید ہوں اور صوفیا کی اصطلاح میں پیر وہ ہے جس کا دل اوصافِ ذمیمہ سے پاک ہو کر اوصافِ حمیدہ سے منور ہو۔

بعد ازاں، پیر کی اطاعت کا موضوع چھڑا۔ فرمایا ـــــ سالک کو چاہیئے کہ ہر حالت میں پیر کی متابعت میں ثابت قدم رہے، چلنے، پھرنے اُٹھنے، بیٹھنے اور کھانے، پینے میں۔

بعد ازاں، حضرت خواجہ قطب الدین کے روضۂ مبارک کے چھ مجاور تشریف لائے۔ بڑے مجاور نے پانچ چھ کھجوریں اور ایک دستار آپ کو بطور ہدیہ پیش کی اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔ غلام محمد درویش نے کہا، علمأ اور سادات تو ادب کی

خاطر حضرت صاحب کے سامنے زمین پر بیٹھتے ہیں اور تم اُوپر چڑھ بیٹھے ہو۔ اس بات پر وہ ناراض ہُوا اور اُس نے کہا یہ تمام خواجگان تو ہمارے گھر سے فیضاب ہوئے ہیں، ہمارے لیے ترکِ ادب کیا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سادات خواہ کتنے ہی متواضع ہوں لیکن ان سے غرور کی بُو نہیں جاتی۔ اِسی طرح علما، جب تک اپنے علم کو ظاہر نہ کرلیں انہیں آرام نہیں آتا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مُرید کو چاہیئے کہ اپنے پیر کی متابعت کو انحضرت ﷺ کی متابعت کے برابر جانے، جیساکہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ — پیشوا اپنی قوم میں ایسے ہی ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں

بعد ازاں، پیر پکڑنے کی اہمیت زیر بحث آئی۔ فرمایا۔ پیر کی رہنمائی کے بغیر انسان منزلِ مقصود کو نہیں پاسکتا۔ مثنوی میں آیا ہے کہ جو آدمی بغیر پیر کے سلوک کے راستے پر چلے، اُس آدمی کی طرح ہے جو سرد لوہے کو کُوٹتا ہے اور اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ داؤد علیہ السلام سے اس کی تربیت نہ لے لے۔

بعد ازاں، مشائخ اور اُستاد کی ترقیٔ درجات کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ اوراد و اشغال کا ثواب جس قدر مُرید کو ملتا ہے، اسی قدر اس کے پیر کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور دونوں کے مجموعی ثواب کے برابر آگے اس کے پیر کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے اور اسی طرح درجہ بدرجہ یہ ثواب مضاعف ہوتے ہوتے رسُولِ خُدا تک پہنچتا ہے، مثلاً مُرید کے نام اگر ایک نیکی لکھیں تو اس کے پیر کے نام دو نیکیاں اور پیر کے پیر کے نام چار نیکیاں اور اس کے پیر کے نام آٹھ نیکیاں، اور اعلیٰ ہذا القیاس مشائخ کی نیکیاں بڑھتی رہتی ہیں۔

بعد ازاں، اصلاحِ باطن اور ٹوپی پہننے کا ذکر آیا۔ اسی اثنا میں میاں احمد دین خوشابی چارترکی ٹوپی پہنے ہوئے آیا۔ فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ باطن کی صفائی

پر زیادہ توجہ دے۔ ظاہر جس طرح بھی ہو، کیوں کہ درویشی ظاہری لباس پر موقوف نہیں بلکہ بعد ازاں بندہ نے عرض کیا کہ مُرید کو اپنے شیخ کے لباس کی متابعت بھی ضروری ہے یا نہیں ؟ فرمایا۔ بہتر ہے، لیکن مُریدوں کو اپنے شیخ کی متابعت اقوال و افعال اور اذکار و اشغال میں ضرور کرنی چاہیئے

بعد ازاں، چار ترکی ٹوپی کا ذکر آیا۔ فرمایا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم نے اپنی چار ترکی ٹوپی اپنے وصال کے وقت مُریدوں کو دی اور وصیت کی کہ جب یہ علامات رکھنے والا آدمی یہاں آئے تو میری ٹوپی اسے دے دینا۔ چند سال بعد حضرت گنج شکر بغداد میں گئے۔ درویشوں نے دیکھا تو غوث الاعظم کی بتائی ہوئی علامتیں ان میں موجود تھیں لیکن انہوں نے ٹوپی آپ کو نہ دی۔ جب حضرت گنج شکر رخصت ہونے لگے تو ٹوپی خود بخود اُڑ کر آپ کے سر پر بیٹھ گئی۔

بعد ازاں، فرمایا کہ۔ کتاب فوائد الفواد کی رُو سے یہ واقعہ درست نہیں۔ کیونکہ ایک دن خواجہ معین الدین اجمیری کتاب کے مطالعے میں مشغول تھے۔ اس وقت آپ کے سر پر چار ترکی ٹوپی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید حضرت غوث الاعظم نے خواجہ معین الدین سے ملاقات کے وقت انہیں عطا کی ہو۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء تالاب کے کنارے نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا شاید یہ نمازی بہاؤالدین کے مُریدوں میں سے ہے۔ آپ نے نماز پڑھ کر فرمایا میں فریدالدینی ہوں تم نے کس طرح مجھے بہاؤالدینی سمجھا اس نے کہا بہاؤالدین کے مرید اسی طرح دستار باندھتے ہیں۔ خواجہ نظام الدین نے اسی وقت پگڑی کھول کر حضرت فریدالدین کی طرز پر باندھی جسے فیل گوشہ کہتے ہیں۔ مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ میں نے خواجہ حسن محمد کے ملفوظات میں پڑھا ہے کہ ایک دفعہ جمعہ کے دن خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے غسل فرمایا اور لباس پہنا۔ ایک خادم نے بغیر مغزی والی ٹوپی پیش کی، جسے خواجہ صاحب نے یہ فرماتے ہوتے مسترد کر دیا کہ یہ ٹوپی میرے شیخ کی ٹوپی کے خلاف ہے، کیونکہ حضرتِ گنج شکر کی ٹوپی مغزی والی تھی۔

پھر فرمایا۔ کتنی عجیب متابعت تھی کہ بال بھر بھی اتباعِ شیخ سے انحراف میں کرتے تھے۔

بعد ازاں سید خدا بخش اور نیاز درویش نے مولوی معظم دین صاحب مرولوی کی وساطت سے عرض کیا کہ ہمارا حال بہت خراب ہے۔ جب تک آپ کی رضامندی ہمارے شاملِ حال نہیں ہوگی، ہماری حالت کسی طرح سُدھر نہیں سکے گی، خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ مَیں راضی ہو جاؤں گا۔ مولوی صاحب مرولوی نے پھر عرض کیا کہ جب آپ نے رضامندی کو صیغہ مستقبل میں ظاہر کیا تو اِس سے معلوم ہوا کہ ابھی رضامندی میں دیر ہے۔ فرمایا۔ اگر وہ ہمارے کہنے پر عمل کریں تو ہم راضی ہی تو ہیں۔

بعد ازاں، صاحب زادہ محمد دین صاحب نے عرض کیا کہ میرے جد بزرگوار وصال کے وقت یہ درود شریف پڑھتے تھے۔ اللھم صلی علیٰ محمد و علیٰ شیخنا محمد سلیمان۔

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ میرے اُستاد حضرت مولانا محمد علی مکھڈی بھی وعلیٰ آلہٖ کے بعد وعلیٰ شیخنا پڑھتے تھے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ علیٰ شیخنا کہنے کا کیا مورد ہے، کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

کل تقی و نقی فھو آلی — ہر محتاط اور سلجھا ہوا آدمی میری اولاد میں سے ہے

اور اس لحاظ سے درود میں گویا تمام متقی بھی شامل ہیں۔ اُستادِ گرامی نے فرمایا اگرچہ ضرورت تو نہیں لیکن پھر بھی تعمیم کے بعد تخصیص بہتر ہے۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا کہ فنافی الشیخ کیا ہے۔ فرمایا۔ اپنے شیخ کی ذات میں اس طرح ڈوب جانا کہ وہ اپنے کسی بھی حرکت و سکون کو اپنا نہ سمجھے بلکہ۔ پیر و مرید کی صُورت بھی ایک جیسی ہو جاتے۔

بعد ازاں ۔ فرمایا ۔ جب شیخ بہاء الدین ، شیخ شہاب الدین کی خدمت میں پہنچے اور ریاضت و عبادت میں ان کے تمام مریدوں سے سبقت لے گئے تو ایک دِن شیخ شہاب الدین اور بہاءَ الدین ایک ہی جگہ اکٹھے بیٹھے تھے ۔ ایک شخص باہر سے آیا اور اُس نے کہا مجھے تو تمیز نہیں ہو رہی کہ ان میں سے شہاب الدین کون ہے اور بہاء الدین کون ہے ؟ یہ پیر مُرید اس قدر درجۂ اتحاد کو پہنچ چکے تھے کہ دونوں کی شکل وصورت بھی ایک ہو گئی تھی ۔

بعد ازاں ، فرمایا ۔ ایک دن شیخ شہاب الدین نے چند مریدوں کو گھاس کاٹنے کے لیے بھیجا ۔ ہر ایک نے سبز گھاس کاٹی لیکن شیخ بہاؤالدین نے خشک گھاس کاٹی ، شیخ شہاب الدین نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے تم نے خشک گھاس کیوں کاٹی ہے ۔ اور دوسروں نے تو سبز گھاس کاٹی ہے ۔ انہوں نے کہا مَیں نے سبز گھاس سے ذکرِ حق سنا ۔ اِس لیے اسے نہ کاٹا ۔ شیخ شہاب الدین نے دوسروں سے پوچھا کہ تم نے بھی ذکر سنا ؟ انہوں نے کہا ، نہیں ۔

بعد ازاں ، میر عرب شاہ نے عرض کیا کہ جب مُرید کو کوئی حاجت درپیش ہو تو وہ اپنے پیر کے سامنے ظاہر کرے یا نہ کرے ؟ فرمایا ۔ مُرید صادق کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ، پیر کی امداد ہر حالت میں مُرید کو پہنچتی رہتی ہے ۔ بقول رومیؒ ؎

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ اُو جز قبضۂ اللہ نیست

ترجمہ :۔ آنکھوں سے اوجھل دُور دَراز بسنے والے مُریدوں کی امداد سے بھی شیخ کا ہاتھ قاصر نہیں ، کیوں کہ اس کے ہاتھ میں خُدائی طاقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ۔

بعد ازاں ، پیر کی محبت کا موضوع چھڑا ۔ فرمایا ۔ مُرید کو چاہیئے کہ دُوسرے ہر شخص کی محبت پر اپنے پیر کی محبت کو مقدم سمجھے ۔

پھر فرمایا ۔ خواجہ تونسوی کے پاس ایک سو چالیس صاحبِ شغل درویش مقیم

تھے اور آپ کا ایک خاص مُرید مولوی قادر بخش آپ سے اجازت لے کر حصولِ علم کے لیے ہندوستان چلا گیا۔ ایک شہر میں ایک امیر آدمی نے اس کا حال دریافت کیا اور اُسے اپنے گھر میں لے گیا، جہاں ایک خوب صورت لڑکی سونے کے زیورات پہنے مرصع تخت پر بیٹھ کر قرآن پڑھ رہی تھی۔ امیر نے کہا اگر تم اس لڑکی کو قبول کر لو تو میں پچیس ہزار روپے جاگیر بھی دوں گا۔ مولوی قادر بخش نے کہا۔ اب تو مَیں تحصیل علم کے لیے جا رہا ہوں، فارغ التحصیل ہونے کے بعد جیسے آپ کہیں گے میں تعمیل کروں گا۔ تحصیل کے بعد جب وہ واپس تونسے شریف آیا تو حضرت تونسوی کی زیارت کرتے ہی اس کے دل سے لڑکی کا عشق جاتا رہا اور اس نے اپنی بقیہ عمر پیر کے عشق میں گزار دی۔

بعد ازاں، حاجی غلام سرور ملتانی کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تم بڑے خوش نصیب ہو جسے حرمین شریفین کی زیارت حاصل ہوئی ہے۔ لیکن تمہیں چاہیئے کہ اذکار و اشغال میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرو تاکہ تمہارے دل میں حرمین شریفین کی محبت اور بڑھے، کیونکہ تمام عبادتوں کا ثمرہ خُدا اور رُسولؐ کی محبت ہے۔

پھر فرمایا۔ پیر کی محبت اور اطاعت عین رُسول کی محبت ہے۔ اِس لیے مُرید کو چاہیئے کہ پیر کی ہستی میں اپنے آپ کو محو کر دے۔ تاکہ وہ خُدا اور رسول کے مظہر کو دیکھ سکے۔ بقولِ رومیؒ ؎

گر تو ذاتِ پیر را کردی قبول — ہم خُدا در ذاتش آمد ہم رُسول

گر جدا بینی ز حق تو خواجہ را — گم کنی ہم متن ہم دیباچہ را

بعد ازاں، فرمایا۔ اربابِ ظواہر کے نزدیک پیر پرستی بُت پرستی ہے غلام حسین قریشی نے عرض کیا کہ پیر پرستی کیا ہے؟ فرمایا۔ پیر پرستی سے مُراد فنانی الشیخ کا مرتبہ ہے اور فنا سے مُراد یہ ہے کہ اپنے تمام اخلاق و عادات اپنے پیر کے اخلاق و عادات سے بدل لیے جائیں، بلکہ فنا کا کمال یہ ہے کہ مُرید کی صُورت اور سیرت عین پیر کی صُورت اور سیرت ہو جائے۔

بعد ازاں، تصورِ شیخ کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ فرمایا۔ طالبِ صادق کو چاہیئے کہ شیخ کی صورت کا تصور کرے تاکہ اس میں حقیقی صورت کا جلوہ پیدا ہو جائے۔ زلیخا جب حضرت یوسفؑ کے عشق میں بیقرار ہو گئی تو اُسے تیسرے خواب میں الہام ہوا "عزیزِ مصرم و مصرم مقام است"۔ یعنی میں عزیز مصر ہوں اور مصر ہی میرا مقام ہے۔

اس کے بعد زلیخا کو تسکینِ خاطر حاصل ہوئی۔ لہٰذا اس نے عزیزِ مصر کو عزیزِ حقیقی سمجھ کر اختیار کیا اور آخر کار وہ اپنے خواب کے مطابق اپنے محبوبِ حقیقی یوسفؑ سے واصل ہو گئی۔ اہل سلوک کے لیے یہی مثال کافی ہے

بعد ازاں، صاحبزادہ محمد دین صاحب نے عرض کیا کہ کوئی شخص تونسہ شریف کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے، کیا وہ وہاں سے گھر والوں کو اپنی خیریت کا خط لکھ سکتا ہے یا نہیں؟ فرمایا۔ صرف سجادہ نشین صاحبزادہ اللہ بخش صاحب کی رضامندی کے لیے لکھنا چاہیئے ورنہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

ما بوئے پیرہن را در جاں ذخیرہ داریم
شاید ز مصر ناید امروز کاروانے

ترجمہ:- اس خیال سے کہ شاید مصر سے پھر کبھی کسی قافلے کا ادھر گزر ہو یا نہ ہو، سرِدست ہم نے موقع غنیمت پا کر یوسفؑ کے پیرہن کو والہانہ طور پر سونگھ کر، اپنی جان کے ذرے ذرے میں، اس کی نکہتِ سرشار کا ذخیرہ وافر سمو لیا ہے

دوسرے الفاظ میں، خواجہ تونسوی کی خدمت میں شب و روز متعدد رہ کر آپ کی صورت پاک کا تصور میرے اندر اتنا راسخ اور گہرا ہو چکا ہے کہ اب اس کے سوا دل کی فضا میں کسی اور چیز کی سمائی ممکن ہی نہیں۔

لہٰذا اے درویش اگر تم طالبِ صادق ہو تو اپنے پیر کی صورت کے عاشق

ہو جاؤ۔ پھر تمہیں ذاتِ حق کا جلوا نظر آ سکے گا

بعد ازاں، مولوی محمد احسن اور مولوی عالم دین تونسے شریف سے واپس آکر خواجہ شمس العارفین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے سفر کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے کہا اتنا لمبا اور کٹھن سفر ہم نے محض آپ کی توجہ سے چھ دن میں طے کر لیا۔ آپ نے فرمایا۔ آفرین ہے کہ تم نے بڑھاپے کے باوجود اتنا دشوار سفر اتنی سرعت سے طے کیا۔

ضمناً، مولوی غلام محمد نے یہ شعر پڑھا ؎

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

اور آپ نے شعر پڑھا ؎

چوں مددِ پیرِ مرا گشت یار
نیست مرا حاجت آمرزگار

پھر فرمایا۔ کسی شخص نے خواجہ تونسوی کی خدمت میں اس شعر پر اعتراض کیا کہ لفظِ آمرزگار کی بجائے آموزگار ہونا چاہیئے تاکہ توحید میں خلل واقع نہ ہو۔ خواجہ تونسوی نے فرمایا جب انسان اپنی ذات کو ذاتِ حق میں فنا کر دیتا ہے اور وہ عین مطلق ہو جاتا ہے تو اس وقت آموزگار اور آمرزگار میں کچھ فرق باقی نہیں رہتا۔ ایسے آدمی کو ہر جگہ خدا تعالیٰ کا ظہور نظر آتا ہے۔ بقول خواجہ اجمیری ؎

صفات و ذات چو از ہم جدا نمی بینم
بہر چہ می نگرم جز خدا نمی بینم

ترجمہ:۔ جب سے مجھے ذات و صفات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اسی وقت سے حالت یہ ہے کہ جدھر دیکھتا ہوں خدا کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا، تصورِ شیخ کس طرح کیا جاتا ہے؟ فرمایا۔ اپنے شیخ کی صورت کو سامنے رکھنا چاہیئے یا دل میں رکھنا چاہیئے یا برقعے کی

طرح اسے اپنے اُوپر اوڑھ لینا چاہیئے، یا جس طرح بھی ممکن ہو سکے اپنے شیخ کی صُورت کو ملحوظ رکھنا چاہیئے، کھانے، پینے، سونے، اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے پھرنے، غرض کسی وقت بھی اپنے شیخ کے تصوّر سے خالی نہیں رہنا چاہیئے

بعدازاں، بندہ نے عرض کیا، جب ماسوا ء اللہ کی نفی کا تصور کیا جائے تو اس کے بعد ذاتِ حق کا اثبات کیا جائے یا ذات شیخ کا؟ فرمایا۔ تمام مخلوق کی نفی کر کے شیخ کی ذات کو مظہر ذات سمجھ کر اس کا اثبات کرنا چاہیئے۔

ضمناً، فرمایا۔ رفعِ خطرات کے لیے تصور شیخ بہت مفید ہے۔

بعدازاں، مولوی محمد عظیم نے عرض کیا کہ اگر نماز میں تصور شیخ آجائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا۔ جائز ہے اور اسے پیش امام سمجھ لینا چاہیئے

بعدازاں، بندہ نے عرض کیا کہ تصور شیخ صرف وظیفہ پڑھتے وقت ضروری ہے یا ہر وقت؟ فرمایا۔ ہر حالت میں شیخ کا تصوّر کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس کی برکت سے نفسانی خطرات اور شیطانی وسوسوں سے رہائی ملے۔

بعدازاں، فرمایا۔ تصورِ شیخ ایک عظیم نعمت ہے اور گناہوں کے مقابلے میں ڈھال ہے، یعنی جب صُوفی کو کامل تصور شیخ حاصل ہو جاتا ہے تو اُسے کسی گناہ کی ہمت ہی نہیں پڑتی۔

بعدازاں، فرمایا۔ ایک آدمی ایک عورت پر عاشق تھا، معشوقہ بھی عاشق پر مہربان تھی، آہستہ آہستہ اِن میں گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔ کچھ مدّت کے بعد عاشق نے جب معشوقہ سے ملاقات کی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا شیخ دونوں کے درمیان کھڑا ہے۔ عاشق فوراً ہی معشوقہ کو چھوڑ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ بندہ نے عرض کیا کہ میرے خیال میں دو چیزیں افضل ہیں، ایک ذکرِ حق اور دوسرے تصور شیخ۔ فرمایا۔ تم نے صحیح سوچا ہے، کیوں کہ انہی دو چیزوں پر اگر کسی شخص کو استقامت حاصل ہو جائے تو جلد ہی وہ اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ جاتا ہے

بعدازاں، صاحب زادہ محمد دین صاحب نے عرض کیا پچھلی دفعہ جب

میں بھی آپ کے ہمراہ تونسہ شریف حاضر ہوا اور جب آپ خواجہ تونسوی کے آستانہ پر پہنچے تو ایک بیقرار اور تیز رفتار آدمی آپ پر ٹکٹکی باندھے آرہا تھا۔ جس وقت آپ آستان شریف سے گزر گئے تو اس نے کہا میں انہیں خواجہ تونسوی سمجھ کر ان کے پیچھے دوڑتا رہا ہوں کیوں کہ ان کے تمام اعضا خواجہ تونسوی کے مشابہ تھے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ بے مثل ذات تھی، چیونٹی کو سلیمان سے کیا نسبت ؟

اسی اثنا میں خواجہ تونسوی کا ایک امیر کبیر مُرید شمس العارفین کی خدمت میں آیا اور جب اس کی نظر خواجہ سیالوی پر پڑی تو زار و قطار رو دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے بھائی روتے کیوں ہو؟ اس نے کہا غریب نواز مجھے آپ کی صورت خواجہ تونسوی کی صُورت کے بالکل مشابہ نظر آتی ہے، اس لیے مجھے بے اختیار رونا آگیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں نے بارہا اس امر کی تصدیق کی خواجہ تونسوی اور خواجہ سیالوی کی صورت میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سیال شریف سے ایک عورت تونسہ شریف گئی۔ اس وقت حضرت تونسوی مصلے پر کروٹ سے لیٹے ہوئے تھے۔ لیکن اس عورت کو مصلے پر سونے کا ایک تودہ پڑا ہوا نظر آتا۔ صاحب زادہ محمد دین صاحب نے عرض کیا کہ بزرگ متعدد صورتوں میں بھی متشکل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ فرمایا۔ ہاں ایک مرتبہ خواجہ تونسوی پاکپتن میں حضرت شکر گنج کے عرس پر گئے ہوتے تھے۔ ایک کھلے باغ میں سماع کی مجلس آراستہ تھی، حضرت صاحب روضے شریف کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے تھے۔ مولوی علی محمد صاحب اور میں جنوب کی طرف بیٹھے تھے۔ محل لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، یہاں تک کہ حضرت کی صورت ہمیں نظر نہیں آتی تھی۔ جب سماع کی محفل گرم ہوئی تو صاحب زادہ نور احمد مہاروی پر شدید جذبہ وارد ہوا۔ خُدا بخش لانگری کچھ رقم لیے ہوئے آپ کے پاس بیٹھا تھا۔ حضرت تونسوی نے اس سے کچھ روپے لیے اور ہاتھ اٹھا کر قوالوں کو دیے۔ جب میں آپ کے ہاتھ کی طرف دیکھا تو آپ کا چہرا نورانی نظر آیا۔ اور اس سے انوار اور

تجلیات کے شعلے اُٹھتے ہوئے نظر آئے۔ جب مَیں نے مولوی محمد علی صاحب کے سامنے اس کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا، تم کیا کہتے ہو، حضرت کے چہرے پر تو اس سے بھی زیادہ تجلیات برس رہی تھی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک بُت پرست خراسان گیا اور ایک پٹھان نے اس سے مقابلہ کیا اور تلوار سونت کر اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ جب اس نے تلوار کا وار کیا تو ایسی آواز آئی جس طرح سخت پتھر پر کوئی چیز ماری جاتے۔ جب بُت پرست کا سینہ پھاڑا گیا تو اس میں سے پتھر کا ایک مجسمہ برآمد ہوا۔

پھر فرمایا۔ اس نے اپنے دل میں بُت کا تصور اِس قدر جما لیا تھا کہ واقعی اس کے اندر اس کے معبود کی تجسیم ہوگئی تھی۔

بعد ازاں۔ فرمایا۔ مُرید صادق کو چاہیئے کہ اپنے شیخ کا اِس طرح تصور کرے کہ اس کے ظاہر و باطن میں شیخ کی ذات ہی جلوہ گر نظر آئے۔ ذاتِ حق کا مطالعہ اگر شیخ کے آئینے میں کیا جائے تو انسان مقصودِ حقیقی کو جلد ہی پا لیتا ہے

بعد ازاں، آدابِ شیخ کا ذکر چھڑا۔ بندہ نے عرض کیا۔ آداب شیخ بیان فرمائیں۔ فرمایا۔ سلوک کی کتابوں میں شیخ کے بہت سے آداب لکھے ہیں، لیکن درحقیقت ادب آموز صرف عشق ہے۔ عشق جتنا زیادہ ہوگا۔ اِسی قدر محبوب کے آداب زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں گے۔

ضمناً، بندہ نے عرض کیا کہ شیخ کی طرف پیٹھ کرنے کے متعلق کیا حکم ہے ؟

فرمایا۔ یہ بھی ترکِ ادب ہے۔۔

پھر فرمایا۔ خواجہ تونسوی کا ایک مُرید تونسہ شریف سے چھ کوس کے فاصلے پر رہتا تھا اور ہمیشہ جمعہ کی نماز تونسہ شریف میں پڑھتا تھا اور ہفتہ کی رات وہیں گزار کر جب اپنے گاؤں کو واپس جاتا تو اُلٹے پاؤں چلتا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ شیخ کے حضور اور غیوب کے کیا آداب ہیں ؟ فرمایا۔ شیخ کے آداب حضور و غیوب میں اور حیاتی اور مماتی حالت میں یکساں ہیں۔

بعد ازاں ، بندہ نے عرض کیا کہ جب مجھے آپ کی حاضری نصیب ہوئی ہے تو اس وقت سلوک اور ذوق و شوق کے شدید جذبات مجھے اپنے آپ میں محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن جب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں تو میری وہ کیفیت افسردہ ہوجاتی ہے۔ فرمایا۔ اِس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیوں کہ حضور اور غیوب یکساں نہیں۔ ہماری بھی یہی حالت تھی کہ جب ہم خواجہ تونسوی سے رخصت ہوکر اپنے گھر آتے تو وظائف میں ہمارا وہ ذوق نہ رہتا جو حضرت کی خدمت میں ہمیں میسر ہوتا تھا۔

پھر فرمایا۔ جب شوق میں تنزل واقع ہوتا ہے تو نیکوں کی مجلس میں بیٹھنا چاہیئے اور سلوک و توحید کی کتابوں میں انہماک پیدا کرنا چاہیئے تاکہ ان کی برکت سے ذوق و شوق میں تیزی پیدا ہو۔

بعد ازاں۔ قدمبوسی کا موضوع چھڑا۔ سیّد محمد شاہ نے آکر آپ کی قدمبوسی کی۔ مولوی محمد جان نے اس کی طرف دیکھ کر کہا شریعت میں اس قسم کی قدمبوسی جائز نہیں۔ کیوں کہ یہ سجدے کے مشابہ ہے اور یہ سجدہ صرف ذاتِ حق کے لیے مخصوص ہے۔

ضمناً بندہ نے عرض کیا کہ اس مسئلے کی تحقیق کیا ہے؟ فرمایا۔ جب خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو، تو جنہوں نے سجدہ کیا وہ سرفراز ہوئے اور جس نے انکار کیا وہ مردود ہوا۔ اسی طرح اولیائے کرام بھی انبیا علیہ السلام کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ "**الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ**" لہٰذا، اگر کوئی شخص اپنے پیر کو مظہر ذاتِ حق سمجھ کر قدمبوسی کرے تو جائز ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں ایک آدمی نے آکر سر زمین پر رکھا اور قدمبوسی کی۔ ایک عالم نے کہا یہ خلاف شرع ہے۔ وہ آدمی خاموش رہا۔ عالم نے پھر اپنی بات دہرائی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا، پچھلی امّتوں

میں یہ طریقہ مستحسن تھا۔ چنانچہ تفسیر روئی میں مذکور ہے کہ رسول خدا کے زمانے میں آپ کے ہاتھ پاؤں چومے گئے اور آپ نے لوگوں کو منع نہ فرمایا۔ ترمذی کی روایت ہے۔

قال یهودی لصاحبه اذهبنا الیٰ هذا النبیؐ فقال له صاحبه لا تقل نبی انه لو سمعك لكان له اربع اعین فاتیا رسول الله صلی الله علیه وسلم فسالاه عن تسع آیات بینات فقال لهم لا تشركوا بالله شیئا۔

کہا ایک یہودی نے اپنے ساتھی کو کہ چل ساتھ میرے طرف اُس نبیؐ کے۔ پس اُس کے دوست نے اسے کہا مت کہ نبی۔ بے شک اگر وہ تیرے کہنے کو سُنے گا۔ تو اس کی چار آنکھیں ہوں گی۔ پس رہے دونوں پیغمبر علیہ السلام کے پاس۔ پس انہوں نے نو روشن نشانیوں کے بارے میں دریافت کیا پس آنحضرتؐ نے انہیں فرمایا اللہ کے ساتھ تم کسی کو مت شریک ٹھہراؤ۔

ان نو نشانیوں کا بیان سن کر دونوں شخصوں نے آنحضرتؐ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ روایت ہے۔

قال فقبلا یدیه ورجلیه وقالا نشهد انك نبیؐ

کہا راوی نے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کے دونو ہاتھ اور دونو پاؤں چومے اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی ہیں

تنبیه الغافلین میں مذکور ہے

قال اعرابی آذن لی یا رسول الله صلی الله علیه وسلم اقبل راسك ورجلیك و

ایک بادیہ نشین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سر اور دونوں پاؤں کو چوم لوں پس آنحضرتؐ نے اس کو اجازت

فاذن لہ فقبل راسہ ورجلیہ (حدیث)

دے دی اور اس نے حضور کے سر مبارک اور دونوں پاؤں کو چوم لیا۔

صحیح بخاری اور شفا قاضی میں مذکور ہے۔

فسطاء طاء ابنِ عمر راسہ ونقر یدیہ الارض وقال لو راٰہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاحبہ (حدیث)

پس جھکا دیا ابن عمر نے سر اپنا اور مارے دونوں ہاتھ زمین پر واسطے سلام اور تعظیم کے، پھر کہا اگر آنحضرت اسے دیکھتے ہوتے تو اسے پسند فرماتے۔

اس سلسلے میں اور احادیث بھی مروی ہیں، لیکن ہم طوالتِ کلام کے پیشِ نظر بیان نہیں کر سکتے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کو امورِ شریعت میں فراواں کوشش کرنی چاہیئے، کیونکہ شریعت ہی طریقت اور حقیقت کا زینہ ہے۔ جو شخص بھی منزل مقصود کو پہنچا ہے اسی کے ذریعے سے پہنچا ہے۔

بعد ازاں، مولوی سراج الدین نے عرض کیا میں کچھ عرصہ فلاں آدمی کا ملازم رہا لیکن جب اس کی تعظیم مجھے گراں گزری تو میں نے ملازمت ترک کر دی۔ فرمایا۔ فقیر اور امیر کی تعظیم میں فرق ہے۔ اہلِ دنیا محض حصول دُنیا کے لیے تعظیم کرتے ہیں۔ اس قسم کی تعظیم ایک تہائی ایمان کو ضائع کر دیتی ہے اور صوفیا محض فقرا کی خوشنودی کے لیے تعظیم کرتے ہیں، یہ عین ثواب ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ پیر کو چاہیئے اپنے مُرید کی استعداد کے مطابق اسے اور اوراد و اشغال کی تلقین کرے اور مُرید کو صحبتِ غیر سے پرہیز کرنی چاہیئے، اور صلحاً اور علماً کو محبت اختیار کرنی چاہیئے۔ اور اطاعت شیخ میں ثابت قدم

رہنا چاہیئے تاکہ اِسے منزل مقصود مل جائے۔

بعدازاں، عامل اور صوفی کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ عامل اور صوفی میں فرق ہے۔ اگر عامل کو کوئی انسان دُکھ پہنچائے تو وہ انتقام کی خاطر اپنا عمل استعمال کرتا ہے۔ صوفی کا طرزِ عمل اِس کے برعکس ہے۔ اِسے جو دُکھ پہنچے وہ اسے منجانب اللہ سمجھتا ہے اور اس کا انتقام نہیں چاہتا بلکہ دُکھ پہنچانے والے کے ساتھ بھی احسان کرتا ہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ علمائے ظاہر، علم کے ہتھیاروں کو تیز کرتے رہتے ہیں اور انہیں نشانے پر نہیں مارتے جو وصالِ حق تعالیٰ ہے۔ اپنی تمام عمر پڑھنے پڑھانے میں گزار دیتے ہیں، لیکن علم پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ صوفیا عمل میں زیادہ کوشاں ہوتے ہیں اور یادِ حق کا تیر نشانے پر مار کر واصل بحق ہو جاتے ہیں۔

بعدازاں، غلام حسین قریشی نے عرض کیا الصوفی لا مذھب لہٗ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ صُوفی کو اتباعِ محبوب میں والہانہ وارفتگی وہاں تک لے جاتی ہے جہاں مذہب کے حدود و قیود بالکل پست ہو کر رہ جاتے ہیں، دوسرے یہ کہ صوفی مذاہب کی جکڑ بند سے بالاتر ہوتا ہے اور وہ تمام مذاہب کو حق تعالیٰ کے مظاہر سمجھتا ہے۔ تیسرے یہ کہ صوفی کا مذہب "لا" ہے یعنی لا موجود ہے فی الکونین الا ھو، چوتھے یہ کہ صوفیائے کرام چونکہ مرتبۂ فنا الفنا تک پہنچ جاتے ہیں اس لئے وہ مذاہب کی قید سے نکل جاتے ہیں۔

بعدازاں، فرمایا۔ بقول مولانا رُوم علتی جس چیز کو اختیار کرتا ہے وہ چیز علت بن جاتی ہے خواہ وہ سنت ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح کامل جس چیز پر عمل کرتا ہے وہ ملت کا دستور بن جاتی ہے، خواہ وہ کفر ہی کیوں نہ ہو۔

ضمناً، قریشی مذکور نے عرض کیا کامل کے فعل کو کفر سے کیوں منسوب کیا گیا ہے؟ فرمایا۔ یہ کفر اتفاقی نہیں بلکہ نسبتی ہے جو بعض کے نزدیک کفر اور بعض کے نزدیک عین ایمان ہوتا ہے۔

بعد ازاں ، فقرا کی فضیلت کا موضوع چھڑا۔ فرمایا۔ جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کا رُخ کیا تو اپنے ساتھ ایک چھوٹا بچہ لے گیا جس کی اس نے خوب پرورش کی۔ جب وہ بالغ ہوا تو سلطان نے اسے تخت پر بٹھایا، ایک دن وہ تخت پر بیٹھ کر رو رہا تھا۔ سلطان نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا جب بچپن میں میری ماں مجھ پر ناراض ہوتی تو کہتی کہ خُدا تمہیں سلطان محمود کے حوالے کرے اور والد شفقت کے طور پر میری ماں سے کہتا کہ بچے کے حق میں ایسی بد دُعا نہیں کرنی چاہیئے اَب میں اپنی حالت دیکھتا ہوں تو مجھے مشفق ماں کی وہ بات یاد آتی ہے، اور اگر ماں آج میری حالت دیکھتی تو سمجھ لیتی کہ خُدا نے اس کی مرضی کے خلاف مجھے بادشاہی کی دولت عنایت کی ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ماں سے مُراد طبیعت ہے جو ہر وقت انسان کو فقر سے روکتی ہے اور کہتی ہے کہ فقر کے راستے میں بہت مصیبتیں ہیں، اور باپ سے مُراد عقل ہے، یہ بھی انسان کو فقر سے روکتی ہے اور دینوی امور میں مشغول رکھتی ہے۔ محمود سے مُراد فقر کا مرتبہ ہے۔ جب مریدِ صادق فقر کی راہ یعنی سلوک پر چلتا ہے تو وصالِ ذات کے سلطانی تخت پر متمکن ہوتا ہے۔

مجلس ۳۶

سماع اور جذب و استغراق

جمعرات کو قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی ۔ مولوی نور اللہ ہزاروی، سید فضل شاہ ہزاروی، اور دوسرے یارانِ طریقت بھی شریک مجلس تھے ۔ سماع کا موضوع چھڑا ۔ فرمایا جس وقت میں کابل میں مولوی غوث محمد صاحب کے پاس ٹھہرا ہوا تھا، انہوں نے مشکواۃ شریف سے بابِ سماع نکالا اور مجھے اپنے پاس بلا کر کہا ۔ دیکھو، جب شرح شیخ عبدالحق لائی گئی تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ امامِ غزالی نے سماع کو حلال قرار دیا ہے اور اس کی تفصیل سلوک کی کتابوں میں موجود ہے ۔

بعدازاں، تین قوال آئے اور انہوں نے مزامیر کے ساتھ قوالی کی اجازت چاہی فرمایا ۔ اپنی اس سارنگی پر غلاف چڑھا دو، اگر کچھ کہنا ہے تو سازوں کے بغیر کہو ۔

بعدازاں، فرمایا ۔ مدراج النبوہ میں لکھا ہے کہ جعفر طیارؓ، امیر معاویہؓ مقداد و طاؤس کی قسم کے سات جلیل القدر صحابہؓ نے سارنگی کی آواز سنی ہے مولوی نور اللہ پینوی نے عرض کیا کہ بعض لوگ آیت ”لہو الحدیث“ کو سماع کی حرمت کی دلیل قرار دیتے ہیں ۔ فرمایا ۔ اس آیت سے سماع مراد نہیں ہے ۔ اِس آیت کی وجہ نزول یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے یہودی جب ایران کی طرف سے آتے تو رستم و اسفندیار کے قصے یاد کر کے واپس آتے ۔ اور جب آنحضرتؐ قرآن کا وعظ فرماتے تو وہ یہودی الگ بیٹھ کر رستم و اسفندیار کے قصے پڑھتے تھے ۔ ان یہودیوں کی مذمت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے ۔

بعدازاں، مولوی نور اللہ صاحب نے عرض کیا کہ حدیث سے بھی سماع کی مطلق حرمت ثابت نہیں ہوتی، مشکواۃ میں مذکور ہے :-

جاریتان فی بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تا آخر)	نوٹ :- بوجہ اختصار حدیث کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

سنن ابن ماجہ میں بھی معوذ بنت ربیع کی روایت سے مذکور ہے۔

دخل علیَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعندی جاریتان تغنیان	آنحضرتؐ میرے پاس تشریف لائے اور میرے ہاں دو لڑکیاں گا رہی تھیں۔

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ایک دن حبشی مسجد میں گا رہے تھے اور حضرتِ عائشہ صدیقہ اپنی ذقن رسولِ خداؐ کے کندھے مبارک پر رکھ کر وہ آواز سن رہی تھیں۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا حضرت تونسوی مزامیر کے ساتھ سماع سُنتے تھے یا مزامیر کے بغیر؟۔ فرمایا۔ خواجہ تونسوی سازوں سے بہت پرہیز کرتے تھے اور جب قوال سماع کی محفل آراستہ کرتے تو آپ حجرے میں بیٹھ کر سُنتے۔ پاک پتن میں عرس کے موقع پر حضرت گنجِ شکر کے روضے شریف کے قریب مسجد نظامی کی محراب میں بیٹھتے تھے جب ختم پڑھنے کا وقت قریب ہوتا تو گھنٹے بھر کے لیے جاتے اور پھر بُرجِ نظامی میں آجاتے اگر کوئی قوال ساز لے کر آپ کے پاس قوالی کرتا تو آپ اسے باہر نکال دیتے اور فرماتے کہ یہاں علما۔ آئیں گے اور تمہیں ماریں گے۔

بعد ازاں، مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ جب ہم خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مقام کو دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔ فرمایا۔ خواجہ نصیر الدین اِس قدر شریعت پر ثابت قدم تھے کہ آپ نے کبھی سماع کی طرف توجہ نہ دی حالانکہ ان کے پیر خواجہ نظامِ الدین اولیاء سماع سُنتے تھے۔ سید اللہ بخش نے عرض کیا کہ حضرت چراغ دہلی سماع سے کیوں احتراز کرتے تھے۔ فرمایا۔ اتباعِ سنتِ رسول کے لیے سید اللہ بخش نے پھر عرض کیا کہ انہوں نے اپنے شیخ کی اتباع کیوں نہ کی؟ فرمایا۔ سماع سے احتراز کرنا اتباعِ شیخ کے منافی نہیں، کیوں کہ شیخ کے امر کی اتباع ضروری ہوتی ہے اور خواجہ

نصیرالدین سماع سُننے پر مامور نہ تھے۔ اور یہ ان کے حوصلے کا کمال ہے کہ انہوں نے امکان کے باوجود سماع سے احتراز کیا۔

بعدازاں، فرمایا۔ کسی شخص نے خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں عرض کیا کہ خواجہ نصیرالدین آپ کی مجلس سماع میں حاضر نہیں ہوتے۔ چونکہ خواجہ نظام الدین ان کے احوال سے واقف تھے اس لیے انہوں نے کچھ نہ فرمایا۔ سید اللہ بخش نے عرض کیا کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کی محفلِ سماع میں ساز ہوتے تھے یا نہیں؟ فرمایا آپ کی محفلِ سماع میں ساز بالکل نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ تالی بجانے سے بھی منع فرماتے تھے۔

بعدازاں، سماع کی فضیلت کا موضوع چھڑا۔ فرمایا۔ ایک زاہد بہت لمبی مدّت میں روحانی مسافت طے کرتا ہے صُوفی اسی مسافت کو سماع کی حالت میں ایک دن میں طے کرلیتا ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

جائے کہ زاہداں بہ ہزار اربعیں رسند
مست شرابِ عشق بیک آہ می رسد

پھر فرمایا۔ سماع دفعِ خطرات کے لیے بھی مفید ہے، البتہ کثرتِ سماع قساوتِ قلبی اور پریشان حالی کا سبب ہوسکتی ہے، لہذا سالک کو کبھی کبھی سماع سُننا چاہیئے تاکہ اس کے دل میں ذوق تازہ رہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ سماع سُننے والے کو اپنی فکر درست رکھنی چاہیئے تاکہ اس کے لیے سماع سُننا حلال رہے۔

بعدازاں، جذبے کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ فرمایا۔ جذبے کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ جس میں انسان باہوش رہے اور اسے اپنے آپ پر یہ اختیار رہے کہ جسم کو جنبش اور حرکت سے روکے رکھے۔ جذبے کی دوسری قسم یہ ہے کہ نہ اختیار رہے اور نہ ہوش بلکہ کسی امر کی خبر نہ رہے۔ اوّل الذکر صُورت میں وضو نہیں ٹوٹتا دوسری صُورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

بعدازاں، بندہ نے عرض کیا کہ نوشاہی خاندان میں بعض لوگ کوشش کرکے جذبے

کی حالت اختیار کرتے ہیں اور پھر حالت کو عود کرتے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا اصل جذبہ تو مرتبۂ فنا میں ہوتا ہے اور وہ لوگ جو اس مرتبے کو نہیں پہنچے ہوتے۔ اِن کی حالتِ مجازی ہوتی ہے۔

بعدازاں، فرمایا۔ پاک پتن شریف میں بہت سے ہندو صُوفیا کی مجلس میں آکر وجد و جذبے کا مظاہرہ کرتے ہیں اور وجد کے بعد وہ کفر کی حالت پر ہی رہتے تھے صُوفیا کے نزدیک اس قسم کے وجد کا کوئی فائدہ نہیں۔

بعدازاں، فرمایا۔ سماع اہلِ طریقت کے لئے موصل الی الحق ہے اور اہلِ شریعت کے لیے نقصان دہ ہے۔

بعدازاں، استغراق کا موضوع چھڑا۔ مہر محمد بخش نے عرض کیا کہ حسین کنجال اور غلام حسین چانڈیاں حضرتِ تونسوی کی زیارت کے لئے جا رہے تھے۔ راستے میں حسین نے غلام حسین سے پوچھا کہ حضرت صاحب تمہیں پہچانتے ہیں اور تمہارا نام جانتے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا مجھے تو یقین نہیں کہ حضرت صاحب مجھے جانتے ہوں، حسین نے کہا خیر مجھے تو بخوبی جانتے ہیں۔ جب وہ آپ کے حجرے کے دروازے پر پہنچے تو پہلے حسین اندر گیا۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے عرض کیا میں حسین کنجال ہوں۔ آپ نے فرمایا حسین کنجر؟ اس نے پھر عرض کیا حسین کنجال۔ آپ نے فرمایا خیر بیٹھ جاؤ۔ پھر غلام حسین آیا، آپ نے اسے نام سے پکار کر خوش آمدید کہا اور مزاج پرسی کی۔

بعدازاں، فرمایا۔ ایک دِن حضرتِ رُسول خُداؐ کی خدمت میں عائشہ صدیقہ گئیں۔ آپؐ نے دریافت کیا کون ہو؟ عرض کیا میں عائشہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کون عائشہ؟ انہوں نے کہا ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی۔ فرمایا کون ابوبکرؓ؟ انہوں نے عرض کیا آپ کا یار۔ پھر آپ خاموش ہو گئے۔

بعدازاں، فرمایا۔ اس قسم کے استغراق کا وقت تمام اولیاء اللہ پر آتا ہے۔

بعدازاں، شیخ عبدالحق ردولوی کے استغراق کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ ایک دِن وہ

ایک درخت کے سائے میں بیٹھے تھے۔ اس درخت پر ایک خوش الحان پرندہ تسبیحیں پڑھ رہا تھا۔ اس کی آواز کی لذت آپ کے دِل پر غلبہ کرتی رہی اور پھر تمام عمر وہ اِسی ذوق میں مستغرق رہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک مرتبہ تونسے شریف میں سماع کی محفل گرم ہوئی۔ صاحبزادہ عبدالغفور مہاروی کو وجد ہوگیا۔ اسی کیفیت میں وہ اپنی چادر لے کر حضرت تونسوی کے روضے شریف میں جاروب کشی کرنے لگے اور حالتِ استغراق رفتہ رفتہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ آپ اہلِ محفل کی طرف سے بالکل بے خبر ہوگئے اور اسی حالت میں، مَیں نے اُن کے قریب جاکر یہ شعر پڑھا۔

عشق تیرے بھن مہیں چرایاں، کوئی میڈی چاک تاسی

شعر سُن کر انہوں نے ایک بار میری طرف دیکھا اور پھر حالتِ استغراق میں محو ہوگئے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مَیں نے حضرت تونسوی کے خلیفہ مولوی احمد دین سے سُنا کہ ایک دن حضرت محکم دین سیرانی سفر کر رہے تھے۔ دو آدمی کندھوں پر کوئی چیز رکھے سامنے سے آرہے تھے۔ محکم دین صاحب نے اپنے ساتھی کو کہا کہ نفس کے قاتل آرہے ہیں۔ جب وہ نزدیک آئے تو معلوم ہوا کہ وہ قوال ہیں اور ساز اُٹھائے ہوئے ہیں قوالوں نے وہیں بیٹھ کر قوالی شروع کردی۔ قوالی کے پہلے بول پر ہی آپ کا جسم سرابسر خون آلود ہوگیا۔ قوال اس حالت کو دیکھ کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ کا ساتھی حیرت زدہ رہ گیا کہ مَیں اَب کیا کروں؟ اس نے آپ کی چادر اس خُون پر ڈالی اور بیٹھ گیا۔ آہستہ آہستہ اس چادر کے نیچے آپ کا جسم درست ہونے لگا اور پھر وہاں سے روانہ ہوگئے۔

پھر فرمایا۔ آپ کا استغراق اس قسم کا تھا کہ اکثر اوقات آپ نماز کی نیت سے کھڑے ہوتے اور نیت ہی باندھتے رہتے حتیٰ کہ نماز کا وقت گزر جاتا، اور ابھی ان کی نیت مکمل نہ ہوپاتی۔ اور بعض اوقات اگر نماز کی نیت کے وقت کوئی شخص قوالی

کر دیتا تو اُسی وقت ان کی نیت استوار ہو جاتی۔

پھر فرمایا۔ ان کے لیے سرود نہایت مفید ثابت ہوا اور بعض مبتدیوں کے لیے یہ زہر قاتل ہے۔

بعد ازاں، کسی شخص نے عرض کیا کہ چھچھ میں کسی شخص نے اپنے آپ کو پیر مشہور کر دیا ہے اور گرد و نواح کے اکثر لوگوں نے بیعت بھی اُس سے کر لی ہے۔ وہ شخص چشتیوں کے حق میں طعنہ زنی کرتا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ کیا اعتراض کرتا ہے؟ اس نے کہا یہ کہ خواجگانِ چشت سماع سنتے ہیں اور سماع حرام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ عجیب مسلمانی ہے کہ عناد اور تعصب کو جائز سمجھتے ہیں اور سماع کو حرام بتاتے ہیں، حالانکہ سماع کے وسیلے سے اکثر لوگ واصل بحق ہوتے ہیں۔

مجلس ۳۷

خدا اور رسُول کی محبّت اور اولیاءؒ کے تبرّکات

جمعرات کو شرفِ نیاز حاصل ہوا۔ بہت سے احباب اس محفل میں شریک تھے۔ محبت الٰہی کا ذکر چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ تمام عبادتوں کی روح محبت الٰہی ہے۔ جس شخص میں محبت الٰہی جتنی زیادہ ہوتی جائے گی اُتنا ہی وہ عبادت و ریاضت زیادہ کرنے لگے گا۔

ضمناً بندہ نے عرض کیا، کہ محبت الٰہی میں ترقی کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ فرمایا اس کے بہت سے ذرائع ہیں لیکن سب سے بہتر وسیلہ ذکر ہے۔ ذکر میں جس قدر استقامت ہو۔ اسی قدر محبت میں ترقی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

من احب شئ اکثر ذکرہ — آدمی جس چیز کو بھی محبوب رکھے اس کا اکثر ذکر کرتا ہے۔

میں نے پوچھا ذکر بالجہر ہونا چاہیئے یا مخفی؟ فرمایا۔ ذکر جس صورت میں بھی ہو مناسب ہے، کیونکہ ذکر سے مُراد یادِ دوست ہے، خواہ وہ جس رنگ میں بھی ہو۔

بعد ازاں، خواجہ قطب الدین کی محبت کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ خواجہ قطب الدین کا ایک ہی کمسن بچہ تھا۔ اتفاقاً خواجہ صاحب کو تین دن فاقہ کرنا پڑا۔ چھوٹے بچے نے فاقوں سے تنگ آکر کسی آدمی کو گھر کی صُورتِ حال بتا دی۔ اس کے پاس جو کچھ موجود تھا خواجہ صاحب کی خدمت میں لایا اور بہت معذرت کی کہ ہم سے غفلت ہوگئی ہے۔ جب خواجہ قطب الدین نے یہ سُنا تو دُعا کی کہ اے خُداوند پاک جس نے بھی میری فاقہ کشی کا راز فاش کیا ہے اُسے اس دنیا سے اٹھالے۔ اسی وقت وہ کمسن بچہ جو دوسرے بچوّں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ کوئی چیز لگنے سے گر کر جاں بحق ہوگیا۔ سبحان اللہ، خواجہ صاحب کے

دل میں محبتِ الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس میں فرزند کی محبت کی بھی گنجائش نہ تھی۔
بعد ازاں، فرمایا۔ جب حضرت ابراہیم ادھم تخت و تاج چھوڑ کر بلخ سے مکہ کو روانہ ہوئے تو اپنا اکلوتا لڑکا اہلیہ کے پاس ہی چھوڑ گئے۔ جب لڑکا جوان ہوا تو اس نے ماں سے پوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ ماں نے بتایا لوگ کہتے ہیں کہ اب وہ مکہ میں ہے لڑکے نے کہا میں بھی مکے جا کر اپنے والد کی زیارت کروں گا اور انہی کی خدمت میں رہوں گا۔ ماں سے اجازت لینے کے بعد شہزادے نے بلخ میں منادی کرا دی کہ جس کو بھی حج کا شوق ہو میرے ساتھ چلے۔ اس کے لیے سفر خرچ اور سواری کا انتظام میں خود ہی کر دوں گا یہ خبر سنتے ہی چار ہزار آدمی تیار ہو گئے۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مکے میں اترا تو لڑکا اپنے والد کو دیکھنے کے شوق میں بے اختیار ہو کر مسجد حرام کی طرف چل پڑا۔ وہاں اس نے خرقہ پوشوں کی ایک جماعت دیکھی اور ان سے پوچھا کہ تم ابراہیم ادھم کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں وہ ہمارا شیخ ہے اور ایندھن لانے کے لئے جنگل میں گیا ہوا ہے، اور اسی ایندھن کو بیچ کر وہ روٹی کھاتا ہے۔ لڑکا جنگل کو چلا گیا، وہاں ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جو لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے چلا آ رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر لڑکے پر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا۔ لیکن تاہم اس نے انتہائی کوشش کر کے ضبط پا لیا اور دبے پاؤں بوڑھے کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ بوڑھے نے لکڑیاں بازار میں بیچ دیں اور روٹی خرید کر اپنے درویشوں کے سامنے رکھ دی اور خود نماز میں مشغول ہو گیا۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر اس نے اپنے درویشوں سے کہا تم خوبصورت اور بے داڑھی مونچھ کے نوجوان لڑکوں کی طرف دیکھنے سے اپنی نظروں کو بچاؤ اور خاص طور پر آج کے دن کہ یہاں بے شمار عورتیں اور اَمرد بچے آئے ہوئے ہیں۔ تمام نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ جب حاجی طواف میں مشغول ہوئے تو حضرت ابراہیم بھی اپنے ساتھیوں سمیت طواف کرنے لگے۔ آپ کا لڑکا آپ کے سامنے کی طرف سے آ رہا تھا۔ حضرت ابراہیم اِسے غور سے دیکھنے لگے درویشوں نے تعجب کیا اور جب طواف سے فارغ ہوتے تو پوچھا کہ آپ نے تو ہمیں لڑکوں اور عورتوں کے دیکھنے سے منع کیا تھا اور خود ایک حسین نوجوان کو دیکھتے

رہے۔ اس میں کیا حکمت تھی ؟ انہوں نے فرمایا جب میں بلخ سے روانہ ہوا تو میرا بچہ دودھ پیتا تھا۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ لڑکا وہی ہے۔ دوسرے دن حضرت ابراہیم کا ایک درویش بلخیوں کے قافلے میں گیا تو وہی لڑکا خیمے میں ایک کرسی پر بیٹھ کر قرآن پڑھ رہا تھا۔ اور رو رو کر کہتا تھا افسوس میں نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا۔ درویش نے کہا تم میرے ساتھ آؤ میں تمہیں تمہارے باپ کے پاس لے چلتا ہوں۔ جب وہ دونوں حضرت کی خدمت میں پہنچے تو لڑکے نے فرطِ محبت سے چیخ ماری کہ میرا باپ یہی ہے ؟ اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر درویش بھی رونے لگے۔ دیر کے بعد لڑکا ہوش میں آیا تو اس نے حضرتِ ابراہیم کو سلام کیا اور آپ نے اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا، اور کیفیت حال پوچھی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم نے چاہا کہ وہاں سے چلے جائیں، لیکن لڑکا انہیں نہیں چھوڑتا تھا۔ آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا یا الٰہی مجھے فرزند کی محبت سے پناہ دے۔ اسی وقت لڑکا ان کے پہلو میں گر کر ڈھیر ہو گیا۔ درویشوں نے فریاد کی یا ابراہیم آپ نے یہ کیا کر دیا۔ آپ نے فرمایا جب میں بچے کے ساتھ بغلگیر ہوا تو اس کی محبت نے میرے دل میں جوش مارا۔ فوراً غیب سے ندا آئی کہ " دعویٰ تو ہماری دوستی کا کرتے ہو اور پھر غیر کو بھی دوست رکھتے ہو اور اس کے ساتھ مشغول ہوتے ہو"۔ جب میں نے یہ سنا تو دعا کی کہ اے خدا اگر لڑکے کی محبت مجھے تیری محبت سے روکتی ہے تو اس کی جان لے لے یا میری جان لے لے۔ پس دعا اس کے حق میں قبول ہو گئی۔ اور اگر کسی کو اس بات پر تعجب ہو تو میں کہتا ہوں کہ پیغمبر خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے فرزند کی گردن پر چھری چلائی تھی، تم ان کے واقعے پر تعجب کیوں نہیں کرتے ؟

بعد ازاں ۔ فرمایا ۔ تونسے شریف میں ایک عالم رہتا تھا۔ وہ خواب میں رسولِ خدا کی زیارت سے مشرف ہوا ۔ اس نے خواجہ تونسوی کی خدمت میں آکر اپنا خواب بیان کیا ۔ آپ نے فرمایا، کوئی تعجب کی بات نہیں۔ وہ عالم دل گرفتہ ہو گیا۔ جب دوسرے لوگ مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے تو حضرت نے اس عالم کو فرمایا کہ یہ زیارت

تمہیں خواب اور خیال کی دُنیا میں حاصل ہوئی ہے، تمہیں حضوری اور عینیت حاصل کرنی چاہیئے۔ کیوں کہ ابُو جہل کتنی مرتبہ آنحضرتؐ کی زیارت سے مشرف ہوا، لیکن ایمان نہ لایا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اولیاء اللہ کی دوستی اور ان کی محبت بھی نجات کا وسیلہ ہے۔

پھر فرمایا نفحات الانس میں لکھا ہے کہ قبر میں ہر شخص سے پوچھا جاتا ہے تیرا ربّ کون ہے؟ تیرا رسول کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اگر آدمی نیک ہو تو کہتا ہے۔ میرا رب کا نام اللہ ہے، میرے رسُول کا نام محمد مصطفٰے ہے اور میرا دین اسلام ہے اور اگر آدمی بدکار ہو تو کہتا ہے کہ میں کسی کو نہیں جانتا۔ پس اُسے دوزخ کا منظر دکھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کسی اور شخص کو بھی تم جانتے ہو؟ اگر وہ کہے کہ مَیں فلاں بزرگ کو جانتا ہوں، فلاں بزرگ کی خدمت میں، مَیں حاضر ہوا تھا اور فلاں بزرگ کو میں محبوب سمجھتا تھا۔ خُدا تعالیٰ فرشتوں کو حکمُ دیتا ہے کہ اُسے چھوڑ دو، مَیں نے اپنے دوست کے طفیل اس کے تمام گناہ معاف کر دیے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ جب مُردے سے پُوچھتے ہیں کہ تیرا ربّ، رُسول اور دین کیا ہے؟ اگر وہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا، پھر اس سے پُوچھتے ہیں کہ تیرا نام کیا ہے؟ وہ اپنا نام بتاتا ہے۔ اگر اس کا نام اولیاء اللہ میں سے کسی کا نام ہو تو خُدا فرماتا ہے کہ مَیں نے اسے اپنے دوست کے نام کی عزت کے طفیل بخش دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت ایمان کی علامت اور بخشش کا سبب ہے۔

بعد ازاں، فرمایا کہ۔ درویش کو خُدا اور رُسولؐ کے حکمُ سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اسے سعادتِ دارین حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیئے

بعد ازاں، فرمایا۔ اس زمانے میں اکثر لوگ زہد و ریاضت کے بغیر اپنے آپ کو پارسا مشہور کر دیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے خُدا اور رُسول کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ سعادتِ دارین صرف اتباعِ رُسول میں ہے، جب کہ قرآن

میں مذکور ہے۔

قل انکنتم تحبون الله فتبعونی یحببکم الله	(یا رسول اللہ) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خُدا سے محبت کرتے ہو میرے نقشِ قدم پر چلو، خُدا تمہیں اپنا دوست بنا لے گا۔

اسی اثنا میں، مہر محمد بخش نے مفاتیح الاعجاز یعنی شرح گلشنِ راز آپ کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا کہ آپ نے جو کتاب نقل کے لیے تونسہ شریف میں دے رکھی تھی چودہ روپے آٹھ آنے کی اُجرت پر تیار ہوگئی، چونکہ اوراق کے حساب سے اس کی قیمت زیادہ تھی اس لیے میں نے بھی تائید کی کہ واقعی قیمت کچھ زیادہ ہی معلوم ہوتی ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ایک بزرگ نے بھاری قیمت سے کتاب خریدی ہے ایک اور شخص نے کہا قیمت زیادہ دی گئی ہے۔ مہر موصوف نے کہا کوئی زیادہ نہیں کیا تمہیں زلیخا کا یوسفؑ کو خریدنے والا قصہ یاد نہیں؟ شعر ؎

جمادِ چند دادم جاں خریدم
بحمداللہ عجب ارزاں خریدم

ترجمہ :- میں نے چند کوڑیاں دے کر جان خرید لی ہے۔ سبحان اللہ اللہ کے فضل سے سستا سودا ہے۔

بعد ازاں، سیّد صالح شاہ سلطانپوری نے عرض کیا کہ میں صوفیائے کرام کے زمرے میں تین چیزوں کو بہت پسند کرتا ہوں، پیر کی محبت، پیر کا مذہب اور عبادت، لیکن ان میں سے کون سی چیز افضل ہے؟ فرمایا، صوفیائے کرام کے نزدیک دو چیزیں سب سے افضل ہیں ایک سلوک اور دوسری محبت الٰہی کا جذبہ اور ترقی محبت کے لیے اذکار و اشغال پر استقامت رکھنا۔ اکثر سالک اسی ذریعے سے قرب حق تک پہنچے ہیں۔

بعد ازاں، چند وڈا شاہ نے عرض کیا، دُعا فرمائیں کہ خُدا اپنی محبت عطا فرمائے اور اس ہستیٔ موہوم سے چھٹکارا ملے۔ فرمایا۔ یہ محض عطیۂ خداوندی

ہے، خُدا جسے چاہے عنایت کرتا ہے، سائل نے پھر عرض کیا کہ مَیں آپ کو محبُوب سُبحانی سمجھتا ہوں۔ مجھے اُس کا جامِ وصال پلا دیجئے۔ آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا ؎

کملے لوک مِیٹھوں ماہی دی پھدے جھوک
میں تا آپ ماہی نوں ڈھونڈنی آں

بعد ازاں، سید عرب شاہ نے عرض کیا کہ سلسلۂ قادریہ دوسرے سلسلوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ حضرتِ غوث الاعظم محبوبیت کے درجے کو پہنچے ہیں۔ فرمایا۔ اگرچہ تمام سلسلوں کے مشاغل جُدا جُدا ہیں لیکن مقصُود ایک ہی ہے اور وہ معرفتِ الٰہی ہے۔

پھر فرمایا۔ تمام اولیاء اللہ نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق مقامِ محبوبیت حاصل کیا ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

تو مگو کاندر جہاں یک بایزیدے بود وبس
ہر کہ واصل شد بجاناں بایزیدے دیگر است

ترجمہ :- یہ مت کہہ کہ قدرت کا سانچہ ایک ہی بایزید نکال کر ٹھس ہو گیا بلکہ بلاتخصیص جو بھی واصل باللہ ہو گیا، مرتبے کے لحاظ سے وہ بھی گویا بایزید ہی ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مقامِ محبوبیت کا مدار توحید پر ہے اور توحید کا مدار فنا پر ہے اور مدار فنا سوائے پیر کی امداد کے حاصل نہیں ہو سکتا، لہذا یہ تمام سلسلوں میں ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت غوث الاعظم چار دن محبوبیت کے مقام میں رہے اور خواجہ نظام الدین اولیاء سترہ دن محبوبیت کے مقام میں رہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ اے درویشو! رات کافی گذر چکی ہے، اب اپنے اپنے حجروں میں آرام کرو۔ بندہ نے عرض کیا کہ اس طرح آپ کی صحبت پھر ہمیں کب حاصل ہو گی؟

بعدازاں ، بندہ نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ قطب الدین کا دیوان کیسا ہے؟ فرمایا۔ بڑی بلند پایہ کتاب ہے اور ہر کس و ناکس کی سمجھ میں نہیں آتی ۔ خواجہ قطب الدین کے کمالات ، ان کے دیوان کے علاوہ ، حضرت گنجشکر سے بھی ظاہر ہیں ۔ جب مُرید کے اتنے کمالات ہیں تو پیر کے کمالات اس سے بھی زیادہ ہوں گے ۔

بعدازاں ، پیر غلام محمد سیال نے عرض کیا کہ حضرت گنج شکر کے تبرکات میں جو لکڑی کی روٹی رکھی ہوئی ہے ۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ گنج شکر انتہائی بھوک کی حالت میں اسے چباتے تھے ۔ کیا یہ درست ہے ؟ فرمایا ۔ لکڑی کا پیالہ آپ نے نفس کی تعلیم کے لیے رکھا ہوا تھا اور کوئی کھانے کی چیز اس میں ڈال کر کھاتے تھے اور ہر روز اس پیالے کا کنارا پتھر پر گھسا لیتے حتیٰ کہ اس کا صرف گول پیندا باقی رہ گیا ۔ جسے آپ روٹی تصور کرتے تھے ۔ اور اب وہ لوگوں کی زیارت گاہ ہے ۔

پیالے کا کنارا گھسانے کی ظاہری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ غذا کی مقدار کو روزمرہ بتدریج کم کرنے کے لیے کنارے کو ایک مقررہ اندازے کے مطابق گھسا لیتے تھے اور دوسرے دن پھر پیالہ بھر غذا کھاتے اور نفس کو تسلی دیتے کہ غذا کی مقدار اتنی ہی ہے جتنی کہ پہلے دن تھی ۔

بعدازاں ، فرمایا ۔ حضرت گنج شکر اکثر اوقات جنگل میں رہتے تھے اور آک اور اسی قسم کی ناکارہ بوٹیوں کے پتوں سے غذا تیار کرتے تھے ۔ خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں جب بہار کے موسم میں درختوں پر نئے پتے آجاتے اور آپ ان سے غذا تیار کرتے تو ہمارے لیے یہ غذا دعوتِ عید سے کم نہ ہوتی تھی ۔

بعدازاں ، جنڈوڈے شاہ نے عرض کیا کہ حدیث شریف میں آیا ہے ۔

الفقر فخری و	مجھے فقر پر فخر ہے اور فقر مجھ سے
الفقر منی	ہی شروع ہوا ہے ۔

اِس فقر سے کیا مُراد ہے ؟ فرمایا ۔ صوفیائے کرام کے نزدیک اس سے مراد

فاقہ ہے اور یہ فاقہ دل کے لیے نور ہے۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا کہ کوئی تبرک عنایت فرمائیں۔ فرمایا۔ تبرک کی دو قسمیں ہیں، صوری اور معنوی۔ صوری سے مراد چادر، قمیض، ٹوپی، جوتا وغیرہ ہے اور معنوی سے مراد وظائف اور ذکر و فکر کے طریقے ہیں۔ مرید کو تبرکاتِ معنوی پر استقامت پیدا کرنی چاہیئے۔ کیونکہ صوری تبرکات کا رکھنا مجازی درجہ ہے اور حقیقت کے مقابلے میں مجاز کی کیا حیثیت ہے؟

بعد ازاں، رسول خدا کے تبرکات کا ذکر چھڑا۔ فرمایا، آنحضرتؐ کا ایک جبہ مبارک اور تحفۂ سلام، اور اس کے مستحق کی مخصوص علامات پشت بہ پشت حضرت معین الدین چشتی اجمیری تک پہنچیں اور ساتھ یہ تلقین بھی تھی کہ جس شخص میں یہ علامات موجود ہوں، اسے یہ جبہ اور تحفہ سلام دینا اور اس سے اپنے سلسلے کے حق میں دعا کرانا۔ خواجہ اجمیری کے انتقال تک وہ علامتیں کسی میں نظر نہ آئیں۔ انہوں نے یہ امانت خواجہ قطب الدین کے سپرد کی اور وصیت کی کہ مستحق کو دینا اور اِس سے دعا کرانا۔ خواجہ قطب الدین سے وہ امانت حضرت گنج شکر اور پھر خواجہ نظام الدین اولیاء کو پہنچی۔ جب آپ نے خواجہ نصیر الدین کو بیعت کیا تو ان میں وہ علامات موجود پائیں۔ پھر آپ موقع کی تلاش میں رہے کہ وہ امانت خواجہ نصیر الدین کے سپرد کی جائے۔ ایک مرتبہ عید کے دن تمام لوگ کپڑے دھونے اور نہانے کے لیے شمسی حوض پر جمع تھے۔ اتفاقاً خواجہ نظام الدین اولیاء بھی وہاں جانکلے حوض کے کنارے خواجہ نصیر الدین اپنا پاؤں پانی میں لٹکاتے مراقبے میں محو تھے خواجہ نظام الدین دوسرے کنارے سے غوطہ لگا کر زیرِ آب چلتے آئے اور خواجہ نصیر الدین کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ انہوں نے فوراً پاؤں باہر نکال لیا اور جب اپنے شیخ کو دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کہتے تھے تعجب ہے کہ آپ نے میرے پاؤں پر بوسہ دیا۔ خواجہ نظام الدین نے فرمایا، اس میں کچھ تعجب نہیں۔ میں نے مشائخ کبار کی متواتر وصیت کے مطابق بوسہ دیا ہے۔ پھر آپ

نے خواجہ نصیر الدین کو رسول خدا کا جبہ اور سلام پہنچا کر اہل سلسلہ کے حق میں دعا کی فرمائش کی۔ انہوں نے جبہ مبارک پہن کر دو نفل شکرانے کے پڑھے اور خدا کے حضور مناجات کی کہ تمام اہل سلسلہ کو جہالت اور مصنوعی فقر سے محفوظ رکھ اور ہر ایک کا خاتمہ بالایمان ہو۔ آمین۔

بعد ازاں فرمایا۔ پہلی اور دوسری دعا کی قبولیت تو واضح ہے کیونکہ چشتی نظامی خلفا ان دونوں دعاؤں سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور یہ بھی یقین ہے ان کا خاتمہ بالایمان ہو گا (انشاء اللہ)

عِشق

پیر کے روز قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ مولوی نور احمد چینوٹیؒ، مولوی نور اللہ پلینوی، سید الٰہی بخش لانگری اور دوسرے یاران طریقت حاضر تھے۔ عشق کا موضوع چھڑا۔ فرمایا، ایک مرتبہ پاک پتن میں مجھے حضرت محمد علی شاہ صاحب خیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے پوچھا تمھارا وطن کہاں ہے؟ میں نے کہا جھنگ میں قصبہ ساہیوال کے قریب موضع سیالؒ میں میری سکونت ہے۔ انہوں نے پوچھا، اگر ہیر رانجھے کے متعلق کچھ جانتے ہو تو بیان کرو۔ میں نے کہا کہ میں بچپن میں تحصیل علم کی خاطر دھن کھیپ میں چلا گیا اور مجھے وطن میں رہنے کا کم اتفاق ہوا۔ لیکن میں نے ایک بوڑھے آدمی سے ہیر رانجھے کا قصہ پوچھا۔ اس نے کہا ایک سفید ریش بوڑھا اپنے باپ کا واقعہ بیان کرتا تھا کہ وہ کہتا تھا کہ میں اور میری ماں افلاس کے ہاتھوں تنگ آ کر ہیر کے باپ چوچک سیال کے پاس چلے گئے، اور چوچک کا کام کاج کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔ ایک دن ہیر کی ماں نے خشک روٹی اور کھٹی لسی مجھے دی اور کہا کہ رانجھا نامی ایک آدمی جو چراگاہ میں ہمارے مویشی چراتا ہے اور فلاں جگہ رہتا ہے۔ اسے دے آؤ۔ جب میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی لاٹھی پر ماتھا ٹیک کر خون کے آنسو رو رہا ہے۔ سامنے گائے کے پاؤں کا ایک گہرا نشان تھا، جو خون سے بھر گیا تھا۔ میں نے روٹی اور لسی اس کے سامنے کی تو اس نے کہا لسی تم پی لو اور روٹی فلاں درخت کے نیچے رکھ دو۔ جب میں واپس آیا تو ہیر کی ماں کو میں نے تمام ماجرا

کہہ سنایا ۔ وہ اس وقت چرخہ کات رہی تھی ۔ اس نے غصے میں چرخے سے نکلا تکلا نکالنا اور ہرنا بچے میں گھونپ دیا ۔ لیکن خون وغیرہ کچھ برآمد نہ ہوا ۔ تب اس نے کہا اس سوختہ بخت کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ اس کے بدن میں لہو کی بوند تک نہیں رہی اور وہ ہٹا کٹا دُودھ پیتا ہے ۔ اسی لیے خون روتا ہے ۔

بعد ازاں، فرمایا ۔ حضرت محمد علی شاہ صاحب نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس کی مسجد کے قریب ایک تالاب تھا جس میں اکثر ہندو غسل کرتے تھے ۔ اتفاقاً شیخ موصوف کا ایک درویش وہاں جا نکلا اور ایک ساہوکار کی لڑکی دیکھ کر اس پر عاشق ہوگیا ۔ اس کے بعد وہ اکثر اوقات وہاں آتا جاتا رہتا تھا ایک دن وہ درویش تالاب پر گیا تو ایک دُھوبی نے، جو اس راز سے واقف تھا اسے کہا کہ تیری معشوقہ اس تالاب میں غرق ہوگئی ہے ۔ یہ سنتے ہی درویش نے تالاب میں چھلانگ لگائی اور ڈوب کر مر گیا ۔ پھر وہ لڑکی آئی تو دھوبی نے اُسے درویش کا سانحہ بتایا ۔ لڑکی نے پوچھا وہ کہاں غرق ہوا ہے ؟ دھوبی نے نشان دہی کی ۔ لڑکی نے بھی وہیں چھلانگ لگائی اور غرق ہوگئی ۔ ساہوکار کو اس امر کا علم ہوا تو وہ چند غواصوں کو وہاں لے گیا ۔ جب نعش نکالی گئی تو دونوں کی پیٹھ آپس میں جڑی ہوئی تھی ۔ انہیں جُدا کرنے کی بے حد کوشش کی گئی ۔ لیکن وہ جُدا نہ ہو سکے ۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم دونوں کو دفن کریں گے ۔ ہندوؤں نے کہا ہم انہیں جلائیں گے یا تلوار سے الگ الگ کر کے اپنے مذہب کی رسوم ادا کریں گے ۔ جب شیخ عبدالقدوس نے یہ واقعہ سُنا تو موقع پر گئے اور اپنے درویش سے کہا اے درویش تو مجازی عشق میں تو کمال کو پہنچ گیا ہے لیکن مجاز آخری منزل نہیں اس سے گزر کر آگے بڑھنا چاہیئے ۔ یہ سُنتے ہی نعشیں جُدا جُدا ہوگئیں ۔ پھر درویش کو حجرے میں دفن کیا گیا ۔ کچھ مدت کے بعد شیخ عبدالقدوس تہجد کی نماز کے لیے مسجد میں آتے تو کوئی درویش حاضر نہیں تھا جو لوٹا پانی کا بھر لاتا ۔ آپ اسی فکر میں کھڑے تھے کہ وہی درویش قبر سے نکلا اور پانی کا لوٹا ہاتھ میں لیتے ہوئے حاضر ہوگیا ۔

شیخ نے پوچھا یہ پانی تم کہاں سے لاتے ہو؟ اس نے عرض کیا اگر آپ میرے ساتھ تشریف لائیں تو میں آپ کو اپنے مقام کی سیر کراتا ہوں۔ شیخ اس کے ساتھ چلے گئے اور دیکھا کہ حجرے میں درویش کی قبر میں ایک تخت مرصع پر دہی ساہو کار کی لڑکی قرآن پڑھ رہی ہے۔ شیخ صاحب نے پوچھا تمھیں یہ منصب عالی کیسے ملا؟ اس نے عرض کیا محض آپ کی برکت سے۔

بعد ازاں، سید امیر شاہ چھاچھی نے دیوانِ معین آپ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ یہ دیوان میں نے خاص حضرت خواجہ معین الدین کے کتب خانے سے حاصل کیا ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے کمال رغبت سے دیوان کا مطالعہ کیا اور چند غزلیں پڑھیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت خواجہ تونسوی فرماتے تھے کہ اے سالک عشق کا طریقہ سیکھ اور خدا کی محبت حاصل کر۔ کیونکہ تمام نیکیوں کی اصل محبت الٰہی ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ روزے کا مقصد نفس کی مخالفت ہے، لہٰذا خواجہ صاحب نے قسم قسم کی خلافِ نفس باتیں اختیار رکھی تھی، ریاضت اور چلہ کشی میں بعض اوقات عشق کی بجائے ریا اور غرور کی بھی آمیزش ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا۔ عشق میں انتہائی استغراق کی وجہ سے خواجہ تونسوی اپنے درویشوں انکو عشق کی تلقین فرماتے تھے۔

بعد ازاں، بندہ نے اس شعر کے معنی دریافت کیے۔

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست
کہ آں بہر حقیقت کارسازیست

آپ نے فرمایا۔ عشقِ مجازی سے مُراد احکامِ شرعی اور پیر طریقت کی متابعت ہے۔ جب مُریدِ صادق ان دونوں چیزوں پر استقامت حاصل کر لیتا ہے تو وہ یقیناً عشقِ حقیقی کا مرتبہ پالیتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ کھڈ کی چند عورتیں خواجہ تونسوی کی زیارت کے اشتیاق

میں اپنے شوہروں سے اجازت لئے بغیر تونسہ شریف جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئیں۔ چنانچہ عورتوں کی کشتی مردوں کی کشتی سے پہلے کنارے پر جا لگی ان عورتوں نے خواجہ تونسوی کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم اپنے شوہروں کی جھڑکیوں اور بلا وجہ کی ڈانٹ ڈپٹ سے تنگ آکر آپ کی مہربانی کے سائے میں پناہ ڈھونڈتی ہیں۔

پھر فرمایا۔ اس قسم کی تکلیفیں اٹھانے کے باوجود بھی حضرت تونسوی کی صحبت کی سعادت عشق کے وسیلے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

ضمناً فرمایا۔ موضع بل پھیک ماری کے چند مرد اور عورتیں زیارت حرمین شریفین کی غرض سے میرے غریب خانے میں آئے اور انہوں نے حرمین کی زیارت کا شوق ظاہر کیا۔ ہم نے انہیں خوراک کے طور پر سولہ ٹوپے آٹا دیا اور سمجھ لیا کہ ان کے مصائب برداشت کرنے کی وجہ محض عشق ہے۔ عشق جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے۔

ضمناً مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ آج سیال شریف کے تمام ارادت مندوں کی یہ حالت ہے کہ ان پر عشق کے غلبے کی وجہ سے وجد کی کیفیت چھائی رہتی ہے۔ چنانچہ اسی وقت مولوی فتح محمد سکنہ سلیانہ محبت کے جذبے سے اُٹھ کر وجد کرنے لگا اور عشق کی مستی میں گریہ وزاری کرنے لگا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ عشق بمنزلہ جنون کے ہے اور جنون کی کئی قسمیں ہیں۔ اس لیے صوفیاؒ کے وجد کے مختلف اسباب ہیں۔

پھر آپ نے یہ قول پڑھا۔ العشق جنون والجنون فنون پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

کسی کا دردِ دل پیارے تمہارا ناز کیا سمجھے
جو گزرے صید کے اوپر اسے شہباز کیا سمجھے

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن حضرت خواجہ تونسوی دریائے سندھ کے کنارے پر پہنچے۔ کشتی موجود نہ تھی۔ آپ نے فرمایا، "دوستو ہوشیار ہو جاؤ" اور اپنے عشق کو

عورتوں کے عشق سے کمتر خیال نہ کرو۔ پھر آپ نے ہیر رانجھے کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہمارا عشق رانجھے کے عشق سے کمتر نہیں۔ اس کے بعد آپ نے کمر باندھ کر دریا میں چھلانگ لگا دی۔ اگرچہ پانی بہت ہی گہرا تھا۔ لیکن حضرت کی کرامت سے تمام درویشوں میں سے کسی کو بھی گھٹنوں اور کمر سے اوپر نہ پہنچا، اور تمام لوگ خیریت سے دریا پار کر گئے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ یوسف بن حسین حرمین شریفین کو روانہ ہوا۔ اور منزل بہ منزل چلتے ہوتے مکہ شریف پہنچ گیا۔ ایک دن وہ بازار میں گیا کہ اچانک امیر کی لڑکی کی نظر اس پر پڑی اور وہ عشق کی وجہ سے بیخود ہو گئی۔ پھر ایک دن یوسف بن حسین مراقبے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس لڑکی نے محبت کے غلبے کی وجہ سے اپنے آپ کو اس کے پہلو میں ڈال دیا۔ یوسف نے چونک کر لڑکی کو پرے دھکیل دیا اور خود ویرانے میں چلا گیا۔ اور رو رو کر خدا سے فریاد کی کہ میں یہاں کس لیے آیا تھا اور کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ روتے روتے اسے نیند آ گئی۔ خواب میں اس نے دیکھا کہ ایک خیمہ لگا ہوا ہے اور ایک خوبصورت بزرگ تخت پر بیٹھا ہوا ہے جس کے ارد گرد لشکریوں نے خیمے لگا رکھے ہیں۔ یوسف بن حسین نے پوچھا کہ یہ تخت پر بیٹھنے والے کون صاحب ہیں؟ اسے بتایا گیا کہ وہ یوسف علیہ السلام ہیں اور یہ ارد گرد کے خیمے ان کے لشکریوں کے ہیں۔ اس نے کہا اگر مجھے اجازت ہو تو میں بھی زیارت کر لوں۔ اجازت ملی تو وہ اندر گیا۔ اور زمین پر بوسہ دے کر اس نے حضرت یوسفؑ سے ان کی تشریف آوری کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا خدا نے مجھے فرمایا کہ اے یوسفؑ تم پر ایک امیر کی لڑکی عاشق تھی اگر ہم تمہیں محفوظ نہ رکھتے تو تم مصیبت میں گرفتار ہو جاتے۔ اب دیکھو کہ میرا دوست یوسف بن حسین بھی اسی معاملے میں گرفتار ہے۔ لیکن جب اسے لڑکی کا علم ہوا تو اس نے فوراً اسے دور دھکیل دیا۔ لہذا میں تمہاری زیارت کے لیے آیا ہوں۔ یوسف بن حسین نے عرض کیا کہ آپ فقیر کو کچھ تلقین فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ذوالنون مصری کے پاس جاؤ۔ حسب الارشاد وہ ذوالنون مصری کے پاس گیا۔

انہوں نے پوچھا تم کہاں سے آتے ہو؟ اس نے کہا میں شہر رے سے آیا ہوں۔ بس ذوالنون مصری نے اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھا اور سال بھر گزر گیا۔ اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ سال کے بعد ذوالنون مصری نے اس سے نام پوچھا۔ اس نے کہا یوسف بن حسین پھر ایک سال خاموشی میں گزارنے کے بعد پوچھا تمہارا مطلب کیا ہے۔ مجھے اسم اعظم بتادیں۔ آپ نے اسے ایک برتن ڈھانپ کر دیا اور کہا کہ دریا کے کنارے پر ایک بزرگ بیٹھا ہے۔ اسے یہ امانت پہنچا دو۔ یوسف بن حسین نے برتن لے لیا اور چلا گیا۔ راستے میں اس نے برتن کے اندر سے آواز سنی، وہ حیران ہوا کہ اس میں کیا چیز ہے؟ اس نے برتن کا منہ کھولا تو اس میں سے چوہا اچھل کر باہر کود پڑا۔ پھر یوسف حیران رہ گیا کہ اب میں کیا کروں اور حضرت کو کیا جواب دوں گا۔ آخر وہ متفکر ہو کر اس بزرگ کی طرف گیا اور کیفیت بیان کی۔ اس نے کہا کچھ غم نہ کرو وہ تیری آزمائش تھی۔ پس وہ ان سے رخصت ہو کر ذوالنون مصری کی خدمت میں آیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا جب تم میں ایک حقیر اور بے طاقت حیوان کو قابو رکھنے کی اہلیت نہیں تو تم اسم اعظم کو کیسے محفوظ رکھ سکو گے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مشائخ متقدمین اس طرح کے بھی ہوتے ہیں کہ تین تین سال کے بعد طالبین سے مدعا پوچھا کرتے تھے۔

بعد ازاں فرمایا۔ ایک دن بہت سے لوگ ذوالنون مصری کی خدمت میں آئے اور انہوں نے بارش کے دعا کی التجا کی۔ ذوالنون مصری نے صبح سویرے مدین کی طرف سفر کیا۔ خدا نے بارش عطا کی۔ کچھ مدت کے بعد ذوالنون واپس آئے تو لوگوں نے اس سفر کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا لوگوں کے برے اعمال کی شامت سے قحط پڑتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب سے بدکردار میں ہی ہوں، اس لیے میں یہاں سے چلا گیا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت خواجہ تونسوی حضرت قبلہ عالم کے عرس پر مہار شریف جا رہے تھے۔ جب آپ پنجند کے مقام پر پہنچے تو ملاحوں نے کہا اگر آپ ہمیں

روپے کرایہ دیں تو کشتی لے چلتے ہیں - آپ نے فرمایا اگر تم سو روپے بھی مانگتے تو مَیں دے دیتا - درویشوں کے ساتھ آپ کشتی میں بیٹھ گئے اور کشتی چل پڑی - دریا کے درمیان میں پہنچ کر کشتی ہوا کے زور سے بے قابو ہو گئی - اور پانی کشتی کے اندر چلا آیا - تمام لوگ زندگی سے مایوس ہو گئے - نواب صاحب نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ تمام سواریاں غرقاب کے خوف سے جان بلب ہیں - دُعا فرمائیں کہ کشتی خیریت سے کنارے جا لگے - فرمایا میں بچپن میں بہت مفلس تھا - چنانچہ پہننے کے لیے میرے پاس ایک موٹے اونی خرقے کے علاوہ کچھ نہ تھا - اب خُدا کے فضل سے مجھے ہر قسم کے اسباب سہولت حاصل ہیں - جب اس کریم ذات نے اس قدر عظیم نوازشات کی ہیں تو اس وقت اگر وہ غرقاب کا خطرہ ٹال دے تو کون سی بڑی بات ہے، وگرنہ ہم اس کے عاشق ہی نہیں ہیں، جو چاہے کرے - پھر فرمایا پانی کو کشتی سے نکالو اور خود بھی دستِ مبارک سے پانی نکالنے لگے - حتیٰ کہ کشتی خیریت سے کنارے جا لگی -

بعد ازاں، فرمایا - محمد اکرم نامی ایک بزرگ تھا - اس نے اپنے نفس پر مجاہدے کا بوجھ ڈالا ہوا تھا - چنانچہ ہر نماز کے وقت وضو کی بجائے غسل کرتا تھا - اور اسی وجہ سے سردیوں کے موسم میں اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے تھے - ایک دن وہ غسل کر کے آ رہا تھا اور سردی اور ضعیفی کے غلبے کی وجہ سے زمین پر گر پڑا - ایک عورت نے ہنس کر کہا یہ عجیب عشق ہے کہ سردی اور ضعیفی کی شدت کے باوجود بھی نہانے سے باز نہیں آتے - محمد اکرم نے کہا اے نادان عورت میری حالت پر تمہیں کیوں تعجب ہے - ؟ اگر تمہیں اپنا خاوند چھوڑ دے تو کیا تم خوش رہو گی ؟ اور اگر ہمارا حقیقی خداوند ہمیں چھوڑ دے تو اس میں کیا تعجب ہے -

بعد ازاں، فرمایا - عشق بہترین دافع خطرات اور قاضی الحاجات ہے - یعنی جب عاشق پر معشوق کی محبت غالب آ جاتی ہے تو اسے جو حاجت اور مصیبت بھی پیش آئے وہ تنگ نہیں ہوتا - بلکہ اسے دوست کی یادگار سمجھتا ہے -

بعد ازاں، فرمایا۔ جب صوفی کے وجود پر عشق غلبہ کر لیتا ہے تو اس کے سلوک کی تمام منزلیں طے ہو جاتی ہیں اور اسے کسی چیز سے لگاؤ نہیں رہتا بلکہ مشیخت کا خیال تک بھی اس کے دل سے چلا جاتا ہے۔ مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ جب سالک عشق کی منزل میں قدم رکھتا ہے تو وہ مذہب کی اتباع کس طرح کر سکتا ہے؟ فرمایا۔ عشق ایک آگ ہے جو محبوب کے علاوہ ہر چیز کو کھا جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے صاحبِ عشق پر محبوب کی طرف خود بخود راستہ ہموار ہوتا چلا جاتا ہے۔

پھر فرمایا۔ مذہب میں راہِ تقلید ہی راہ راست ہے۔ لیکن عاشق اپنے معشوق کی تجلیات کو اپنا لیتا ہے اور عشق کے غلبے کی وجہ سے شریعت کی تنگ اور محدود راہ کو وسیع کرتے ہوئے نکل جاتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ عشق اور کستوری کو جس قدر چھپایا جائے آخر کار وہ خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اور حسن بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ اسے جتنا پردوں میں چھپایا جائے پھر بھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔

بعد ازاں، مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ جب وجود واحد ہے تو شرعی امور کس طرح ملحوظ رکھے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ شریعت کی بنیاد دوئی کے اثبات پر ہے؟ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ ہاں، اگرچہ حق یہی ہے کہ سوائے اس ذات واجب الوجود کے اور کچھ بھی نہیں لیکن فضلاً اور عرفاتے کامل عشق کے بھید کو شریعت کے پردے میں چھپا کر رکھتے ہیں۔

پھر، یہ شعر پڑھا ؎

از خیالِ لطفِ مے مشاطۂ چالاک طبع
در ضمیرِ برگِ گل خوش می کند پنہاں گلاب

فرمایا۔ لُطف، شراب کی صفت ہے، مَے سے مراد عرفانِ الٰہی ہے۔ مشاطہ سے مُراد عارف اور چالاک طبع اسکی صفت ہے، برگِ گل سے مراد احکامِ شریعت، گلاب یعنی خوشبو سے مُراد عشقِ حقیقی ہے۔ یعنی جس طرح پھُول کی پتیوں میں مہک

پوشیدہ ہے۔ اسی طرح عارفِ کامل عشق کو شریعت کے پردے میں پوشیدہ رکھتا ہے، یعنی اپنے ظاہر کو شریعت سے آراستہ کرتا ہے۔ اور باطن کو حقیقت سے مزین کرتا ہے تاکہ وہ کامل و مکمل بن جائے۔

بعد ازاں، فرمایا مخدوم علی احمد صابر کے جوشِ عشق کا ذکر چھڑا۔ فرمایا آپ نے اکثر عمر جنگلوں میں گزار دی اور لذیذ اور عمدہ کھانے ترک کر رکھے تھے۔ آپ کا ایک خادم باتھو کے پتے ایک بالٹی میں ڈال کر اسے تین ڈھیلوں پر چڑھا کر اس کے نیچے لکڑیاں جوڑ دیتا تھا اور آپ کے کان کے قریب اونچی آواز سے حق حق کہتا اور عرض کرتا کہ کھانا تیار ہے۔ جب آپ کی نظر ان لکڑیوں پر پڑتی تو اُن کو آگ لگ جاتی۔ جب وہ باتھوں معمولی ساپک جاتا تو افطار کے وقت آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ آپ نہ کھاتے تھے اور خادم بیحد منت سماجت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ حضرتِ رسول خُدا اور اولیائے کرام اور فرید الدین گنج شکر نے بھی غذا کھائی ہے اس لیے اگر آپ تھوڑا سا کھالیں تو سنت پوری ہو جائیگی۔ درویشوں کی زاری اور منت سماجت کے بموجب آپ دو تین لقمے لے لیتے اور بقیہ تمام درویشوں کے حوالے کر دیتے تھے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت صابر جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد میں گئے اور صفِ اوّل پر بیٹھ گئے۔ اس مسجد نو سو پالکی نشین امرا۔ آتے تھے۔ جب وہ امرا۔ آتے خواجہ صاحب کو بتدریج پیچھے سرکا دیتے، حتیٰ کہ وہ بالکل ہی مسجد کے احاطے سے نکال دیے گئے اور باہر کہیں ایک جگہ ان کے حصے میں آئی۔ اس سے حضرت صابر برافروختہ ہوتے۔ جب لوگ سجدے میں گئے تو آپ نے مسجد کو حکم دیا کہ تو بھی سجدہ کر۔ مسجد فوراً بیٹھ گئی اور تمام لوگ ہلاک ہو گئے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت صابر کا مزار شریف کلیر میں ہے۔ وہاں بندر کثرت سے رہتے ہیں۔ لوگ ان بندروں کے لیے کھانا اور نقدی لاتے ہیں۔ کھانا تو وہ کھالیتے ہیں اور نقدی ایک گڑھے میں پھینک دیتے ہیں۔ مجاور کچھ مدت کے

بعد اس گڑھے سے تمام نقدی سمیٹ لیتے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سبحان اللہ حضرت صابر کا جلال اس درجے کا ہے اور حضرت گنجشکر کا جمال اس پائے کا ہے کہ پانچ سو سال سے زائد عرصہ ہو چلا ہے کہ لوگ عرس کے موقعہ پر آپ کے مزار شریف کو لتاڑتے چلے آتے ہیں لیکن آپ نے کسی کو دُکھ نہیں پہنچایا۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے لقب زری زر بخش کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ فرمایا ایک دن ایک آدمی ایک طشت دیناروں سے بھر کر آپ کی خدمت میں لایا۔ اس وقت ایک رند بھی آپ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ اس نے کہا الھدیۃ مشترک خواجہ صاحب نے طشت اسی کی طرف کر دیا اور فرمایا تم اکیلے ہی لے لو۔ چنانچہ رند وہ تمام رقم لے کر چلا گیا۔ لہٰذا اس وجہ سے آپ کا نام زری زر بخش پڑ گیا۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کے دروازے پر جو شخص بھی آتا خالی نہ جاتا۔

بعد ازاں، خواجہ نظام الدین اولیاء کے لنگر کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ چار ہزار عالم اور پانچ سو قوال آپ کے لنگر میں مقیم تھے اور ان قوالوں کے افسر خواجہ امیر خسرو تھے۔ اس کے علاوہ وہاں رہنے والے اور لوگوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ چنانچہ نمک، مرچ، زیرہ وغیرہ کی قسم کے مصالحے گیارہ اونٹوں کے بوجھ کے برابر لنگر میں روزمرہ خرچ ہوتے تھے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک دن شہنشاہ دہلی کے اہلکاروں نے اسے رپورٹ کی کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے درویش بازار میں آکر تمام اجناس خرید لیتے ہیں اور دوسرے شہریوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑتے۔ بادشاہ نے فرمان جاری کیا کہ شہر میں منادی کرا دو کہ کل سے درویشوں کو کوئی سودا سلف نہ دے۔ جب خواجہ صاحب نے یہ خبر سنی تو درویشوں کو فرمایا کہ فلاں جانب ایک شہر ہے اس کا نام نظام آباد ہے۔ وہاں جا کر اپنی مرضی کے مطابق ہر چیز لے لیا کرو۔

درویشوں نے عرض کیا کہ اس طرف تو کوئی شہر واقع نہیں ہے، بلکہ ویرانہ ہے فرمایا، تم چلے جانا۔ حسب فرمان درویش چلے گئے اور وہاں ایک عظیم شہر آباد پایا درویش کچھ مدت تک اسی شہر سے ضرورت کا سامان لاتے رہے۔ جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو بہت شرمسار ہوا اور اس نے کہا کہ یہ خدائی لنگر ہے۔ اسے کوئی بھی بند نہیں کر سکتا۔

بعد ازاں، مولوی غلام محمد تونسوی نے عرض کیا کہ خواجہ نظام الدین اولیاؒ حج کو گئے تھے یا خیر؟ فرمایا۔ خشکی کے راستے گئے تھے اور جب شہر گنجہ میں مولوی نظام الدین کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے گئے تو آپ کے رفیق سفر امیر خسرو نے تربت کی طرف دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

دبدبۂ خسرویم شد بلند
زلزلہ در گور نظامی فگند

اس وقت قبر سے ایک ننگی تلوار برآمد ہوئی۔ امیر خسرو نے فوراً خواجہ صاحب کے دامن میں پناہ لی۔ پھر قبر سے آواز آئی ؎

وصفِ خودت میکنی اے خود پسند
دبدبۂ دزد نگر دو بلند
دو ہندو برآید ز ہندوستان
یکے دزد باشد دگر پاسباں

اس شعر میں نظامیؒ نے ان حضرات کے آنے کا اشارہ کیا تھا۔ دزد کا اشارہ امیر خسرو اور پاسباں کا اشارہ خواجہ نظام الدین کی طرف تھا۔

بعد ازاں، غلام حسین قوال نے امیر خسرو کی ایک غزل پڑھی۔

بعد ازاں، کسی نے عرض کیا کہ توجہ فرمائیں کہ مجھے محبتِ الٰہی حاصل ہو۔ فرمایا۔ منزل عشق بہت بلند ہے اور یہ اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہوتی سالک کو چاہیے کہ عبادت و ریاضت میں اس قدر انہماک پیدا کرلے کہ یادِ حق کے سوا

اس کے دل میں کوئی خیال نہ رہے۔ یا وحق میں وہ جتنا اضافہ کرتا رہے گا۔ اس کی محبت اتنی ہی بڑھتی جائے گی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ جب تک عاشق اپنی جان معشوق پر قربان نہ کرے اس کا عشق کمال کو نہیں پہنچتا۔

بعد ازاں، بخشہ اور اس کے اشعار کا ذکر چھڑا۔ بندہ نے عرض کیا، خدا بخش شاعر کہاں رہتا تھا۔ فرمایا۔ وہ جموں کا رہنے والا تھا۔ وہاں سے ہجرت کرکے حافظ محمد جمال ملتانی کے پاس رہنے لگا۔ اس کی شکل اتنی خوشگوار نہ تھی۔ کیونکہ ایک دن حافظ صاحب نے تبسم کرکے اسے فرمایا کہ میں نے تو سنا تھا کہ جموں میں اکثر لوگ خوب صورت ہوتے ہیں، شاید وہ آپ کی طرح ہوتے ہوں گے اس نے کہا نہیں وہ لوگ آپ کی طرح کے ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا۔ اس نے کتنا اچھا جواب دیا۔ یعنی جس طرح حافظ صاحب کا حسن روشن اور تابناک ہے اسی طرح کشمیریوں کا حسن بھی نکھرا ہوتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ہندی شاعری میں وہ صاحب کمال تھا۔ اس کے اکثر اشعار ذو معنی اور تہ دار ہوتے تھے۔ ان میں گہرا غور کرنے سے ذہن معانی قریب سے معانی بعید کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ پھر یہ مصرعہ پڑھا ع

کریں جوگن بندی والیاں نوں بخشہ اپنے سردیاں والیاں نوں

یعنی میں دوسرے معشوقوں کو اپنے معشوق پر قربان کرتا ہوں

بعد ازاں، فرمایا۔ اس کے اشعار میں مناسبت بھی خوب ہے۔ مثلاً یہ مصرعہ ع

تیرا حسن سمندر دیکھ ماہی چاہے کیوں نہ سب سنسار تینوں

پھر فرمایا، اچھی مناسبت ہے، جہاں سمندر ہو وہاں مچھلی اور مگرمچھ بھی ہوتا ہے اس سے معنی بعید بھی کچھ سمجھ آجاتے ہیں حسن سے مراد تجلیات ذاتی، مچھلی سے مراد عین ذات، اور مگرمچھ سے مراد مخلوقات پھر کس طرح اس کے جمال سے سیر ہو گی۔ پھر یہ مصرعہ پڑھا ع

دیکھ زلف اُتے رخسار میاں پہلے کفر اتے اسلام دو ہیں

پھر فرمایا - زلف سے مراد تجلیات جلالی ، رخسار سے مراد تجلیاتِ جمالی - زلف کو کفر اور رخسار کو اسلام سے مناسبت ہے یعنی محبوبِ حقیقی کی زلف و رخسار دیکھتے ہی کفر و اسلام کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور ہر جگہ اسی کا جلوہ نظر آتا ہے -

بعد ازاں ، یہ مصرعہ پڑھا ع

مونہہ تھوں پڑدا لاہ دسے تاہی جگوچ کالی رات ایہے

یعنی رسول خدا آپ اپنے چہرے مبارک سے بشری پردہ اٹھائیں تاکہ غیریت کی تاریکی دنیا سے رخصت ہو اور ہر جگہ آپ کا نور چمکتا نظر آئے -

بعد ازاں جامی کا یہ شعر پڑھا ؎

بروں آور سر از بردِ یمانی

کہ روئے تست صبحِ زندگانی

یعنی آپ اپنے چہرے مبارک کو کفن سے نکالیں کیونکہ آپ کا چہرۂ انور تمام مخلوق کی زندگی ہے -

بعد ازاں ، فرمایا - عرفاء ہر بات سے اپنی فکر کے مطابق معنی کا ادراک کرتے ہیں - ایک دفعہ تونسہ شریف میں حضرت صاحب کے مکان کے قریب ہی چند خانہ بدوش عورتیں گا رہی تھیں اور کچھ اس قسم کے الفاظ کہتی تھیں " گوری نوں دنگاں چڑھاوے یار " ایک عالم نے کہا ان عورتوں کو یا وہ گوئی سے شرم بھی نہیں آتی - خواجہ شمس العارفین نے فرمایا - میں اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا میں نے کہا یہ بیہودہ نہیں بلکہ ایک قسم کا درود ہے - اس نے کہا ، ہیں ، وہ کس طرح ؟ میں نے کہا گوری سے مراد رسول خدا - دنگاں سے مراد رحمتِ خدا - یار سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ - یعنی اے خدا اپنے رسول پر درود بھیج - عالم نے متعجب ہو کر کہا یہ عجیب مفہوم ہے جو تم نے سمجھا ہے -

بعد ازاں، علی حیدر کے اشعار کا ذکر چھڑا - فرمایا - اس کے اشعار پُر معنی ہوتے ہیں اور ہر کوئی اپنی استعداد کے مطابق ان سے مطلب پاتا ہے -

بعد ازاں، فرمایا - مولانا محمد علی مکھڈی نے بھی عجیب و غریب غزلیں لکھی ہیں پھر آپ نے ان کی وہ غزل سنائی جو حضرت تونسوی کی خدمت میں بھیجی گئی تھی -

بعد ازاں، فرمایا - ایک مرتبہ مولوی صاحب نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم بھی اس غزل پر غزل لکھو - مَیں نے اگرچہ کبھی شعر نہیں لکھے تھے - لیکن حسبِ حکم طبع آزمائی کی اور یہ غزل لکھی ؎

مقیم کوئے آں شاہم کہ اعلیٰ آستاں دارد — ملوکش جملہ مفتون و ملایک پاسباں دارد

مثالِ عشقِ بابا آں شہِ خوبانِ عبرانی — چو آں زالے کہ در دستے تنیدہ ریسماں دارد

چہ طاقت بندۂ عاجز راکہ با مولیٰ سخن راند — دلی از لطفِ کرم او نظر بر فیضِ آں دارد

پھر فرمایا - اس غزل کے باقی اشعار مجھے یاد نہیں -

بعد ازاں، شیخ شبلی کے عشق کا ذکر چھڑا - فرمایا - شروع شروع میں وہ کھانڈ کا ایک تھیلا اپنے ساتھ رکھتے تھے اور جس سے اللہ کا لفظ سنتے اس کے منہ میں مٹھی بھر کھانڈ ڈال دیتے، پھر ان کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ جس سے اللہ کا نام سنتے اسے ایک تھپیڑ رسید کرتے تھے -

بعد ازاں، فرمایا - کھانڈ کھلانے کا یہ مقصد تھا کہ غلبۂ محبت میں عاشق جس سے بھی اپنے محبوب کا نام سنتا ہے، خوش ہو جاتا ہے اور اسے عزیز رکھتا ہے - تھپیڑ مارنے کی وجہ تھی کہ جب عاشق غیرت کے مقام میں ہوتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے معشوق کا نام اس کے سوا اور کوئی شخص نہ لے - اور اس حالت میں جو شخص معشوق کا نام لیتا ہے - عاشق اسے مکروہ سمجھتا ہے -

ضمناً، مولوی معظم دین صاحب مرد لوہی نے حسبِ موقع شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی ایک غزل پڑھی -

بعد ازاں، خواجہ حافظ شیرازی کی اصطلاحات اور علامات اور رموز و

کنایات کا ذکر چھڑا ۔ فرمایا ۔ اس راز دان غیب کی باتیں ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتیں، پھر یہ شعر پڑھا ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

پھر فرمایا ۔ صوفیا کی اصطلاح میں کفر سے مراد پختہ اعتقاد ہے جو تشکیک سے ہرگز زائل نہیں ہوتا ۔ آتش سے مراد مصائب دنیا، بولہب سے مراد عاشق صادق ہے ۔ یعنی منزلِ عشق میں کامل اعتقاد ضروری ہے ۔ ورنہ منزلِ مقصود حاصل نہیں ہو سکتی ۔

بعد ازاں، کسی شخص نے سو مرتبہ اذان کہنے کی اجازت چاہی ۔ فرمایا ۔ اس سے تمھارا مقصد کیا ہے ؟ اس نے عرض کیا میں خدا اور رسولؐ کا طالب ہوں ۔ آپ نے فرمایا ۔ اذان کہنا ایک الگ بات ہے اور راہ حق پانا ایک الگ چیز ہے ۔

بعد ازاں، موسیٰ علیہ السلام کا ذکر چھڑا ۔ فرمایا ۔ آپ پر ایک ایسا وقت بھی آیا جو کوئی آپ کے چہرے پر دیکھتا اس کی آنکھیں جل جاتیں ۔ اس حالت سے تنگ آکر انھوں نے حق تعالیٰ کو، یہ کیفیت فرد کرنے کے لیے، عرض کیا خطاب آیا کہ شعیبؑ کی گودڑی میں منہ لپیٹ کر بیٹھ جاؤ ۔ موسیٰؑ نے تعمیل کی ۔ ان کی بیوی نے عرض کیا کہ میں آپ کے دیدار سے محروم ہوں ۔ اپنے چہرے سے نقاب الٹیں ۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا مجھ پر ایک ایسی حالت طاری ہے کہ جو آدمی میرے چہرے کو دیکھتا ہے ۔ اس کی آنکھیں جل جاتی ہیں ۔ اگر تم دیکھو گی تو ممکن ہے تمھاری آنکھیں بھی جل جائیں ۔ بیوی نے عرض کیا کہ میں ایک آنکھ سے دیکھوں گی اور دوسری بند رکھوں گی ۔ چنانچہ اس نے اسی طرح کیا ۔ حضرت موسیٰ نے نقاب رُخ سے الٹی تو شدّت نور کی وجہ سے بیوی کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی ۔ لیکن اس نے پھر عرض کیا کہ ابھی چہرا نہ ڈھانپنا تاکہ میں ایک

مرتبہ پھر لذتِ دیدار حاصل کر سکوں۔ جب اس نے دوسری مرتبہ دیکھا تو دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ پھر بیوی نے کہا اگر میرے بدن پر ہر بال کی جگہ ایک آنکھ ہوتی تو آج میں بے دریغ اُنہیں قربان کرتی رہتی۔ سبحان اللہ اس قسم کے عاشقانِ صادق محبوب حقیقی کے انوار سے لطف اٹھاتے ہیں اور اپنے وجود کو اس کے سامنے جلا دیتے ہیں۔ جب موسیٰؑ کی مذکورہ حالت فرد ہوئی تو انہوں نے بیوی کی آنکھوں کو دَم کیا، جس کی برکت سے کھوئی ہوئی بینائی عود کر آئی۔

بعد ازاں، آپ کے پوتے صاحب زادہ محمد امین صاحب آئے۔ آپ نے پوچھا۔ اے بیٹے کونسی سورت پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا سورتِ نُور آپ نے تبسم فرماتے ہوئے یہ شعر ؎

صورت مرئے یار دی ساری سورت نور
والشمس، والضحیٰ پڑھیا رب غفور

بندہ نے عرض کیا مرزا سے کیا مراد ہے؟ فرمایا۔ رسولِ خدا۔ اور تینوں مذکورہ سورتیں آپ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

پھر فرمایا۔ عاشقوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے معشوق کو مرزا یا رانجھا کہہ کر یاد کرتے ہیں۔

بعد ازاں، حضرت امیر خسرو کے عشق کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنی وفات کے وقت بادشاہِ دہلی کو خط لکھا کہ امیر خسرو کو چھٹی نہ دینا، کیونکہ وہ میرا عاشق ہے، جب وہ میری نزع کی حالت دیکھے گا تو ممکن ہے وہ اپنی جان بھی قربان کر دے۔ خواجہ صاحب کی وفات کے بعد امیر خسرو کو اطلاع ملی تو وہ زار و قطار روتے اور مزار شریف پر آئے۔ ان کے دل میں آتشِ عشق کے شعلے بھڑک رہے تھے اور وہ فراقیہ اشعار پڑھتے رہتے تھے۔

بعد ازاں، امیر خسرو کی کرامت کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ امیر خسرو کے وصال کی خبر جب

دہلی میں پھیلی تو شاہ رکنِ عالم ملتانی اس وقت دہلی میں ہی تھے ۔ انھوں نے اپنے درویشوں سے فرمایا یہ آدمی بدعتی تھا لیکن ہمیں اس کا جنازہ پڑھ لینا چاہیئے ۔ پس آپ اپنے چند مریدوں کے ساتھ جنازے کی صفِ اوّل میں شریک ہوئے ۔ امیر خسرو نے کفن سے سر نکال کر کہا مجھے آپ کی شفاعت کی ضرورت نہیں، مجھے اپنے پیر کی شفاعت کافی ہے ۔ جب شاہ رکن عالم نے خواجہ امیر خسرو کی کرامت دیکھی تو حیران رہ گئے اور انھوں نے کہا میں تو اسے بدعتی سمجھتا تھا ۔

مجلس ۳۹

وحدۃ الوجود اور
حضرت خواجہ اللہ بخش کریم تونسویؒ

ہفتہ کی رات کو شرف نیاز حاصل ہوا۔ سیّد اکرام شاہ رسول نگری، مولوی غلام محمد گجراتی، غلام فرید اور دوسرے یارانِ طریقت حاضر تھے۔ توحید کا موضوع چھڑا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ مسئلہ وحدۃ الوجود کے اصل بانی شیخ محی الدین ابن عربی ہیں۔ مولانا جلال الدین رومی نے بھی اس مسئلے کو تقویت پہنچانے کے لیے مثنوی میں پُرجوش اندازِ بیان کے ساتھ ایک بھرپور کوشش کی ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ پشاور کے قریب موضع کھنیاں میں عمر نامی ایک آدمی کہتا تھا کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کی بنیاد محی الدین ابن عربی نے رکھی اور اس کی تکمیل مولانا جامی کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مولانا روم کا مولد بلخ ہے اور ان کے والد کا نام شیخ بہاء الدین ولد ہے۔ علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل کے بعد شیخ شمس الدین تبریزی کی خدمت میں پہنچ کر انھوں نے فیضِ باطنی حاصل کیا اور درجۂ کمال کو پہنچے۔

بعد ازاں، بندہ نے مثنوی رومی کھول کر آپ کے سامنے رکھی اور عرض کیا کہ اس میں سے بطور تبرک ایک درس دیں تاکہ آپ کی توجہ سے بندہ کو بھی حقائق و دقائقِ ربّانی کا ادراک ہو سکے۔ آپ نے ازراہِ بندہ پروری چند اشعار کی تشریح فرمائی۔ چنانچہ ان دو اشعار کے معانی آپ نے بتائے ان کا اختصار درج ذیل ہے:۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند — وز جُدائی ہا شکایت می کند

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

نَے سے مراد عارفِ کامل کا وجود ہے، نیستاں سے مراد دریائے وحدت ہے، جس

میں تمام اشیاء ازل کے وقت واجب الوجود تھیں اور غیریت کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس کے بعد اچانک دریائے وحدت میں جنبش آئی اور تمام اشیائے موہوم نے اپنے آپ کو دیکھا، اس کے بعد ممکن واجب سے جُدا ہو گیا اور دوئی کا آئین جاری ہوا، اس کے بعد دریائے بیکراں سے ایک اور موج اٹھی اور ساحل پر آکر ٹوٹ پڑی، اسی طرح کئی بار تکرار ہوا اور دنیا میں اجسام ظہور پذیر ہوئے اور اپنی اصل سے بہت دُور جا پڑے، پس وطن کی محبت گریباں گیر ہوئی اور ہر طرف آہ و نالہ کی صدائیں بُلند ہوئیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ جس طرح فاعل کے بغیر فعل ممکن نہیں۔ اسی طرح فانی فی اللہ باقی باللہ عارف ربّانی کی حرکات و سکنات مثلاً دیکھنا، سُننا، کہنا، جاننا وغیرہ بغیر اس واجب الوجود کے پرتو کے ظہور پذیر نہیں ہوتیں۔ اور عارف کے وجود کی جدائی کے مراحل یہ ہیں، پہلے وہ مرتبۂ احدیت میں تھا، پھر مرتبۂ نزولی یعنی وحدت، اور پھر وحدت سے واحدیت اور واحدیت سے عالمِ ارواح اور وہاں سے عالمِ مثال وہاں سے عالمِ نباتات پھر عالمِ جمادات و حیوانات اور اس کے بعد عالمِ اجسام میں متشکل ہوا اور اپنی اصل سے جُدا ہونے کی شکایت کرنے لگا۔

بعد ازاں، مثنوی کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ خواجہ حافظ نے مثنوی کی تعریف میں ایک غزل لکھی ہے ؎

بلبل ز شاخِ سرو بہ گلبانگِ پہلوی

می خواند دوش درسِ مقاماتِ معنوی

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ محمد غیاث نور بخش نے بھی مثنوی کی تعریف میں قابلِ قدر اشعار لکھے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مولانا جلال الدین رومی مادر زاد ولی تھے۔ چھ سال کی عمر میں آپ کوٹھے پر چند لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ ایک لڑکے نے کہا آؤ ہم ایک چھت سے دوسری چھت پر کودیں۔ مولانا نے فرمایا اس قسم کی اُچھل کود تو کُتّے بلّی بھی کر سکتے ہیں ہمیں آسمان کی طرف اُڑنا چاہیئے۔ آپ نے یہ کہا اور اوپر اُٹھنے لگے، حتیٰ کہ ساتھیوں

کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ۔ لڑکے شور مچاتے ہوئے اپنے گھروں کو دوڑے کہ جلال الدین ہم میں سے غائب ہو گیا ہے ۔ لحظہ بھر کے بعد مولانا پھر اسی چھت پر اُتر آئے اور انھوں نے دوسرے لڑکوں سے کہا کہ جب میں نے تم سے وہ بات کی تو میں نے دیکھا کہ سبز پوشوں کی جماعت نے مجھے تمہارے درمیان سے اُچک لیا ہے اور آسمان پر گھمایا پھرایا، جب تم شور مچانے لگے تو وہ پھر مجھے اسی کوٹھے پر چھوڑ گئے ۔

بعد ازاں، محی الدین ابن عربی کا ذکر چھڑا ۔ فرمایا ۔ علوم ظاہری اور باطنی میں وہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے ۔ آپ نے توحید اور سلوک پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے ایک کتاب فصوص الحکم ہے، جس میں مسئلہ وحدت الوجود کو پوری طرح کھول کر بیان کیا ہے اور اسی وجہ سے اکثر علمائے ظاہر آپ کے خلاف ہو گئے، حتیٰ کہ انھوں نے ایک مرتبہ ایک مردار خنزیر حوض کے کنارے رکھ کر ابن عربی سے کہا کہ اگر وجود واحد ہے تو اسے کھاؤ ۔ ابن عربی نے خدا کی مناجات کی اور تالاب میں غوطہ لگایا، پھر کتے کی صورت میں برآمد ہوئے اور اس مُردار میں سے کچھ کھالیا، اس سے مناظرین لاجواب ہو گئے ۔

بعد ازاں، سید اکرام شاہ نے پوچھا، مسئلہ وحدت الوجود سے علمائے ظاہر کے انکار کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا ۔ اکثر اہلِ علم تو بے خبری کی وجہ سے انکار کرتے ہیں، اندھے کو بینائی کا لُطف کیسے محسوس ہو؟ ورنہ درحقیقت اس مسئلے کی صداقت میں کسی شک و ابہام کی کوئی گنجائش نہیں ۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا کہ حضرت مجدّد الف ثانی نے بھی اس مسئلے کے خلاف گفتگو کی ہے، باوجود اس کے کہ ان سے پہلے جتنے بھی نقشبندی بزرگ ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر وحدت الوجود کے قائل تھے ۔ فرمایا ۔ سیّد غلام علی شاہ صاحب دہلوی کے خلیفے شیخ احمد سعید صاحب جب ہندوستان سے ہجرت کے ارادے سے روانہ ہوئے تو وہ تونسہ شریف سے ہوتے ہوئے گزرے ۔ تونسہ شریف میں وہ حضرت تونسوی سے ملے ۔ دورانِ مجلس کسی نے ان سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کے بزرگ حضرت مجدّد الف ثانی نے مسئلہ وحدۃ الوجود کے خلاف گفتگو کی ہے؟ اس کے جواب

میں انھوں نے کہا کہ مجدّد صاحب اپنے زمانے کے مجتہد تھے، اگر مسئلہ وحدۃ الوجود کے بارے میں ان سے خطا ہوگئی ہے تو وہ قابلِ مواخذہ نہیں ٹھہرتے، بلکہ اگر مجتہد کا اجتہاد غلطی پر ہو تو پھر بھی اسے ایک ثواب مل جاتا ہے، اور اگر اجتہاد درست ہو تو پھر دوگنا ثواب ملتا ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ سالک کو چاہیئے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کو پوشیدہ رکھے، لیکن اہل لوگوں کو ان کی استعداد کے مطابق بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت خواجہ تونسوی مسئلہ وحدۃ الوجود کو بہت پوشیدہ رکھتے تھے، چنانچہ لوائح اور اس قسم کی توحیدی کتابوں کا درس محل میں بیٹھ کر دروازے بند کر کے دیتے تھے اور سماع کی مجلس میں بھی توحیدی اشعار سننے سے پرہیز کرتے تھے۔ زیادہ تر حافظ اور جامی ہی کا کلام سنتے کیونکہ ان کے ہاں توحید کا مضمون علامتی اسلوب اور رمز و کنایہ کے پیرائے میں بیان ہوا ہے۔ جب کہ دوسروں کے ہاں توحید کا مضمون شمشیرِ عریاں کی طرح تیز ہے۔

بعد ازاں، سیّد اللہ بخش حاجی پوری نے عرض کیا کہ جو شخص توحید شریعت کا قائل ہو اور توحید طریقت یعنی فنا کا منکر ہو اس کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ فرمایا۔ قیامت کے دن اولیاء اللہ کے اعلیٰ مقام یعنی فنا فی اللہ سے محروم ہوگا اور اس سے بڑھ کر اور کیا مواخذہ ہو سکتا ہے؟ توحیدِ شریعت سے مراد خدا تعالیٰ کی یگانگت اور رسولِ خدا کی رسالت پر ایمان لانا ہے۔ توحید طریقت سے مراد تمام ماسواء اللہ کی نفی کر دینا اور فنا حاصل کرنا یعنی ذاتِ حق کے سوا کسی کو موجود نہ سمجھنا۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا کہ میں آپ کی کتاب مفاتیح الاعجاز سے کچھ اشعار نقل کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ آپ نے اجازت بخشی کہ نقل کر لو۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا کہ اس شعر کے کیا معنی ہیں؟

فالبحر بحر علیٰ ماکان فی القدم   ان الحوادث امواج و انہار

لایحجبنک اشکال تشاکلھا   عمن تشکل فیھا فھی استار

فرمایا۔ بحرِ حقیقت اسی حالت میں ہے جس طرح وہ شروع سے چلا آرہا ہے اور اشیائے ممکنات کا وجود اسی طرح ہے جیسے دریا سے نکلنے والی موجیں اور لہریں۔ تعینات کی اشکال اور تشکلات جو اصل میں تو بحرِ حقیقت ہی ہیں، درویش کو صرف انہی پر قناعت نہیں کر لینی چاہیئے بلکہ صورت سے معنی کی طرف تیزی سے بڑھنا چاہیئے تاکہ صورِ کونیہ اس کے لیے حجاب نہ بنی رہیں اور وہ اشکال جو ممکنات کے علم میں ظاہر ہیں واجب الوجود کا حجاب ہیں۔ جب عارف اپنی حقیقت پر خوب غور و خوض کرتا ہے تو ہستیٔ موہوم کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور واجب اور ممکن ایک ہو جاتے ہیں۔

بعد ازاں، کلامِ الٰہی کا موضوع چھڑا۔ فرمایا۔ خدا نے فارسی زبان میں بھی گفتگو کی ہے اور وہ جملہ یہ ہے " چہ کنم باایں مشتِ خاک جز آنکہ بے آمرزم"۔ سید اللہ بخش لانگری نے پوچھا کہ ہندی زبان میں بھی کلامِ الٰہی ہے یا نہیں؟ فرمایا۔ اس کی ذات کا ظہور ہر زبان اور ہر مظہر میں ہے۔

بعد ازاں، فرمایا۔ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا، میں جو کچھ سُنتا ہوں خدا سے سُنتا ہوں، جو دیکھتا ہوں خدا سے دیکھتا ہوں، یعنی ہر حالت میں خدا کے ساتھ ہوں۔

بعد ازاں، یہ ذکر شروع ہوا کہ مردِ کامل ہر مظہر میں ظہور کرتا ہے۔ مولوی نور احمد چنیوٹی خلیفہ امام علی شاہ نقشبندی نے عرض کیا کہ بعض لوگ ہمیں وہابی ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ آپ نے مولوی صاحب کے پاسِ خاطر کے لیے فرمایا کہ۔ بعض اوقات مردِ کامل کے کچھ طریقے عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ پھر اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا کہ۔ ایک فاضلِ اجل کچھ مدت تک حضرت لال شہباز کے روضے پر مقیم رہا۔ اس دوران اس کی حالت یہ تھی کہ کسی وقت وہ تفسیر و حدیث کا درس دیتا اور کبھی مراقبہ کرتا تھا اور کسی وقت وہ ملنگوں کے ساتھ بھنگ پینے میں مشغول ہو جاتا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ مرید کو چاہیئے کہ ہر ایک کی خدمت کرے اور ادب سے پیش آئے، کیونکہ خدا کے کامل بندے ہر لباس میں پائے جاتے ہیں اور ان کے طفیل بعض لوگ سعادتِ دارین پاتے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک سائل کسی کے دروازے پر گیا اور کوئی چیز مانگی۔ اس نے سائل کو ملامت کی اور کچھ نہ دیا۔ سائل ابھی پریشان حال کھڑا تھا کہ ایک نابینا وہاں آیا اور اسے اپنے گھر لے گیا اور حتی الوسع اس نے سائل کی پوری خدمت کی اور اسے خوش کیا۔ خدا نے سائل کی دعا کے طفیل اندھے کو بینائی عطا فرما دی۔ جب پہلے شخص نے یہ خبر سنی تو اس نے اندھے سے کہا افسوس کہ وہ ہُما تھا اور تیرے جال میں جا پڑا۔ وہ میری دولت تھی لیکن تیرے نصیب میں آئی۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ایک خستہ حال اندھا گجرات کے قریب کسی جگہ رہتا تھا۔ ایک دن ایک بزرگ نے آکر اس کے افلاس کی کیفیت پوچھی۔ اندھے نے کہا میں مفلسی کے ہاتھوں سخت لاچار ہوں۔ بزرگ نے رحم کھا کر اسے ایک وظیفہ بتایا جس سے وہ تھوڑی مدت میں امیر بن گیا۔ بزرگ نے جاتے وقت اسے بتایا کہ اگر پھر کبھی میری ضرورت پڑے تو میں خوشاب میں ملوں گا۔ اتفاقاً اندھے کے ہاتھوں سے تمام مال چلا گیا۔ اندھا پھر اس بزرگ کو ملنے کے لیے خوشاب چلا گیا۔ وہاں وہ بزرگ ننگ دھڑنگ جانوروں کے گوبر پر لیٹا ہوا غلاظت کھا رہا تھا۔ اندھے نے اسے اپنی حالت بیان کی تو اس نے اسے دوبارہ ایک اور وظیفہ بتایا اور رخصت کیا۔

بعد ازاں، ہندوؤں کی توحید کا ذکر چھڑا تو فرمایا۔ جب ہم ہندوؤں کی مذہبی کتابیں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہلِ توحید ہیں، لیکن جب ان کے اقوال و افعال دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان پر مسئلہ توحید کا کچھ اثر نہیں۔ پھر فرمایا۔ جب تک توحیدِ قلبی حاصل نہ ہو توحیدِ لسانی کا کچھ فائدہ نہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ خواجہ تونسوی کے خلیفے مولوی احمد دین صاحب اکثر اوقات مسئلہ توحید میں مراقبہ کرتے رہتے تھے۔ ایک دن ان کا ایک مخالف رشتہ دار آیا اور انھیں بُرا بھلا کہنے لگا۔ مولوی صاحب نے اس کی طرف دیکھ کر تبسّم فرمایا اور اسے آفرین کہی، پھر فرمایا۔ اہلِ توحید کے اس قسم کے کام ہوتے ہیں۔

بعد ازاں، فرمایا۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق حوصلہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ

آنحضرتؐ سے پہلے کے پیغمبر مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ وغیرہ جب اپنی قوم کی جفاکاری اور بدکیشی سے تنگ آجاتے تو خدا سے بددعا کرتے جس سے ان کے تمام دشمن تباہ ہو جاتے

پھر فرمایا۔ خدا نے کسی قوم کو عذاب نہیں دیا جب تک کہ اس نے خدا کے مقبول بندوں کو تنگ کر کے لاچار نہ کر دیا ہو۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

ہیچ قومے را خدا رُسوا نہ کرد

تا دلے از صاحبش نامد بدرد

ضمناً، بندہ نے عرض کیا کہ سبحان اللہ آنحضرتؐ کا حوصلہ اور اخلاق کس قدر بلند ہے۔ فرمایا۔ سابقہ پیغمبر جب اپنی اُمّت کی ایذارسانی سے تنگ آجاتے تو ان کے حق میں بددعا کرتے تھے، لیکن جب جنگ اُحد میں آنحضرتؐ کا دانت مُبارک شہید ہوا تو آپؐ نے فرمایا "اے اللہ میری قوم کو ہدایت بخش، یہ میرے مقام کو نہیں سمجھتے" چنانچہ آپؐ کی دُعا کی برکت سے اسلام کو اس قدر غلبہ حاصل ہوا کہ عرب و عجم میں ہر جگہ دینِ محمدی پھیل گیا، اور اگر کفار کے ٹولے سے چند لوگ باقی رہ گئے تو اس میں بھی یہ حکمت تھی کہ اہلِ اسلام میں سے چند لوگوں کو ان کی وجہ سے امتیاز ملا۔ آنحضرتؐ کے معجزات اور اخلاق و عادات، تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

ضمناً، مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ اُمّتِ محمدی کے اولیائؒ بھی فوق العادہ امور میں پیغمبرانِ سلف سے کم نہیں ہیں۔ فرمایا۔ یہ سعادت بھی آنحضرتؐ کی عظمت ہی کا ایک پرتو ہے۔

بعد ازاں، قاضی فیض احمد چھاچھی نے تجدیدِ بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے اسے دوبارہ بیعت کیا اور فرمایا کہ۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ طالب صادق کو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، بلکہ اسے جس آدمی سے ایذا پہنچے، اس کے حق میں دعائے خیر کرے۔ اور یہ قابلِ افسوس چیز ہے کہ چھچھ کے اکثر لوگ متعصب ہوتے ہیں اور کسی کو اپنے جیسا نہیں سمجھتے، کسی کو کافر اور کسی کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ اب، ماشاء اللہ، آپ کی توجہ سے چھچھ کے اکثر لوگ نیک ہو گئے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ خدا نے انھیں اوصافِ حمیدہ سے متصف کیا ہے دُعا ہے کہ خدا ہمارا خاتمہ بالخیر کرے۔

بعد ازاں، کسی شخص نے عرض کیا کہ میرے حقیقی بھائی بلا وجہ میرے ساتھ عناد رکھتے ہیں اور مجھے دُکھ پہنچاتے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ میں ان کے شر سے محفوظ رہوں۔ فرمایا۔ اہلِ دنیا کو جب مال و دولت حاصل ہوتا ہے تو ان میں غرور پیدا ہو جاتا ہے، اور ایک دوسرے کو ایذا پہنچانے لگتے ہیں۔

بعد ازاں، رفع ہستی کا ذکر چھڑا۔ ایک دن ایک عالم نے غلام محمد درویش کے وسیلے سے خواجہ شمس العارفین کو عرض کیا کہ کشائشِ رزق کے لیے کوئی وظیفہ ارشاد فرمائیں۔ آپ ابھی اسی فکر میں تھے کہ عالم نے پھر عرض کیا۔ میرا قلب پہلے سے جاری ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے فقر کی منزلیں طے کر لیں، کیا اب تم لنگر جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ پھر فرمایا۔ جاؤ کشفِ قلوب فقر پر موقوف نہیں، فقر اور ہی چیز ہے۔ اس نے پوچھا۔ پھر فقر کیا ہے؟ فرمایا۔ عطار کے تذکرۃ الاولیاء میں ایک واقعہ میری نظر سے گزرا ہے شفیق بلخی کے ایک شاگرد نے حج کا ارادہ کیا۔ شفیق نے کہا بسطام کے راستے سے جانا اور خواجہ بایزید کی زیارت کرتے جانا۔ جب وہ بایزید کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے پوچھا۔ تم کس کے مرید ہو؟ اس نے کہا شفیق بلخی کا۔ آپ نے پوچھا شفیق کا کیا طریقہ ہے؟ اس نے کہا، انھوں نے مخلوق سے کنارہ کشی کر لی ہے اور کہتے ہیں اگر آسمان و زمین سکے اور پتھر کے ہو جائیں کہ نہ آسمان سے بارش ہو اور نہ زمین سے کچھ اُگے اور تمام مخلوقات میرا کنبہ ہو تو پھر بھی میں توکّل سے روگردانی نہیں کروں گا۔ خواجہ بایزید نے فرمایا یہ سخت کافری اور مشرکی ہے جو اس نے کہا ہے، اگر بایزید کوا بن جائے تو کبھی اس شہر کی طرف پرواز نہیں کرے گا، جب تم واپس جاؤ تو اسے کہنا کہ دو چپاتیوں کے لیے خدا کی آزمائش نہ لو۔ وہ آدمی یہ سخت باتیں سُن کر واپس شفیق کے پاس چلا گیا۔ شفیق نے پوچھا تم جلدی لَوٹ آئے؟ اس نے کہا میں آپ کی ہدایت کے مطابق بایزید کی زیارت کو گیا اور انھوں نے اس طرح کہا ہے۔ شفیق کو

یہ بات ناگوار گزری، اس نے شاگرد سے پوچھا کیا اس وقت تم نے یہ نہ کہا کہ اگر شفیق ایسا ہے تو خود آپ کیسے ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر شقیق نے کہا تم واپس جاؤ اور یہ پوچھ آؤ۔ حسب الارشاد وہ بایزید کے پاس پہنچا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے صرف یہ پوچھنے کے لیے بھیجا گیا ہے کہ اگر شقیق (خدانخواستہ) کافر اور مشرک ہو گیا ہے تو پھر آپ کا اپنا کیا حال ہے؟ حضرت بایزید نے کہا اگر میں یہ بتاؤں کہ میری کیا کیفیت ہے تو تم سمجھ نہیں سکو گے۔ اس نے کہا پھر مناسب سمجھیں تو کاغذ پر لکھ دیں تاکہ مجھے پھر نہ آنا پڑے بایزید نے خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بایزید بسطامی یہ ہے۔" اور کاغذ لپیٹ کر اسے دے دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بایزید کچھ بھی نہیں، پس جب موصوف ہی نہ ہو تو اس کی صفت کیسے ممکن ہے؟ بایزید تو ایک ذرّہ بھی نہیں کہ اس پر کچھ وارد ہو اور اس سے پوچھا جائے کہ وہ کیا ہے اور وہ توکل رکھتا ہے یا اخلاص؟ یہ تمام مخلوق کی صفتیں ہیں، خدا تعالیٰ کے اخلاق حاصل کرنے چاہئیں نہ کہ توکل ہی میں مشغول رہنا چاہیئے۔ قاصد جب شفیق کی خدمت میں پہنچا، اس وقت وہ قریب المرگ تھے اور بایزید کے جواب کا انتظار کر رہے تھے، جب قاصد نے رقعہ پیش کیا تو انھوں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اپنے عقیدے سے توبہ کر کے فوت ہو گئے۔

بعد ازاں، کسی نے عرض کیا کہ نقشبندی خاندان میں سلوک کی بنیاد لطائف پر ہے۔ خاندانِ چشت میں سلوک کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ فرمایا۔ ایک زاہد مولوی عبید اللہ صاحب ملتانی کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ لطائف کا طریقہ ارشاد فرمائیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا میں لطیف کا طالب ہوں لطائف کا نہیں۔

ضمناً، فرمایا۔ مولانا فخر الدین کے خلفا میں سے ایک بزرگ عبد الرحمان لکھنو میں رہتے تھے۔ ایک رات کو وہ مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک کتا آیا اور آٹے کا بنا ہوا دیا جو اس وقت جل رہا تھا۔ اپنے منہ میں دبوچ کر چلا گیا۔ مولوی صاحب نے کتے کی طرف منہ کر کے فرمایا لے جاؤ تمہارا گھر ہی تاریک ہو گا، ہمیں کیا۔ مسجد میں بیٹھنے والوں نے جب یہ بات سُنی تو اسے خلافِ شرع سمجھ کر انھوں نے وہاں کے نواب صاحب کے رپورٹ کر دی۔

شہر کے مفتیوں نے فتویٰ دیا کہ یہ بات جس نے کی ہے وہ مرتد ہے، اسے توپ مار کر ہلاک کرنا چاہیئے۔ حسب الامر آپ کو رسیوں سے باندھ کر پوچھا گیا کہ کیا بات ہے؟ انھوں نے فرمایا وہی ہے جو کچھ ہے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ توپ داغ دی گئی لیکن آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ دوسری بار پھر توپ چلائی گئی وہ بھی خالی گئی، تیسری بار بھی انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا۔ جب یہ حال دیکھا تو نواب صاحب نے بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اپنی ٹوپی ان کے پاؤں پر ڈال دی اور کہا میرا قصور معاف فرمائیں۔ آپ نے فرمایا قصور کیا ہے، سب حق ہے۔

بعد ازاں، آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ بادل غبار کی طرح آسمان پر چھایا ہوا ہے، نہ برستا ہے، نہ چھٹتا ہے۔ میرے دل میں خیال گذرا کہ بادلوں کے اس طرح چھائے رہنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن جب غور کیا تو خیال آیا کہ حکیمِ مطلق کا کوئی فعل بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ بارش کا برسنا نباتات کو فائدہ مند ہے، شاید بعض علاقوں میں بادل کا محیط رہنا ہی مفید ہے۔

بعد ازاں، محمد قریشی نے عرض کیا کہ غلام محمد نو مسلم آپ کی توجّہ سے مستقل طور پر ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ فرمایا۔ ذالك فضل الله يوتى من يشاء

بعد ازاں، ایک دن صبح کے وقت آپ اٹھے تو چراغ پہلے سے روشن تھا۔ اچانک آپ کی نظر اپنے عصا پر پڑی جو چاندی کے پانی سے منقّش تھا اور اس پر چراغ کی کرنیں منعکس ہو رہی تھیں، فرمایا۔ یہ عصا کی تجلّی نہیں بلکہ چراغ کے پرتو کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح پرتوِ ذات تمام اسمائے صفات پر چمکتا ہے۔ غلام محمد نے عرض کیا کہ اشیائے ممکنات کا حسن کہاں سے آتا ہے؟ فرمایا۔ تمام موجودات میں حسن پرتوِ ذات کی وجہ سے ہے۔ عارفِ کامل تمام موجودات میں پرتوِ ذات کا مشاہدہ کرتا ہے۔

بعد ازاں، کسی نے عرض کیا کہ مسئلہ توحید پر کچھ ارشاد فرمائیں۔ آپ نے تختی پر فارسی عبارت لکھ کر اسے دی کہ لا الہ الا اللہ یعنی اللہ کی ذات کے سوا کوئی

موجود نہیں ۔ لہٰذا یہ دنیا اور آخرت ذات کے تعینات اور تقیدات ہونے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ۔ چنانچہ زید، عمر، بکر وغیرہ تعینات اور خواص میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اصل میں تمام انسان ہیں ۔ اسی طرح ذاتِ مطلق تعینات اور خواص میں متنوع اور متعدد نظر آتی ہے اور حقیقت میں ایک ہی ہے ۔ جب پردے اُٹھتے ہیں تو حقیقت ایک ہی نظر آتی ہے، اور لاموجود الا ھو کے یہی معنی ہیں۔ اسے مطالعہ میں رکھنا چاہیئے ۔

بعد ازاں، بندہ نے عرض کیا کہ قربِ نوافل اور قربِ فرائض میں کیا فرق ہے؟ فرمایا ۔ جب سالک اپنی بشری صفات کو صفاتِ الٰہیہ میں فنا کرتا ہے اور صفاتِ ربّانی کا ظہور اس پر غلبہ پا لیتا ہے تو اسے قربِ نوافل کہتے ہیں ۔ قربِ فرائض یہ ہے کہ سالک اپنی ہستی کو فنا کر دے حتیٰ کہ وہ تمام موجودات کے شعور سے بے خبر ہو جائے، بلکہ اسے اپنے نفس کی بھی خبر نہ رہے، چنانچہ اس کی نظر میں ذاتِ باری تعالےٰ کے علاوہ اور کچھ نہ رہے ۔

بعد ازاں، حضرت خواجہ اللہ بخش کریم تونسوی کے اوصاف کا ذکر چھڑا ۔ فرمایا باوجود خاندانی عظمت و بزرگی کے عبادت اور ریاضت میں آپ تمام پر سبقت لے گئے اور قربِ ذات حاصل کیا ۔ آپ کے فضائل میں تین چیزیں بہت نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ اس علاقے میں عرصہ دراز سے کسی کو بھی قرآن کی قرأت کی صحت کا کوئی خیال نہ تھا ۔ آپ نے ایک حافظِ اجل، جس نے عرب شریف میں علمِ قرأت قواعد کی پابندی کے ساتھ سیکھا تھا، اپنے ہاں مقرر کیا اور لوگوں کو قرأت کی تصحیح کی دعوت دی ۔ چنانچہ ڈیرہ غازی خان اور ڈیرہ دین پناہ کے درمیان کوئی اندھا نہ رہا جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآنی تعلیم سے بہرہ یاب نہ ہوا ہو ۔ اس سلسلۂ تدریس سے اس علاقے میں قرأت کی صحت ہو گئی ۔

دوسرا یہ کہ پاکپتن شریف میں مسجد اور برجِ نظامی کی عمارت مدت سے شکستہ حال تھی ۔ آپ کی کوشش سے وہ عمارتیں از سرِ نو تعمیر ہوئیں ۔

تیسرا یہ کہ آپ کو مدت سے حرمین شریفین کی زیارت کا شوق تھا لیکن یہ خیال بھی تھا کہ زادِ راہ زیادہ سے زیادہ مہیا کرنا چاہیئے تاکہ رفقاء آسانی سے یہ سفر کر سکیں اور حرمین شریفین کے خادموں کی خدمت بھی بطریقِ احسن ہو سکے۔ پس ۴ رجمادی الثانی ۱۲۹۹ھ بروز جمعرات مطابق ۱۴ رپھاگن سمہ ۱۹۳۹ مبلغ ساٹھ ہزار روپے ۲۵ درویش اور دوسرے ساتھی مثلاً صاحبزادگان مہاروی اور دوسرے احباب تقریباً دو سو آدمی اپنے ساتھ لے کر ملتان پہنچے اور چند لوگوں کو وہاں سے رخصت کر کے لاہور میں ایک رات سرائے میاں سلطان میں ٹھہرے اور بعض لوگوں کو وہاں سے واپس کر کے سہارن پور کی ریل کا ٹکٹ لیا۔ ایک دن وہاں گزار کر رات کو دہلی کی گاڑی پر سوار ہوئے۔ دہلی میں خواجگان کے آستانوں پر سات راتیں گزار کر وہاں سے اجمیر شریف پہنچے اور چار راتیں وہاں ٹھہرے۔ اس کے بعد صاحب زادہ حافظ موسیٰ صاحب اور مہاروی صاحب زادگان اور دوسرے دوست جو آپ کو وداع کرنے کے لیے آئے تھے، واپس روانہ ہوئے۔ اس کے بعد اسّی آدمیوں کو ساتھ لے کر احمد آباد روانہ ہوئے۔ دو راتیں وہاں ٹھہرے۔ پھر سترہ دن بمبئی میں قیام فرما کر اورنگ آباد کو حضرت خواجہ نظام الدین کے روضہ کی زیارت کے لیے گئے۔ دو راتیں وہاں گزار کر خواجگان کے آستانوں کی زیارت سے فارغ ہو کر واپس بمبئی آئے اور آٹھ دن وہاں ٹھہرے۔ پھر دخانی جہاز میں سوار ہو کر بارہ دنوں میں جدہ شریف پہنچے۔ ایک رات وہاں ٹھہر کر مکہ شریف کو روانہ ہوئے۔ ایک مہینہ اور سترہ دن وہاں ٹھہر کر واپس جدہ شریف آ کر ایک مہینہ وہاں ٹھہرے۔ پھر جہاز میں سوار ہو کر بندر کھار اینبوغ کے راستے روانہ ہوئے۔ پانچ دن بحری اور پانچ دن بری مسافت طے کرنے کے بعد ۱۶ ر رمضان شریف کو رات گیارہ بجے مدینہ منورہ پہنچے۔ اور اسی وقت آنحضرتؐ کے روضۂ اقدس کی زیارت سے مشرّف ہوئے دو مہینے اور تین دن وہاں ٹھہر کر اُنیسویں ذی قعدہ کو رخصت ہوئے، یکم ذی الحجہ کو مکہ شریف پہنچے، اٹھارھویں ذی الحجہ تک مکہ اور جبل عرفات کے درمیان مناسکِ حج ادا کرتے رہے۔ پھر جدہ شریف واپس آئے اور سات دن وہاں گذار کر دخانی جہاز پر سوار ہو کر اٹھارہ دنوں

میں بمبئی پہنچے، چار دن وہاں ٹھہر کر بذریعہ ریل دہلی کے راستے لاہور پہنچے۔ ایک رات وہاں ٹھہر کر ملتان روانہ ہوئے۔ تین راتیں وہاں ٹھہرے، ۲۷ محرم ۱۳۰۰ھ کو تونسہ شریف پہنچے۔ اس کے علاوہ، تمام لوگوں کا سفر خرچ، لنگر شریف کے ذمہ تھا۔ آپ کی جماعت میں سے بارہ آدمی حرمین شریفین کے درمیان فوت ہوئے۔

ضمناً فرمایا۔ خواجہ تونسوی کے وصال کے بعد اکثر خیر خواہ لوگ متفکر ہوئے کہ درویشوں کے نان نفقے کا انتظام، اہل خانوادہ کا کاروبار اور مریدوں کی ضروریات کس طرح چلا کرینگی؟ لیکن حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب نے حضرت تونسوی کی توجہ سے ہر طرف مناسب توجہ دی اور کوئی بھی انتظامی مد ایسی نہ رہ گئی تھی جس میں مزید کسی اصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی۔ خواجہ تونسوی کے زمانے میں مکان کچے تھے۔ آپ نے تمام مکانات از سرِ نو پختہ تعمیر کرائے۔ آستان شریف پر رہنے والے لوگوں کی مکمل دیکھ بھال کی اور مریدوں میں فیض رسانی کا طریقہ وہی اختیار کیا جو خواجہ تونسوی کا تھا۔ پس اب ہم گہرا مشاہدہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ تونسوی کا دوبارہ ظہور ہوا ہے۔ سبحان اللہ ماضی کے سجادہ نشینوں میں اس طرح کے سجادہ نشین دیکھنے میں نہیں آتے۔

مجلس ۴۰

وصال حضرت خواجہ شمس الدّین سیالوی

۱۸ صفر ۱۳۰۰ھ بروز ہفتہ قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولوی معظم دین صاحب مرولوی، مولوی غلام محمد گجراتی، امام بخش نذر بردار، غلام محمد درویش پوٹھوہاری، تینوں صاحبزادگان اور دوسرے یارانِ طریقت بھی حاضر تھے۔ آج علی الصبح جب آپ تہجد کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کو بخار کا عارضہ لاحق ہوگیا اور کئی قسم کی دوائیں کی گئیں لیکن فائدہ نہ ہوا۔ حتیٰ کہ ضعفِ بدن انتہا کو پہنچ گیا۔ صاحب زادہ محمد دین صاحب منگل ۲۱ صفر کو تونسہ شریف سے واپس آئے اور خواجہ شمس العارفین کی مزاج پرسی کی۔ آپ نے حسبِ مقدور گفتگو کی اور تونسوی صاحب زادگان اور درویشوں کے حالات دریافت کئے۔ اس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے لیہّ سے جو مقوی ادویات مثلاً یاقوت مفرح وغیرہ ۲۸ روپے میں خریدی تھیں، آپ کی خدمت میں پیش کیں اور ایک گولی روزانہ کھلانی شروع کی۔ بعض وقت ماء اللحم اور روغنِ بادام بھی استعمال ہوتا تھا لیکن بخار بدستور برقرار رہا۔

بعد ازاں، صاحب زادہ فضل الدین صاحب نے ایک رقعے پر اپنے حالات لکھے اور وہ رقعہ خواجہ شمس العارفین کو پیش کیا اور وظائف پڑھنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے رقعے کو پڑھا اور اس کا کوئی جواب نہ دیا، جب دوبارہ رقعہ پیش کیا گیا تو آپ نے اپنا ہاتھ صاحب زادہ صاحب موصوف پر رکھا اور فرمایا تمھیں ہمارے تمام وظائف کی اجازت ہے

بیس ۲۰ صفر کو گھر سے مستورات اور گاؤں کی دوسری عورتیں عیادت کو آئیں اور دعائے خیر کر کے چلی گئیں۔

اکیس ۲۱ صفر کو آپ کی صحت کے لیے ایک ختم قرآن پڑھا گیا۔ بائیس ۲۲ صفر کو ایک لاکھ درود شریف پڑھا گیا۔ اور ایک جوان بکری اور کچھ غلہ صدقے کے طور پر مسکینوں میں تقسیم

کیا گیا۔

تیئس صفر کو خواجہ شمس العارفین نے مولوی معظم دین صاحب مرولوی کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کچھ لکھو۔ مولوی صاحب نے صاحب زادگان کی طرف سے لکھا کہ اس قدر مہمان اور غلام حصولِ سعادت اور مطلبِ کونین پانے کے لیے یہاں آتے ہیں، اور آتے رہیں گے۔ انہیں وظیفہ بتانا اور انھیں روٹی کھلانا ضروری امر ہے، لہذا کسی صاحبزادہ صاحب پر کرم کی نظر فرمائیں تاکہ اس خاندان کا سلسلۂ ارشاد اور لنگر قیامت تک جاری رہے۔ یہ رقعہ پڑھنے کے بعد آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ دوبارہ یہی رقعہ پیش کیا گیا تو آپ نے دیکھ کر ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی اور اس کے جواب میں کچھ باتیں بھی کیں جو بدن کی انتہائی کمزوری کی وجہ سے سمجھی نہ جا سکیں۔

بعد ازاں، وصال کی رات کو صاحب زادہ فضل الدین صاحب بیقراری کی وجہ سے آپ کی خدمت میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

یا لیت قبل منیتی یوماً افوز بمنیتی

بحرا تلاطم رکبتی اظل املاء قربتی

خواجہ شمس العارفین نے فرمایا۔ اے فرزندِ ارجمند یہ شعر پھر پڑھو۔ صاحبزادہ صاحب نے روتے روتے وہ شعر پھر پڑھا۔ آپ نے دستِ مبارک ان پر رکھا اور بیحد شفقت فرمائی۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

جانِ جانم را بخود آگاہ کن

لطف خویشم ہمدم و ہمراہ کن

پھر صاحب زادہ صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

سر مد اگر ش وفاست خود می آید	ور آمدنش رواست خود می آید
بیہودہ چرا در پئے او می گردی	بنشیں گر او خدا است خود می آید

بعد ازاں، صاحب زادہ صاحب نے عرض کیا کہ دعا فرمائیں تاکہ خدا کی محبّت حاصل ہو۔ آپ نے کچھ فرمایا، لیکن سمجھا نہ جا سکا۔ اس کے بعد خود اپنے ہاتھوں سے صاحبزادہ فضل الدین

صاحب کی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا۔ پھر صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا کہ اس مسکین کو فیوضاتِ رحمانی میں سے کوئی چیز عنایت ہو۔ آپ نے ہاتھ کے اشارے سے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی طرف رہنمائی کی کہ وہیں جایا کرو۔

بعد ازاں، آپ نے حاشیہ نشینوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ۔ صبح طلوع ہو گئی ہے یا نہیں؟ دو تین مرتبہ آپ نے اس طرح استفسار کیا، پھر پوچھا۔ مہینے کی تاریخ اور دن کونسا ہے؟ کسی نے عرض کیا جمعہ اور صفر کی ۲۷ تاریخ ہے۔ پھر ہاتھ میں تسبیح پکڑ کر چند مرتبہ درود شریف پڑھا اور جب صبح طلوع ہوئی تو دو رکعت فرض نمازِ فجر اشارے کے ساتھ پڑھ کر ذکرِ پاسِ انفاس میں مشغول ہوئے۔ پھر مجلس نشینوں کی طرف رخصتی کی نظر کے ساتھ دیکھا اور اپنا چہرہ بیت اللہ شریف کی طرف کر لیا۔ پھر جسمِ مبارک میں کچھ جنبش پیدا ہوئی اور آپ پر وصال کی علامت طاری ہوئی۔ تمام صاحبزادگان اور درویش بے اختیار ہو کر گریہ وزاری کرنے لگے۔ ایک لمحے کے بعد آپ نے ایک سانس بھری اور پھر جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ آپ کی مہجوری میں ہر شخص بیتاب و بیقرار نظر آتا تھا۔ اور گریہ حد سے گزر گیا۔ جب سورج نکلا تو تجہیز و تکفین کی تیاری شروع ہوئی۔

بعد ازاں، صاحبزادگان، درویشوں اور دوستوں کے مشورے سے باغیچے کے جنوب مغربی کونے میں تخت پوش رکھ کر غسل کی تیاری کی گئی۔ اور بعض خاص آدمی مثلاً مولوی معظم دین صاحب مرولوی، مولوی غلام فرید بھر وکہ، حافظ محمد بھر وکہ، میاں برخوردار بھر وکہ، غلام یٰسین علما سیالوی، فتح محمد مگڑیلی، امام بخش نذر بردار اور سید احمد درویش، احمد یار دھوبی، احمد دین درویش اور بندہ راقم الحروف بھی غسل کے لیے مددگار مقرر ہوئے۔ زوال کے بعد غسل مکمل ہوا اور کفن پہنایا گیا۔

بعد ازاں، نعش مبارک کو شیخ صاحب کے حجرے کے قریب رکھ کر مولوی معظم دین صاحب مرولوی کو نمازِ جنازہ پڑھانے کی اجازت دی گئی۔ بے شمار سید، زمیندار اور دیہاتی عوام ہزاروں صفوں میں جمع ہوئے اور نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

بعد ازاں، ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی گئی۔

بعد ازاں، تمام لوگ آپ کی نعش مبارک کے اردگرد بیٹھ گئے اور میرو قوال اور محمد نے فراقیہ غزلیں پڑھیں۔

بعد ازاں، نعشِ مبارک کو صندوق میں رکھ کر قبر میں اُتارا گیا، اور عصر کی نماز تک یہ کام مکمل ہوا۔ اس کے بعد اکثر لوگ رخصت ہوئے اور بعض خاص آدمی وہیں ٹھہر گئے۔ پھر فاتحہ خوانی کے لیے لوگوں کی روزمرہ آمدورفت شروع ہوئی۔ چنانچہ پانچ چھ بکریاں، چہلم تک روزانہ پکتی تھیں۔

سوئم پر بیشمار لوگ جمع ہوئے اور قل کا ختم پڑھا گیا۔ بعضوں کو ایک ایک روپیہ اور بعضوں کو آٹھ آٹھ آنے تبرّک دیئے گئے۔ چوتھے دن تمام درویشوں کو ایک ایک دستار اور قیمتی لنگی انعام دی گئی۔

وصیت نامہ

خواجہ شمس العارفین نے اپنے وصال سے ۳۹ دن پہلے اپنی وفات کی خبر دیدی تھی۔ ۱۵ محرم ۱۳۰۰ھ کو بروز سوموار بوقت چاشت آپ نے صاحبزادہ محمد دین صاحب کو اپنے پاس بلایا اور دوسرے لوگوں کو حجرے سے رخصت کیا۔ صاحب زادہ صاحب کو اپنے سامنے بٹھا کر فرمایا۔ اے فرزندِ ارجمند واضح ہو کر دنیا کے گوناگوں حالات مجھے پیش آئے ہیں۔ میرے دادا بزرگوار کئی دیہات میں اراضی اور جائداد رکھتے تھے، اور ان کے پاس مال مویشی بھی بہت کچھ تھا۔ اسی طرح میرے والد صاحب بھی فارغ البال تھے۔

بعد ازاں، میں نے حضرت تونسوی سے بیعت کی تو میرے پاس ظاہری اسباب روز بروز گھٹتے گئے، چنانچہ کبھی مجھے روٹی مل جاتی اور کبھی سات سات دن فاقے سے گذار دیتا تھا۔ لیکن میں نے کبھی کسی کے سامنے اپنی فاقہ کشی کا راز فاش نہ کیا۔ اس وقت خدا کے فضل سے میرے پاس دنیا کی تمام چیزیں اور کئی ہزار روپے نقد موجود ہیں۔ میں اراضی اور دنیوی ساز و سامان مہیا کر سکتا تھا، لیکن ہمیں اس فانی دنیا سے محبّت نہیں البتہ دو چیزیں جو ہمارے مشائخ کا ورثہ ہیں، مجھے عزیز ہیں ایک درویشوں کی محبّت دوسرے شیخ کی اطاعت۔ یہ دونوں امور اس وقت تک خدا کے فضل سے بخوبی انجام پاتے رہے ہیں،

نیز واضح ہو کہ جب حضرت خواجہ تونسوی واصل بحق ہوئے تھے تو درویشوں کے خرچ کی مد میں چند ہزار روپے قرضہ رہ گیا، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں قرضے سے محفوظ رکھا اور درویشوں اور مہمانوں کے اخراجات کے علاوہ چند ہزار روپے بچ رہے ہیں۔ یہ رقم تم تینوں بھائی آپس میں تقسیم کر لینا اور کچھ نقدی درویشوں اور مہمانوں پر خرچ کرنا اور چار چیزوں پر استقامت پیدا کرنا۔ توکل، تسلیم، صبر اور قناعت۔

اس اثنا میں صاحب زادہ دین محمد صاحب نے عرض کیا کہ اس رقم اور ظاہری جائداد کی کیا ضرورت ہے، اصل نعمت جو پیرانِ عظام سے سینہ بسینہ پہنچی ہے وہ عنایت فرمائیں فرمایا۔ اے فرزند یہ ترکہ لے لو وہ نعمت بھی خدا تعالےٰ عنایت فرمائے گا۔ مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ اگر آپ مہربانی فرما کر مذکورہ ترکے کی تقسیم میں توقف فرمائیں تو صاحبزادہ صاحب تونسہ شریف سے واپس آکر آپ کی ہدایت کے مطابق ترکے کی تقسیم اور جو کچھ آپ فرمائیں گے بجا لائیں گے۔ پھر صاحب زادہ صاحب نے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی عمر چالیس سال اور بڑھ جائے۔ خواجہ شمس العارفین نے قدرے سکوت کے بعد فرمایا۔ اے فرزند کوئی اعتبار نہیں کہ میری عمر چالیس دن تک بھی باقی ہو، کیونکہ میں نے خدا سے دعا مانگی ہے کہ میری عمر خواجہ تونسوی کی عمر کے برابر ہو۔ پس معلوم ہوا کہ میری عمر خاتمے کو پہنچ چکی ہے کیونکہ اسی صفر کے مہینے میں میرے شیخ کا وصال ہوا تھا۔

جب صاحب زادہ صاحب یہ باتیں سُنیں تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا، بیٹا میں تمہیں کئی راز بتانا چاہتا ہوں لیکن تمہارا حوصلہ تنگ ہے کیونکہ تم اتنی سی گفتگو سے ہی رو پڑے حالانکہ یہ میری سرسری سی گفتگو تھی۔ دنیوی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں، کیونکہ بحکم کل نفس ذائقة الموت ہر آدمی نے شربت وصل چکھنا ہے۔ پھر فرمایا۔ اے فرزند میں نے یہ وصیت کی باتیں اس لیے تھوڑی کہی ہیں کہ افسوس ہے اس آدمی پر جو مرتے وقت محبوبِ حقیقی سے روگردانی کر کے اپنے دوستوں اور بیٹوں کے ساتھ مصروفِ گفتگو ہو اور اولاد کو مال و املاک کی وصیت کرتا رہے۔ پھر فرمایا۔ اے فرزند مال اور اولاد آزمائش ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔ انما اموالکم و اولادکم فتنه۔

پھر فرمایا۔ اے فرزند اگر مستحبات پر تمھیں قدرت نہ ہو تو فرائض میں ضرور مشغول رہنا تاکہ تم سعادت دارین پاسکو۔ پھر فرمایا۔ اے فرزند حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی خدمت میں تمھارا جانا ضروری امر ہے ۔ صاحب زادہ صاحب نے عرض کیا آپ کا ہر فرمان بسر و چشم، لیکن ان باتوں سے میرا دل غمگین ہوا ہے اور میں سخت پریشان ہوا ہوں۔ فرمایا۔ ان باتوں پر بھروسہ نہ کرو۔ یہ خدا کا کام ہے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

بعد ازاں، صاحب زادہ فضل الدین صاحب کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ تونسے شریف جانے کے متعلق تمہاری کیا مرضی ہے؟ انھوں نے کہا جو آپ کی مرضی ہے وہی میری مرضی ہے۔ اس کے بعد آپ نے شفقت سے اپنا بازو ان کی گردن میں حمائل کیا اور فرمایا ۔ میری خواہش تو یہ ہے کہ تم میرے پاس رہو۔ پھر صاحب زادہ محمد دین صاحب کو تونسہ شریف روانہ کیا اور فرمایا۔ میری حالت کو تو تم جانتے ہی ہو جلدی واپس آنا۔ صاحب زادہ صاحب جلد واپس لوٹنے کا وعدہ کر کے تونسے شریف روانہ ہوئے۔ جب وہاں سے رخصت ہو کر ۲۱ صفر کو واپس آئے تو خواجہ شمس العارفین بخار کی وجہ سے بہت لاچار ہو گئے تھے۔ آپ نے صاحب زادہ صاحب کو چند باتیں ارشاد فرمائیں اور ۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ بروز جمعہ صبح کے وقت جاں بحق ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی (مدظلہ)

کے ملفوظاتِ عالیہ

ایکسوایکسال بعد

○

ترتیب

پروفیسر غلام نظام الدین ○ گورنمنٹ کالج بھلوال

ایکسو ایک سال بعد

اُبل رہے ہیں حروفِ کہن سے معنئ نو
مقامِ وجد ہے اے ناقدِ سیاق و سباق

ایک سو ایک برس پہلے، سوموار ۱۶ رجمادی الثانی ۱۲۸۰ھ کو حضرت سید محمد سعید صاحب مؤلف مرآت العاشقین نے اعلیٰ حضرت سیالوی خواجہ شمس الحق والدین رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ مجلس کے ملفوظات قلمبند کئے تھے۔ بندۂ فقیر نے اپنے شیخ مکرّم اور اعلیٰ حضرت سیالوی کے پڑپوتے اور سجادہ نشین حضرت شیخ الاسلام مدار العصر خواجہ قمر الحق والدین مدظلہ العالی کی ایک مجلس (منعقدہ ۱۰ ر جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ، بمقام مرولہ شریف ضلع سرگودھا) کے شب و روز کے حالات اور کیفیات کو بصد عقیدت و احترام نذرِ قارئین کرام کیا ہے۔ میری اس کوشش "ایک سو ایک سال بعد" کو حضرت شاہ صاحب موصوف کی عظیم تر کوشش "مرآت العاشقین" کے مقابلے میں "جوابِ آن غزل" قرار دینا محض سوءِ تفاہم ہوگا۔

ماضی کے بعض جیّد بزرگوں نے اپنے اپنے شیخ کے ملفوظات کتابی صورت میں لکھے ہیں۔ ملفوظات کے ذخیرے میں عظیم ترین کتاب، جس نے بعد میں اپنی نوع کی ہر کتاب کو کم و بیش ضرور متاثر کیا ہے، امیر حسن سجزی کی فوائد الفواد ہے۔ جس میں انھوں نے اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کی ایک سو اٹھاسی (۱۸۸) مجلسوں کے ملفوظات درج کئے ہیں۔

فوائد الفواد کے بعد، ملفوظ نویسی نے ایک مستقل روایت کی شکل اختیار کر لی اور اس موضوع پر ہزاروں نئی کتابوں کا اضافہ ہوا، لیکن کوئی کتاب بھی فوائد الفواد کے ہم پلّہ نہ ہو سکی۔ امیر حسن نے جب اپنی کتاب کو آخری شکل دے کر خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا۔ "نیکو نبشتہ ای و درویشانہ نبشتہ ای و نام ہم نیکو کردہ ای۔"

یہ جملہ دل آسائی اور حوصلہ افزائی کی رُوح سے سرشار تھا، اور اُس کی برکت سے مجموعہ فوائد الفواد اپنے اسلوب کے لحاظ سے وہ سنگِ میل قرار پایا، جہاں سے، بعد میں آنے والے مریدوں کو اپنے اپنے شیوخ کے حالات اور گوش شنید ملفوظات لکھنے کی نئی راہیں مل گئیں۔

فقیر نے اپنے شیخ گرامی کی ایک مجلس کے حالات و ملفوظات لکھ کر، اربابِ ہمّت کو شوق دلانے کی کوشش کی ہے کہ کوئی صاحب کتابی صورت میں حضرت شیخ الاسلام کے ملفوظات جمع کریں تاکہ اہلِ ذوق کے لیے نفعِ روحانی کا باعث ہو۔

پُرانے بزرگوں کے ملفوظات بیشک بہت قیمتی سرمایہ ہیں، لیکن پُرانے مجموعوں کے بار بار مطالعے سے طبیعتیں سیر ہو چکی ہیں۔ ضرورتِ وقت اور انسان کی فطری خواہش اس بات کی متقاضی ہے کہ ہمعصر مشائخ کے ملفوظات مرتب کئے جائیں، تاکہ "روایت" کا سلسلہ "ماضی" پر ہی نہ رُک جائے بلکہ سُبک رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ کر "حال" کے دوش بدوش چلتا رہے۔

فسانہ گشت و کہن شد حدیثِ اسکندر
سخن نو آر، کہ نو را حلاوتے است دگر

ہمارا ایک عمومی رُجحان یہ ہے کہ ہم زندہ بزرگوں کی نسبت مرحوم بزرگوں کے زیادہ عقیدت مند ہیں اور ان کے لیے ہم نے گوناگوں القاب و خطابات مثلاً: غوث، غوث الاعظم، قطب، قطب الاقطاب، ابدال، اوتاد وغیرہ طے کر رکھے ہیں لیکن معاصر مشائخ کے متعلق ہم ہمیشہ تذبذب آمیز سوچ میں اُلجھے رہتے ہیں کہ فلاں صاحب کا کیا مقام ہے اور فلاں کا کیا ہو سکتا ہے؟ پُرانے بزرگوں کے جو حالات پڑھنے سننے میں آئے ہیں، میں نے اپنے شیخ کی سیرت میں ان سے کچھ کم نہیں پائے۔ وہی سلوک و معرفت، پند و موعظت، حقائق و معارفِ الٰہیہ، اسرار و نکاتِ شریعت اور قرآن و حدیث کے مطالب و معانی جو اکابر متقدمین کی مجلسوں کا زیور تھے، حضرت شیخ الاسلام کی زبانِ مبارک پر بے ساختہ و برجستہ رواں رہتے ہیں۔ اس لیے حضرت شیخ کے ملفوظات سے صرفِ نظر کرنے سے، میرے خیال میں تصوّف کے خزانے میں ایک ایسا خلاء رہ جائے گا، جس کو پُر کرنے کے لیے کوئی بھی "کوہِ نور" کافی نہیں ہو سکے گا۔

اے آنکہ محوِ سخن گسترانِ پیشینی   مباش منکرِ غالب کہ در زمانۂ تست

رات اور دن ۱۰ جمادی الاُخریٰ ۱۳۸۴ھ

آج فرحت و مسرّت اور عشرت و بہجت اپنے عنفوان پر ہے، آج ولولۂ شوق سے فضائیں ہیجان ہے، ماحول میں رنگ و بو کا طوفان ہے، آج سماعت نورِ نغمہ سے مسرور بھی ہے اور مسحور بھی، نظارہ و خیال، وجد و سرمستی میں مستغرق ہے، آج سرجوشیاں اور مدہوشیاں اُمنڈ اُمنڈ کر چھائے جا رہی ہیں، آج "مادیّت" کا چراغ ماند ہے، "روحانیت" کی شمع سے ولایتِ قلب بقعۂ نور ہے، آج خواجہ معظم دین مرولوی کا عرس ہے، آج شیخ الاسلام خواجہ قمر الحق والدین سیالوی مدظلہ العالی (بعمر ۶۴ سال)، "زینتِ کاشانہ" اور "صدرِ محفل" ہیں۔

عقیدتمندوں کا بھاری ہجوم ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کے چہرۂ اقدس پر جو ایک مرتبہ نظر ڈالتا ہے، اسے پیچھے دھکیل کر ہجوم میں سے ایک اور آدمی بھیڑ کو چیرتا ہوا، ادب اور محبت سے سر جھکائے ہوئے آگے بڑھتا ہے اور جونہی جمالِ جاں پرور سے آنکھیں خنک کر لیتا ہے تو اسے مجبوراً اپنی جگہ کسی پیچھے سے آ دھمکنے والے کو دینی پڑتی ہے۔ حضرت شیخ کے قریبی حلقے میں جن لوگوں کو بیٹھنے کی جگہ مل گئی، ان پر حسرت زدوں کی نظریں وقفے وقفے کے بعد شکاری باز کی طرح جھپٹ رہی ہیں۔ بیٹھنے والوں کے سر ادب سے فرو ہیں اور سانس تنگنائے سینہ میں محبوس۔ اگر کوئی ضعیف بہ تقاضائے سن پہلو بدلنے کے لیے گھٹنہ اٹھاتا ہے تو قائمین میں سے قریبی آدمی موقع غنیمت جان کر بجلی کے کوندے کی طرح لپک کر اُس ادنیٰ خلاء کو اتنی مضبوطی سے پُر کر لیتا ہے کہ گویا ع

زمیں جنبد نہ جنبد گل محمدؐ

دسویں رات کی خنک چاندنی اور خواجہ معظم دینؒ کے روضے کی چوٹی پر اسّی فٹ کی بلندی سے چمکنے والے قمقمے کی ہلکی دودھیا روشنی آپس میں ہم آمیز ہیں۔ حضرت خواجہ سیالوی کی

فرشی نشست کے قریب چھوٹی سی مصنوعی پہاڑی پر سجائے ہوئے گملوں میں پودوں کی شاخیں ہوا کے نرم ہلکوروں میں رقص کر رہی ہیں، اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مجلس کی طرح ان پر بھی اہتزاز کی کیفیت طاری ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے ہر لفظ کے لیے سیکڑوں کانوں کے دریچے وا ہیں اور دلوں کے روزن کشادہ۔ براہِ راست مخاطبین کی اگلی صف میں چار آدمی ہیں۔

۱۔ راقم الحروف کے والد بزرگوار خواجہ غلام سدید الدین صاحب مدظلہ سجادہ نشین مرولہ شریف

۲۔ خطاط سیّد انور حسین الحسینی نفیس رقم خلیفہ مجاز حضرت رائے پوریؒ۔

۳۔ خطاط صوفی خورشید عالم مخمور سدیدی خلیفہ مجاز خواجہ غلام سدید الدین صاحب مرولوی

۴۔ جامعہ محمّدیہ جھنگ کے ایک مدرّس (جو حضرت شیخ کے ہمسفر تھے)

راقم الحروف، حضرت شیخ کی نظر بچا کر ایک کونے میں اس خوف سے دبا بیٹھا تھا کہ اگر آپ نے کسی چیز کے بارے میں بھی مجھ سے کچھ پوچھ ہی لیا تو میں جواب عرض کرنے کی ہمّت کہاں سے لاؤں گا؟ چنانچہ میرے مخفی رہنے کی کوشش کے باوجود ایک دو مرتبہ حضرت شیخ نے میری طرف دیکھا بھی، لیکن براہِ راست خطاب سے میری قوت کلام کی بے بضاعتی کو بے نقاب کرنا آپ نے پسند نہ فرمایا اور روئے سخن پھر مذکورہ چار حضرات کی طرف منعطف ہوا۔

حضرت شیخ نے فرمایا۔ اعلیٰ حضرت سیالوی خواجہ شمس الحق والدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے وقت کے غوث الاعظم تھے۔ جب آپ سماع سُنتے تو آپ کے وجد و حال کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ گھٹنہ مبارک نہایت معمولی برائے نام سی جُنبش کرتا اور اگر خدانخواستہ کسی موقع پر گھٹنہ مبارک مرتفع ہو جاتا تو قیامت آجاتی، کیونکہ یہ علامت غفلت کی ہے اور غوث الاعظم کی ادنیٰ غفلت بھی مخلوق کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔

پھر فرمایا۔ حضور خواجہ شاہ اللہ بخش تونسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد سوا پارہ منزل پڑھتے، پھر روضہ مبارک میں حاضر ہوتے اور فارغ ہو کر مہاروی حضرات کے پاس جاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عرس شریف کے موقع پر جب آپ حسبِ معمول مہاروی حضرات کے پاس تشریف لے گئے تو حضرات نے عرض کیا کہ حضور آج عرس شریف کی

کا کوئی لطف نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا کہ قوالوں نے حلقوم تک ٹھونسم ٹھانس کے پیٹ بھرا ہوتا ہے، اس لیے جب ان کی اپنی طبیعت ہی موزوں نہ ہو وہ دوسروں کو کیسے محظوظ کر سکتے ہیں؟ پھر حضور تونسوی نے فرمایا کہ اچھا قوالوں کو بلاؤ۔ حضور کے قوالوں کو زلیخائے جامی اوّل سے آخر تک تمام کی تمام یاد تھی۔ آپ نے ایک خاص جگہ سے انتخاب کر کے فرمایا۔ یہاں سے پڑھو۔ قوالوں نے پڑھنا شروع کیا اور حضور نے اہلِ مجلس پر اپنی توجہ ڈالی۔ تمام اہل مجلس بلکہ آستان شریف پر جتنے بھی لوگ تھے بلا امتیاز اور بلا استثنا تمام کے تمام وجد کرنے لگے، بلکہ بعض تو بیہوش بھی ہو گئے۔

در ساغرِ چشم تو نہ دانم چہ شراب است؟
بر ہر کہ نظر می فگنی مست و خراب است!

پھر فرمایا۔ یہ تونسہ شریف کا تاریخی وجد تھا۔

بعد ازاں، فرمایا۔ قاضی صاحب نوشہروی کا علوم و فنون میں بہت بلند پایہ تھا۔ وہ اعلیٰ حضرت سیالوی پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ آپ سماع کیوں سنتے ہیں؟ حضرت نے ایک مرتبہ قاضی صاحب ہی سے فرمایا۔ جاؤ قوالوں سے کہو کہ ہمیں کچھ سنائیں۔ قوال حاضر ہو کر سنانے لگے تو قاضی صاحب بھی حضور کو اس بدعت سے روکنے کے لیے آ گئے، لیکن یہ شعر سنتے ہی وہ بے اختیار وجد کرنے لگے ؎

ثنائے زلف و رخسارِ تو اے ماہ ملائک ورد صبح و شام کردند

قاضی صاحب کی سرجوشی اور مدہوشی یہاں تک بڑھ گئی کہ انھوں نے اپنے کپڑے پھاڑنے شروع کر دیئے اور اپنی دستار سر سے اُتار کر قوالوں کو نذر کر دی۔ حضور ثانی خواجہ محمد دین سیالوی رضی اللہ عنہ اٹھ کر گھر چلے گئے اور سونے کے تمام زیورات اور قیمتی کپڑے ایک گٹھڑی میں باندھ کر لائے اور وہ سب کچھ قوالوں کو دے کر آپ نے قاضی صاحب کی دستارِ شریعت واپس حاصل کی اور پھر اپنے دستِ مبارک سے قاضی صاحب کے سر پر رکھی۔

بعد ازاں فرمایا کہ۔ سیّد سُند بیحد زیرک اور تیز دماغ ہونے کے علاوہ بہت خوش جمال بھی تھے۔ ان کے حسن و جمال کے سامنے اہل نظر کا دامانِ شکیبائی ہاتھوں سے پڑا چھوٹتا

تھا۔ عالمِ شباب میں ابھی وہ بالکل تازہ رسیدہ ہی تھے کہ تحصیلِ علم کے لیے بغداد کی شہرۂ آفاق یونیورسٹی نظامیہ میں جا پہنچے۔ دُور دراز کے سفر کے بعد ان کے جسم پر کسلمندی کے آثار نمایاں تھے، اور چاند سے چہرے پر گرد و غبار جما ہوا تھا۔ ان کے چہرے کی صباحت اور ملاحت اور اس پر گرد و غبار کی ہلکی سی تہ کو دیکھ کر اُن کے ہونے والے استاد (حضرت شیخ کا بتایا ہوا نام بھول گیا ہے۔ مرتّب) نے فرمایا یالیتنی کنت ترابا۔ سیّد سند نے برجستہ کہا و یقول الکافر یالیتنی کنت ترابا۔

پھر حضرت شیخ نے ضمناً مولانا معین الدین اجمیری اور مولانا محمد حسین صاحب کے علمی کارناموں کا ذکر کیا۔

اس کے بعد آپ نے راقم الحروف کی تالیف "شعرِ ناب" کا مطالعہ شروع کیا اور مولانا جامی کے باب سے یہ نعت شریف

لی حبیب عربی مدنی قرشی
کہ بود درد و غمش مایۂ شادی و خوشی

انتخاب کر کے حافظ محمد حسین ریڈیو آرٹسٹ اور صوفی محمد حسین جلالپوری سے بغیر مزامیر کے سُنی۔ جب نعت شریف مقطع کے قریب پہنچی تو عشا کی اذان ہونے لگی۔ حضرت شیخ نے فوراً قوالی رُکوا دی۔ اذان ختم ہوئی تو آپ نے ایک لمبی دُعا پڑھی، حاضرین بھی ہاتھ اٹھا اٹھا کر آمین کہہ رہے تھے اور ان میں سے اکثر بشمول نویسندہ تھک چکے تھے۔ گھڑی پر منٹوں کی سوئی محیط کا چوتھائی حصہ قطع کر چکی تو حضرت شیخ کے دعا کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھ مراجعت فرما ہوئے۔ پھر نعت شریف کا بقیہ حصّہ سنایا گیا اور نماز کے لیے مجلس برخاست ہوئی۔

O

چہار شنبہ ۱۰ ربیع جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ کی صبح کے سات بجے ہیں۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا صوفی مخمور سدیدی اور سید انور حسین نفیس رقم کے ساتھ چائے پی رہا ہوں۔ گرم و خوشگوار چائے کے ایک ایک گھونٹ کے ساتھ میں حضراتِ موصوف کی طرف دیکھ لیتا ہوں کہ کوئی گوہرِ معنی ان کے ضمیرِ مُنیر سے نوکِ زبان پر آئے تو دامانِ سماعت اسے چُن لے، کہ دریں اثنا

قبلہ والد بزرگوار بنفس نفیس تشریف لائے اور یہ فرماتے ہوئے کہ "حضور تمھیں یاد فرماتے ہیں" عجلت سے واپس ہوئے۔ میں نے فرطِ شوق میں پیالی کو جھٹ پرچ پر رکھا، جس سے ٹھناٹھن کی آواز پیدا ہوئی۔ اور اس کا مجھے آج تک احساس ہے۔ اُمید ہے صوفی صاحب اور شاہ صاحب میری اس ناشائستگی کو، دو سبب سے، معاف فرمائیں گے۔ ایک تو یہ کہ اس وقت میں بالائی حکم کی تعمیل میں رواروی کے عالم میں تھا، دوسرے بقولِ کسے:

"بین الاحباب تسقط الآداب"

حضرت شیخ کے کمرے میں حاضر ہو کر پہلے میں نے آپ کی جائے نماز پر بوسہ دیا اور پھر قدم بوسی سے مشرّف ہوا۔ حضور نے فرمایا۔ "تم مجھے اب تک کیوں نہیں ملے؟" ندامت سے میرا سر جھک گیا، کیونکہ بیس گھنٹے پہلے جب آپ موٹر سے اُترے تھے اس وقت پیر بھائیوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ میں نے اگرچہ برہنہ پا دوڑ کر تعظیم اور زیارت تو کر لی تھی لیکن قدمبوسی حاصل نہ کر سکا۔ اور اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلّی دے لی تھی کہ اتنے اژدہام میں حضرت شیخ کو کیسے یاد رہے گا کہ کون ملا ہے اور کون نہیں ملا؟ لیکن قربان جاؤں حضرت شیخ کی نگاہِ پاک کے، جو اس دنیا کی بھیڑ بھاڑ میں اپنے غلام کو فراموش کرنے کی روادار نہیں ہوئی تو یقینِ کامل ہے کہ آخرت کے ہوش رُبا ہنگامۂ رستخیز میں بھی وہ اپنے غلام کو بروقت پہچاننے میں دریغ نہیں کرے گی۔

حضرت شیخ کی اس خصوصی توجہ کا اثر یہ بھی ہوا کہ میرے کئی روحانی شکوک رفع ہو گئے۔ مثلاً اکثر میرے دل میں یہ وسوسہ گھُس کر تذبذب کی کیفیت پیدا کر دیتا تھا کہ چھ سال قبل جب حضرت شیخ نے مجھے بیعت فرمایا تو آپ نے مجھے اوراد و وظائف کی قطعاً کوئی تلقین نہیں کی تھی، اس لیے شاید آپ کے ساتھ میری بیعت راسخ ہے یا نہیں؟ لیکن حضرت کے کریمانہ التفات نے میرے دل کے نہاں خانے سے مذکورہ وسوسے کا استیصال کر کے میرے باطن کو "عین الیقین" سے سرشار کر دیا۔ الحمد للہ علے ذالک۔

حضرت شیخ کے اس ارشاد کا کہ "تم اب تک مجھے کیوں نہیں ملے؟" میرے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا۔ لیکن، تاہم، آپ کی توجہ کو اصل نقطے سے پھیرنے کے لیے میں نے عرض کیا

کہ بندہ رات کی مجلس میں حاضرِ خدمت رہا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں واقعی بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا حافظہ اور نظر کمزور ہو چکے ہیں، کیونکہ میں نے تمہیں ملتے نہیں دیکھا۔

آپ کا یہ ارشاد حقیقت پر مبنی تھا، چنانچہ میں لاجواب ہو گیا اور شرم کے مارے میری ٹھوڑی سینے پر جا لگی۔ اس انفعالی انداز میں میری خاموشی عذر خواہی کا کام کر گئی اور حضرت شیخ نے نہایت کریمانہ انداز میں پردہ پوشی سے کام لیا اور بات کو بالکل بدلتے ہوئے فرمایا۔ "اچھا اپنے سفرِ کابل کے حالات سناؤ"۔ میری گویائی، یوں معلوم ہوتا تھا بالکل جواب دے گئی ہے۔ حضور کا رعب اور وقار مجلس پر محیط تھا۔ تو گفتار ریچّے کی طرح چند شکستہ لفظوں میں، میں نے سفرِ کابل کا ایک آدھ واقعہ بیان کرنے کی کوشش کی اور پھر ایک طویل خاموشی کو اپنا ترجمان بنا کر، حضور کی طرف دیکھنے لگا ؎

نمی گردید کوتہ، رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں، بخاموشی ادا کردم

آپ نے میرے والد صاحب قبلہ کے ساتھ کسی اور مسئلے پر گفتگو شروع کی۔ اس کے بعد چند لمحوں میں ناشتہ تیار ہو کر دستر خوان پر پہنچ گیا۔ ناشتے پر حافظ محمد یوسف سدیدی، صوفی مخمور سدیدی اور سید نفیس رقم صاحب کو بھی طلب کیا گیا۔

ناشتے کے بعد ڈیڑھ گھنٹے تک علمی مجلس گرم رہی۔ مذہب اور عربی ادب کے سنجیدہ امور پر آپ نے تازہ نکات اور افکارِ بکر پیش کئے، جن سے علماء حد درجہ محظوظ ہوئے۔ مذہب شیعہ کے متعلق آپ نے اپنی جدید تحقیقات کی تفصیل بتائی اور شیعہ رُواۃ پر جس نہج سے بحث کی، افسوس ہے کہ اس کا کوئی پہلو دامانِ خیال میں محفوظ نہیں رہ سکا، ورنہ یہ خاصے کی چیز ہوتی۔ بریلوی مسلک کے متعلق کسی عالم نے آپ سے استصواب کیا۔ حضور نے فرمایا۔ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں۔ کیونکہ فقیر کے عقیدے میں مذہب کی بنیاد عشقِ رسولؐ پر ہے اور عشق کی بنیاد ادب پر ہے۔ مولانا بریلوی کو ذاتِ رسولؐ سے بے پناہ عشق تھا۔ پھر آپ نے زبانِ مبارک سے یہ شعر پڑھا ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

دریں اثنا، کمرے میں کچھ گرمی کا احساس ہوا۔ برآمدے والی دیوار کی کھڑکیاں کھلوا دی گئیں۔ کھڑکیوں سے پیر بھائیوں نے حضرت شیخ الاسلام کو دیکھنے کے لیے، دوسروں کو پیچھے دھکیل کر خود آگے بڑھنے کے جذبے میں، ایک ہنگامہ سا پیدا کر دیا۔ کمرے کے اندر سے انھیں کئی بار منع کیا گیا کہ آپ لوگ بیٹھ جائیں، حضرت شیخ ابھی باہر تشریف لا رہے ہیں۔ لیکن اس حکم کو، باہر والوں نے، فرطِ شوق سے بالائے طاق رکھ دیا۔ ہر آدمی کے جذبات و احساسات سے پتہ چلتا تھا کہ جیسے اس کو حضرت شیخ کی زیارت کا دوسروں سے بڑھ کر لطف آرہا ہو لیکن جو لطف خود مجھے محسوس ہو رہا تھا وہ دوسروں کے مجموعی لطف سے کہیں زیادہ تھا ؎

بہ ہر نظر بُتِ ما جلوہ می کند، لیکن کس ایں کرشمہ نہ بیند کہ من ہمی نگرم

۹ بجے سے ۹½ بجے تک حضرت شیخ الاسلام نے مجلس موقوف فرمائی۔ کافی لوگ کمرے سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ میں بیٹھا رہا۔ اس وقت ایک دفعہ حضرت نے میری طرف دیکھا اور میں نے یوں سمجھا کہ جیسے دل کے زنگار خانے میں ایک زلزلہ سا آگیا ہو۔ طبیعت میں گداز اور جذبات میں میلان پیدا ہوا۔ یہ قلیل الفرصت نگاہ کہ اسے نسیمِ سحر کا لطیف جھونکا کہا جائے یا شمعِ نور کی کرن، "چشم زدن" میں دل کی عظیم کائنات کو تسخیر کرتے ہوئے ایک غیر مرئی شعلہ اپنی جاودانی یادگار چھوڑ کر پلٹ گئی ؎

شد از تصرفِ چشمِ تو آں زماں خبرم کہ شعلہ در جگر افتادہ بے خبر می سوخت

کچھ وقت کے بعد، میں بھی اجازت لے کر باہر چلا آیا۔ جس جس جگہ سے میرا گذر ہوا وہاں پیر بھائی ٹولیاں بنائے بیٹھے، حضرت شیخ کے فضائل و شمائل اور محامد و محاسن بیان کر رہے ہوتے تھے، سبحان اللہ

یک چراغ است دریں خانہ واز پرتوِ آں
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

حضور کی صدارت میں ساڑھے نو بجے عرس شریف کی مجلس شروع ہوئی اور ساڑھے

گیارہ بجے ختم ہوئی۔ پھر آپ نے آرام فرمایا اور دو بجے ظہر واپس سیال شریف روانہ ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام طبعاً گمنامی پسند ہیں، میرا دل خوف کے مارے ڈوب رہا ہے کہ مبادا اس تحریر سے آں حضور کی طبیعتِ اقدس میں گرفتگی کا کوئی شائبہ تک بھی دخیل ہو۔ سببِ تحریر میں نے اوّل اوّل بیان کر دیا ہے لیکن حضرت شیخ کی طبعِ حلیم وکریم سے بدیں الفاظ معذرت خواہ ہوں ؎

سخن دراز کشیدم ولے امیدم ہست
کہ ذیلِ عفو بدیں ماجرا بپوشانی

دعا ہے کہ خدا آپ کو جسمانی و روحانی صحت، آسودگی اور بالیدگی عطا فرمائے تاکہ آپ، اعلیٰ حضرت کی روشن کردہ شمعِ ہدایت کو اپنے نفسِ قدسی سے برسرِ جلوہ رکھیں اور اہلِ شوق کو وہاں سے چنگاری ملتی رہے۔ خدا آپ کی توفیقاتِ عالیہ میں اضافہ فرمائے۔ آمین!

تاریخ ترجمہ

از صوفی خورشید عالم مخمور سدیدی لاہوری

ہے مراۃ العاشقین کا ترجمہ
نور بخشِ دیدہ ہائے سالکاں
شمعِ دل افروز تالیفِ لطیف
مراۃِ عشاق، مقبولِ زماں
۱۳ ھ ۸۸
۱۳ ھ ۸۸

(۲)

معرفت کا بحرِ بے پایاں نظام العاشقین
ہیں یہ ملفوظاتِ اقدس بوئے گلزارِ بہشت
میں نے کی مخمورؔ جب تاریخِ "پرگوہر" کی فکر
دی صدا ہاتف نے لکھ دے گوہرِ تابانِ چشت
۱۳ ھ ۸۸